DATE LABEL

DATE LABEL

DATE LABEL

مرآۃ الغیب

دیوان اوّل

جناب امیر مینائیؒ مرحوم

قیمت

مجلد۔ چار روپے اٹھ آنے

ناشر

مکتبۂ کلیات لکھنؤ

ٹیلیفون ۵۲۷۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امیر مینائی

حضرت امیر مینائی اُردو زبان کے اکابر شعراء میں تھے اور اپنی نسبی اور علمی حیثیت سے بھی ممتاز تھے۔ امیر مینائی اپنے زمانہ میں لکھنؤ کے شعراء میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول تھے۔ ان کی یہ شہرت ان کے علم و فضل، ان کے اخلاق و زہد، ان کی کثیر تصنیفات اور بلند پایہ شاعری کی بدولت تھی۔ آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ ان کی بہت قدر کرتے تھے لیکن جب اودھ کی حکومت کا ستارہ گہنایا اور گہوارۂ علم و ادب انگریزوں کے ہاتھوں برباد ہوگیا تو نواب یوسف علی خاں والیٔ رامپور نے حضرت امیر مینائی کو اپنے پاس بلالیا اور بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال اور اعلیٰ حضرت نظام دکن نے بھی ان کو شاہانہ عنایتوں سے نوازا۔

حضرت امیر مینائی کا پورا نام امیر احمد تھا۔ امیر تخلص تھا اور چونکہ آپ حضرت شاہ مینا کے خاندان سے تھے جن کا مزار مبارک لکھنؤ میں سرچشمۂ فیض عام ہے اس لئے مینائی کہلائے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام مولوی کرم محمد تھا۔ حضرت امیر مینائی ۱۶ شعبان المعظم کو دوشنبہ کے دن ساڑھے دس بجے لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ یہ شاہ نصیر الدین حیدر کا زمانہ تھا۔

درسی کتابیں مفتی سعد اللہ اور علمائے فرنگی محل سے پڑھیں۔ امیر مینائی بڑے منکسر المزاج عابد، زاہد اور صوفی منش انسان تھے۔ طب، جفر اور نجوم وغیرہ سے بھی واقف تھے۔ وہ نہایت ذکی، طباع، محنتی، جفاکش اور وضعدار تھے۔ حضرت مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے اور بہت جلد قابلیت میں استاد سے آگے نکل گئے۔

امیر بہت پُرگو شاعر تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں نثر میں بھی لکھی ہیں۔ ایک دیوان غدر میں تلف ہوگیا تھا پھر ۱۸۹۵ء میں آتش زدگی سے اکثر تصانیف جل کر خاک ہوگئیں۔ ان کے دو دیوان

"مراۃ الغیب" اور "صنم خانۂ عشق" عاشقانہ رنگ میں ہیں۔ "محامد خاتم النبیین" نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔

آج کل لکھنؤ کے شعرائے متقدمین اور متاخرین عموماً اور ناسخ و آتش اور اسیر و رشک خصوصاً مورد عتاب ہدف ملامت ہو رہے ہیں ایسی حالت میں امیر مینائی کے کلام کی اشاعت کرنا اور ان کے کلام پر اظہار ستائش کرنا بڑی جرات کی بات ہے مگر ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی شاعری ہی ہے اور اپنی شاعری ہی کی بدولت وہ مشہور زمانہ ہوئے اس لئے ضروری ہے کہ ان کی شاعری کو ہاتھوں ہاتھ پہنچایا جائے۔

امیر مینائی کو ہر صنف شاعری پر مکمل قدرت حاصل تھی۔ وہ کبھی میر تھے تو کبھی میرزا کبھی جرات تھے تو کبھی ناسخ و آتش۔ شوکت الفاظ، متانت خیال، صفائی بندش، خوش اسلوبی، نادر تشبیہات، دل نشیں استعارات و محاورات، اخلاق و اصول کی باتیں، تصوف، روزمرہ، شوخی، درد، معاملہ بندی و ادابندی وغیرہ کی شاعرانہ لطافتوں سے ان کا کلام مالا مال ہے۔ قافیہ جس طرح کا مضمون چاہتا تھا وہ اپنی جودت طبع کے زور سے ویسا ہی مضمون اسے عطا کر دیتے تھے اور شعر میں کوئی نہ کوئی نقطہ ایسا رکھ دیتے تھے کہ بلاغت کا دریا بہنے اور فصاحت کا سمندر موجیں مارنے لگتا تھا۔

امیر کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شاعر پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنے آپ کو اپنے علم و فضل کے زور سے شاعر بنا لیا تھا۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جو شخص فطرتاً شاعرانہ طبیعت لے کر نہیں آیا وہ خود کو ایسا قادر الکلام شاعر بنا ہی نہیں سکتا اور پھر واقعات شاہد ہیں کہ امیر مینائی نے بچپن ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔

ابر آتا ہے ہر بار برستا نہیں پانی   اس غم سے مرے آنسوؤں کی ہے یہ روانی

یہ شعر اس وقت کا ہے جبکہ امیر نو برس کے طفل مکتب تھے۔ اس لئے دعوے کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ قدرتاً شاعر پیدا ہوئے۔ ازل سے انھیں دیگر خصوصیات کے ساتھ یہ تحفہ بھی ملا اور اسی چیز نے ان کو شہرت کے بلند بام پر پہنچایا۔

امیر پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ان کے یہاں آمد نہیں ہے آورد ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امیر کے یہاں عشق مجازی کا ثبوت نہیں ملتا اور اس کے بغیر واردات محبت کی صحیح تصویر کشی اور جذبات نگاری ممکن نہیں۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ واردات محبت کی صحیح تصویر کشی اور جذبات نگاری کی قوت خداداد ہوتی ہے۔ اس کا انحصار شاعرانہ قوت پر ہوتا ہے اور جس کو خدا کی طرف سے یہ قوت ودیعت ہو جائے اس کے لئے یہ بات دشوار نہیں ہو سکتی۔

یہ اور بات ہے کہ ہم کو اپنی نااہلی کی بدولت محال معلوم ہو دوسرے یہ کہ ہم کو یا آپ کو امیرؔ کے عشق مجازی کا ثبوت نہ ملنا اس کے عدم یا وجود کی قطعی دلیل نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو سے

ظرف عالی ہے امیر احمد مینائی کا

اور خود امیرؔ کہتے ہیں سے

ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

اور اس قسم کے لاتعداد اشعار ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حسن و عشق کی وارداتوں اور کار فرمائیوں سے بخوبی واقف تھے۔

امیرؔ پر یہ الزام بھی صحیح نہیں ہے کہ ان کی شاعری صرف ناسخؔ وغیرہ کے رنگ کی ہے۔ تشبیہات و استعارات اور رعایت لفظی وغیرہ کے سوا اس میں جدت خیال و سوز و گداز کا نام نہیں اور یہ کہ آخر زمانے میں انھوں نے داغؔ کا رنگ مقبول دیکھ کر اس کی تقلید کی۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک تشبیہات و استعارات، مضامین و تخیل اور انداز بیان وغیرہ کا تعلق ہے امیرؔ نے بہت سی جدتیں کی ہیں اور فرسودہ مضامین میں نئی جان ڈالی ہے۔ تصوف، درد و تاثیر وغیرہ سے بھی ان کا کلام خالی نہیں ہے۔ البتہ ان جواہر پاروں کو نظر غور سے دیکھنے اور تلاش کرنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

امیرؔ نے غزلوں کے ساتھ ہی ساتھ نعتیں بھی کہی ہیں اور نعتوں کا پورا دیوان "محامد خاتم النبیین" کے نام سے موجود ہے۔ گو نعتوں میں امیرؔ نے شاعری سے بہت کم کام لیا ہے پھر بھی اس میں نازک خیالی اور شاعرانہ لطافت کے اعلیٰ نمونے جا بجا نظر آتے ہیں۔ امیرؔ کی نعتیں ان کے زمانے میں بیحد مقبول تھیں اور محافل میلاد اور سماع کی مجلسوں میں لوگ ان سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے تھے۔ ان کی نعتوں کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

جھونکا جو کوئی آئے مدینے کی ہوا کا ٹھنڈا ہو کلیجہ ترے مشتاق لقا کا
بیمار ہوں میں الفت محبوب خدا کا اس درد میں ملتا ہے مزا مجکو دوا کا

یا خدا جسم میں جبتک کہ مری جان رہے تجھ پہ صدقے ترے محبوب پہ قربان رہے
قامت سرور کونین کے کشتوں میں اٹھوں یا خدا ہاتھ مرے حشر کا میدان رہے

دونوں عالم کے بکھیڑوں سے چھڑا دے یارب — اپنے محبوب کو اک بار دکھا دے یارب
زندگی ہند میں حسرت سے ہوئی ہے آخر — اب تو روضہ پہ نور دکھا دے یارب

خلق کے سرور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم — مرسل داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم
نور مجسم، نیر اعظم، سرور عالم، مونس آدم — نوح کے ہمدم، خضر کے رہبر صلی اللہ علیہ وسلم
فخر جہاں ہیں، عرش مکاں ہیں، شاہ شہاں ہیں، سیف زباں ہیں — سب پہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلی اللہ علیہ وسلم
قبلۂ عالم، کعبۂ اعظم، سب سے مقدم راز کے محرم — جان مجسم روح مصور، صلی اللہ علیہ وسلم
دولت دنیا خاک برابر ہاتھ کے خالی دل کے تونگر — مالک کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم
رہبر موسیٰ، ہادی عیسیٰ، تارک دنیا، مالک عقبیٰ — ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر صلی اللہ علیہ وسلم
سرو خراماں، چہرہ گلستاں، جبہہ تاباں، مہر درخشاں — سنبل پیچاں، زلف معنبر صلی اللہ علیہ وسلم
مہر سے مملو رشتہ رشتہ نعت امیر اپنا ہے پیشہ — ورد ہمیشہ رہتا ہے لب پر صلی اللہ علیہ وسلم

امیر مینائی کی عاشقانہ غزل رنگ برنگے پھولوں کا ایک گلدستہ اور قیمتی جواہر کا ایک خزینہ ہے۔ مثلاً "گلستاں کا" "بیاباں کا" اس زمین میں ایک گریباں ہی کے قافیے کو لیجئے تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ امیر نے کیسے کیسے گل کھلائے ہیں اور اشعار کتنے متفرق رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

نہیں سودا فقط یوسف کو اسکے دور داماں کا — گدا اور میں بھی ہے کوچہ چاک گریباں کا
مرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا — مجھی سے پھر گلہ الٹا مرے چاک گریباں کا
نہ ہوگا بند جب تک نقد جاں باقی ہے قالب میں — سنج کے گھر کا دروازہ ہی چاک اپنے گریباں کا
نظر آیا وہ چہرہ ہوتے ہوتے رہ گئی وحشت — اٹھائی آپ نے چلمن رہ گیا پردہ گریباں کا
کہاں ساماں تھا وحشت میں کہ نامہ یار کو لکھتا — دیا قاصد کو پرزہ پھاڑ کر میں نے گریباں کا
تردد کیا ہے تم کو یہ تو دو ہاتھوں میں اچھا ہے — عدو کا زخم دل کیا چاک ہے میرے گریباں کا

غرضکہ امیر مینائی مرحوم اپنی قوت شاعری کی بدولت ہر رنگ میں بہتر سے بہتر شعر نکال سکتے تھے۔ انکے دواوین پڑھئے تو ایسے گلدستے معلوم ہوں گے جنمیں گلستان اردو کے ہر چمن کے پھول آپکو نظر آئینگے رنگ کے اعتبار سے بھی اور بو کے لحاظ سے بھی یعنی دکنی سے لیکر اپنے معاصرین کے عہد تک جس قسم کی شاعری عہد بہ عہد مقبول رہی ہی یا جس نوعیت کے اساتذہ مشہور و معروف رہے ہیں امیر مینائی نے ہر دور کے ممتاز شاعر کے پہلو بہ پہلو پرواز کرنیکی کوشش کی ہی۔ شاعرانہ قوت و صلاحیت کا اس سے بہتر کیا ثبوت ہو سکتا ہی۔ آپ بھی ایسے استاد زماں کا کلام ملاحظہ فرمائیں گے تو یقیناً انکی استادی کے قائل ہو جائینگے۔

شمیم انہونوی (ایم اے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قصیدہ در مدح جناب مستطاب ہلال رکاب انجم خدم نواب محمد کلب علیخان بہادر دام ملکہم اقبالہم مستنیر مناظرہ دانش دہم

تخت کاغذ پہ ہوا صدر نشیں شاہ قلم — دائرے طبل کی صورت ہیں الف شکل علم

ہیں جو یہ عرصۂ کاغذ پہ حروف و حرکات — یہی لشکر ہے یہی فوج یہی خیل و خدم

ہے فصاحت جو مصاحب تو بلاغت ہے ندیم — وزرا مرتبہ و دبدبہ و جاہ و حشم

منتخب ہیں جو مضامین تو معانی ہیں لطیف — ہیں وہی گنج و خزاین وہی دینار و درم

اہل دفتر نے جو کی کھول کے بستوں کی نشست — گردن منشی گردوں ہوئی تسلیم کو خم

کبھی منصب کبھی تقسیم ہیں دیں جاگیریں — شقے لکھے گئے ہونے لگے فرمان رقم

وقت دربار ہوا جمع ہوئے مجرائی — عقل فہم و خرد و ہوش و تدابیر و حکم

سامنے آنے لگے خیر طلب بہر سلام — ہر دہا تھا جو ادب کا وہ پکارا ابہیم

روبرو خسرو جمجاہ فلک فر کے نگاہ — تا ابد سلطنت پشت و پناہ عالم

ہوئی مجرے سے بخوبی جو فراغت حاصل — مسند حکم ہوئی مطلع انوار قدم

روبرو دستخط خاص کو لایا کاغذ
عرضیاں گذریں خلائق کے برآئے مطلب
بعد اخبار کے پرچوں کی جو نوبت آئی
کہ ملازم ہیں جو سرکار کے دانش و وہم
بحث اک بات کی دونوں میں پڑی ہے ایسی
حکم عالی یہ ہوا جلد کرو حاضر بزم
حاضر بزم ہوئے وہ تو ہوا یہ ایما
عرض دانش نے یہ کی روز ابد تک قائم
بندۂ خاص نے دیکھے ہیں ہزاروں السال
ایک حاکم ہے فلک جاہ خردمند زکی
نام ہے کلب علی خان بہادر جمجاہ
علم میں حلم میں جود و کرم و ہمت میں
جسمیں جو بات ہو کیونکر اُسے کوئی نہ کہے
میرے کہنے کو ذرا وہم نے باور نہ کیا
کہ کمالات کا جامع ایک میں ہو ناممکن
کیسے کیسے نہیں گذرے ہیں جہانگیر نامی
سارے عالم میں ہے سحباں کی فصاحت مشہور
کسکو معلوم فلاطوں کی نہیں ہے حکمت
چار سو ہمت حاتم کا ہے آوازہ بلند
تو جو کہتا ہے کہ ان سب سے ہے بڑھکر کوئی
میں یہ کہتا ہوں میں دعوی میں ہوں نا صادق

حکمت الدولہ جو تھا منشی یاقوت رقم
لب ہوئے لعل فشاں کھل گئے ابواب کرم
نئے مضمون کا اک پرچہ ہوا پیش اسدم
در دولت پہ ہے ہنگامہ لڑے ہیں باہم
کہ بہم گتھ گئے ہیں صورت خط توام
دیکھیں کیا کہتے ہیں خود دونوں ہم ہونگے حکم
کیوں لڑے کیا سبب جنگ ہے آگاہ ہوں ہم
یہ حکومت یہ ایالت یہ شہامت یہ حشم
حکمرانان زمانہ رؤسائے عالم
صاحب علم و ہنر معدن اخلاق و کرم
جسکے خدام ہیں ہم مرتبۂ قیصر و جم
ہے وہ یکتائے زمانہ سر اقدس کی قسم
پیش انصاف گزیں حق کا چھپانا ہے ستم
بلکہ مارا رہ انکار میں منکر نے قدم
کارخانہ ہے خدا کا نہیں خالی عالم
خواجگان عربستان و صنادید عجم
سارے آفاق میں کسری کی عدالت ہے علم
حکم نادر ہے عیاں جلوہ نما عشرت جم
شش جہت پر ہے عیاں رعب جری تھا رستم
زعم باطل ہے فقط مانتے ہیں کب اسے ہم
ہیں دلائل جو ہوں گوش شنوا گوش اصم

کچھ یہ سنتا نہیں انکار پہ باندھے ہے کمر   گفتگو کے طرفین آپ معیں ہو کے بہم
ہوگیا حکم کہ ہاں محکمۂ بحث ہو گرم   ایک اک بات کا ہو فیصلہ لا ہو کہ نعم
وہم بولا کہ مجھے عدل میں پہلے ہے کلام   نام کسریٰ کا ہے انصاف و عدالت میں علم
فی البدیہہ اسے دانش نے دیا تب یہ جواب   چاہ بے آب بھی پاتا ہے کہیں رتبۂ یم
میرے ممدوح کا وہ عدل جو تھا عدل رسول   عدل کسریٰ میں ضلالت کے طریقے منضم
کفر و اسلام کے آئیں میں ہے ظاہر تفریق   چشم بینا میں کبھی ایک نہیں نور و ظلم
چپ ہوا وہم کہا خیر یہ مانا میں نے   کون حاتم سے زیادہ ہے بہ یم جود و کرم
ہنس کے دانش نے کہا یہ بھی نہیں سمجھا تو   بادشہ تھا نہ کسی ملک کا حاکم حاتم
وہ بھی دیتا تھا خلائق کو جو دیتا تھا خدا   اسمیں جتنے ہوں میسر اسے دینار و درم
بیش ازیں نیست کہ دعوت میں کیا کرتا تھا ذبح   گوسفند و بز و میش و شتر و اسپ و غنم
میرے ممدوح کی کشور نہ خزاین کی ہے حد   سب وہ حصہ ہے خلائق کا نہ ہے جود و کرم
اتنے سائل تھے قبیلے میں نبی طے کے کہاں   جمع اُسکی در دولت پہ ہے سارا عالم
روز پاتے ہیں زر و گنج ہزاروں سائل   ہر تہیدست ہے اب مالک دینار و درم
کرتے ہیں صاحب زر ہو کے غنی زر بخشی   یہ وہ حاتم ہے کہ ہیں اس کے گدا تک حاتم
بات معقول تھی کچھ وہم کو آیا نہ جواب   نطق ہو بند تو منہ کھول سکے کیا ابکم
بعد کچھ دیر کے بولا کہ رہا اب یہ کلام   کہ شجاعت میں یہ افضل ہے کہ افضل رستم
کس جوان مرد نے مانا نہیں لوہا اسکا   قائل جرأت رستم ہے عرب تا بعجم
سنکے اس بات کو دانش کو ہوا کچھ جو سکوت   میں بھی موجود تھا بولا کہ خموشی ہے ستم
شاہنامہ نہیں کیا تیری نظر سے گذرا   آپ کہتا ہے یہ فردوسی اعجاز رقم
سیستاں میں تھا فقط ایک وہ گمنام سایل   شاہنامہ جو کہا میں نے بنایا رستم
میرے ممدوح کی جرأت تھی بھلا اسمیں کہاں   رعب سے اُس کے صفیں ہوتی ہیں درہم برہم

اب جو ہیں اسلحۂ جنگ یہ آگے تھے کہاں
نہ یہ توپیں نہ یہ گولے تھے نہ پیل نہ بم

اسپہ پڑ جائے صف فوج عدو میں بھاگڑ
سر میدان جو ڈکارے صفت شیر اجم

اسمیں بھی بند ہوا وہم تو لی اور ہی راہ
رزم سے پھیر کے دھرا بزم میں ناچار قدم

کی یہ تقریر کہ اچھا نہ سہی ذکر نبرد
کتنے آراستہ کی بزم طرب صورت جم

جام جمشید کی پوشیدہ نہیں کیفیت
جس سے تھا پیش نظر آئینہ حالِ عالم

سنکے دانش نے کہا خوب کہاں تجھکو تمیز
مست و مدہوش کو کیا ذائقۂ ناز و نعم

فرض کردم کہ مہیا ہوں سب اسباب نشاط
مطرب و ساقی و نقل و مے و اصوات و نغم

آپ ہی میں جو نہو اسکو ہو حاصل کیا خاک
لذت سامعہ و ذائقہ و قوت شم

اگلے لوگوں میں کہاں تھی یہ تراش اور خراش
یہ نفاست یہ نزاکت یہ لطافت یہ شیم

پیرہن رشک چمن بوقلموں رنگ برنگ
زیوروں میں وہ چمک نور کا جن میں عالم

خوبصورت وہ حسیں ماہ جبیں پیش نظر
خم بخم زلف رسا آئینے زانو و شکم

کبک و طاؤس کی رفتار تو چیتے کی کمر
آنکھیں وہ شوخ کہ آہوئے غزالانِ حرم

رقص وہ جس سے سراسیمہ ہو طاؤس فلک
کان زہرہ بھی پکڑے و مزامیر و نغم

جام جم سے اگر آئینہ تھا احوالِ جہاں
راز کونین سے آگاہ یہاں دل ہر دم

طرح میں وضع میں ترصیع میں ایجاد نہیں
متاثر ہیں سراسر قدما سے اقدم

نہ چلی وہم کی اس میں بھی تو بولا مجبور
خیر قائل ہوں پرائے خارق انوار و ظلم

حکم نادر کا فلاطون کی ہے حکمت باقی
فرق ان کا بھی سنوں کون سوا کون ہے کم

کہا دانش نے کہ یہ بات بھی دشوار نہیں
لائق مدح ہے ممدوح وہ ہیں قابل ذم

وجہ ترجیح کی نادر سے تو یہ حکم میں ہے
وہ ہمہ ظلم و ستم تھا یہ ہمہ عدل و کرم

آنکھیں کسکی نہیں نادر نے نکالیں بیجرم
سرمۂ روشنئ چشم ہے یاں خاک قدم

کسکی گردن پہ نہ نادر کی چلی تیغ جفا
گردنیں سیکڑوں احسان سے اسکے ہوئیں خم

اور حکمت میں فلاطوں کا ہی کیا ذکر کہ وہ
بیٹھ کر خم میں ہوا راہی اقلیم عدم

یہ وہ دریا کہ خم چرخ جہاں ایک حباب
پھیل کر قطرہ نہ دریا سے کبھی ہو اعظم

طرفہ حکمت کی نہی سے بھی وہ قائل نہ ہوا
دل صفا سے ہے یہاں مطلع انوار قدم

کفر و ایمان میں بڑا فرق ہے لازم ہے تمیز
وہ اگر ہیمۂ دوزخ تو یہ ہے سرو ارم

جب سنے ایسے براہین یہ ہوا اُس کا حال
خم کیا سر کو لیے دوڑ کے دانش کے قدم

چشم الطاف سے دانش نے بھی کی اس پہ نظر
بہر تفہیم کہا سن کہ تو ہے نایاب یتیم

یہ تو کہتے تیرے سوالات کہ اے وہم جواب
وصف ممدوح جو ہیں اور وہ اب کہتے ہیں ہم

علم میں حلم میں الطاف میں دانائی میں
ایک ہی فرد ہے یکتا ہے وہ فخر عالم

ہر سحر مشغلہ فریاد رسی داد رسی
میہمان سیکڑوں ہر شام سر خوان کرم

جتنے جس شہر سے آتے ہیں مسافر مہمان
کیمیا کرتی ہے ان کو نظر فیض شیم

اس جگہ چاہیے موزوں ہوں کئی مطلع صاف
گھر میں بیتوں کے لگیں آئینے قد آدم

مطلع

وقت رفتار ہے زر ریز عجب فیض قدم
نقش پا راہ میں بنجاتے ہیں دینار و درم

در دولت کی وہ عظمت ہے کہ جس سے ہر دم
لو لگائے ہوئے ہے لام ہو یا دو قسم

تنگدل وہ ہے عدو نام جو اس کا ہو رقم
ساحت لوح یہ سمجھے کہ ہو میدان ظلم

چشمۂ فیض سے اس کے جو شجر ہو سیراب
عوض برگ ہر اک شاخ سے پیدا ہوں درم

دل میں وہ سخت دلوں کے بھی جگہ کرتا ہے
سنگ پہ جیسے ہمیشہ کے پڑے نقش قدم

ہے تواضع کا نتیجہ کہ ہے سب پہ غالب
کسر نفس اُس کو نہ کس طرح کرے فتح عجم

عفو ایسا کہ خطا کار سے بھی ہے اغماض
صاف پی جائے جو کھائے کوئی جھوٹی بھی قسم

زائر در جو رہِ شوق میں ہوتے ہیں رواں
حسرت آنکھوں کو یہ ہوتی ہے ہوئے ہم نہ قدم

بخشش دولت والا نے یہ پامال کیا
کہیں ڈھونڈھے نہیں ملتا ہے نشان سر خم

مرکز کاف کی شمشیر سے کٹتا سر میم
درمیاں میں جو نہ ہوتا قدم راۓ کرم

وہ مسیحا ہو تو پھر خلق کا مرنا کیسا
کیا عجب روک کے بیٹھے جو قضا راہ عدم

صور سے کہدے تو وہ پھول بھلیاں بنجاۓ
کہ بھٹکتا ہی پھرے اسمیں سرافیل کا دم

فیض سے اسکے وہ کرتے ہیں دوشالے تقسیم
کملیوں کو بھی نہ ملتے تھے جنھیں موۓ غنم

قہر رب کہتے ہیں جسکو وہ عتاب اسکا ہے
آنکھ دکھلاۓ جسے اسکا ہو دم عین عدم

صرصر قہر چلے اس کی تو ہستی کیسی
چار ارکان ہوں نگونسار گریں ہفت خیم

سود خورہ ہے عدو کیوں نہ زمیں پہ لوٹے
عدم ہضم غذا ہے سبب درد شکم

عہد میں اسکے یہ بدخواہ کو ملتی ہے سزا
کہ ستم ہے حق معشوق میں عاشق پہ ستم

اثر الٹا ہوا بھی خود ہو گرفتار جنون
پڑھ کے لیلیٰ جو کرے سورۂ جن قیس پہ دم

بت پرستی کا مٹا عہد میں اسکے یہ رواج
قابل حد ہوۓ اطفال بھی کھیلے جو صنم

بسکہ پابند شریعت ہے وہ مقبول خدا
اس قدر کی ہے شریعت کی بنا مستحکم

کہ کسی راہ کے چلنے میں کسی رہرو کا
سر حد شرع سے باہر نہیں پڑتا ہے قدم

آپ عابد ہے وہ کرتا ہے نصیحت سب کو
غافلو راہ عبادت میں نہو سست قدم

تم سے ہوتی ہیں شب و روز نمازیں جو قضا
دیکھو ماتم میں انھیں کے ہیں سیہ پوش حرم

اٹھ گۓ کفر کے آئین ہوئی رونق دیں
بند دروازۂ بتخانہ ہے وا باب حرم

ہوتے آذر بھی تو پابند شریعت ہوتے
سجدہ گاہیں وہ بناتے جو بگڑتے بھی صنم

تن پہ کیا اسلحۂ جنگ نے پایا ہے فروغ
خود ہے مشعل طور زرہ رخت حرم

ہے سپر پشت مبارک پہ کہ حمزہ کی سپر
ذوالفقار اسداللہ کہ شمشیر دودم

حملہ در فوج عدو پر وہ اگر ہو دم جنگ
باندھ کر چست کمر کھینچ کے شمشیر دودم

کھیت کشتوں کا نہ تیار بھی ہونے پاۓ
ہو چکی تیغ و قضا میں برضا بیع سلم

تھا سیہ رو جو عدو اسکو کیا خون میں تر
کیا تماشا ہے کہ اسود کو بنایا ارقم

نثر میں نظم میں سب طرح کی رنگینی ہے — ہے ورق ہاتھ میں گلزار تو طاؤس قلم
کیوں نہ عالی سخن اسکا ہو کہ ہو استعداد — بیت محکم ہے وہ جس کی کہ بنا ہے محکم
یہ حکومت یہ ریاست یہ ایالت یہ شکوہ — واہ کیا نظم ہے جس کا ہے ثنا خواں عالم
تاج کہتا ہے کہ ہو تاج سکندر کیا مال — تخت کہتا ہو نہیں تخت سلیماں سے ہیں کم
تاجداروں پہ میں چھایا ہوں یہ ہو دعوے چتر — سبز بختوں سے ہوں سرسبز یہ ہو قول علم
اسپ کا قصد کہ میں عرش کا پایہ چھو لوں — فیل کا عزم سرِ چرخ پہ رکھدوں میں اقدم
تیغ کہتی ہو کہ مجھ سے دل مریخ ہے آب — نیزہ کہتا ہے کہ مجھ سے سیہ بہرام ہو خم
مدح ممدوح بہت تجھ سے ہو دشوار امیر — آتشیں ہو یہ رہ سخت تو چوبیں ہے قلم
روک لے رہوار طبیعت کی عناں — کر دعا حق سے کہ اے خالق انوار و ظلم

نور اقبال رہے اسکی جبیں سے ساطع
ظلمت بخت سیہ حصۂ اعدای دژم

ایضاً قصیدۂ مدحیہ

تا کجا کو بھی اے دستِ ہوس کر جھوٹ — پردۂ شرم رخ شاہد معنی سے الٹ
جیتنا ہو جو سواران سخن سے میداں — پھینکنا چاہیئے رہوار قلم کو سرپٹ
یہی گو ہے یہی میدان یہی معنی یہی لفظ — اپنی اپنی ہے دم معرکہ پر ڈانٹ ڈپٹ
پی چکے گو کہ ہے صاف سخن کو مے نوش — رہ گئی ساغر و مینا و سبو میں تلچھٹ
خم میں میخانے میں ایسی بھی کوئی نہیں مہر — کھول منھ بھر کے صراحی کو پئے بیجا غٹ غٹ
دو قصیدے جو سے مصحفی و انشا کے — واقعی سکہ رائج ہیں و لیکن سلیپٹ
سخت پتھرے جو تھے قافیۂ نامانوس — کچھ بھی کاٹا نہ گئی تیغ زباں انکی اچٹ
ذائقہ ہے تو فقط گرمی دنیا کی کا — پر فصاحت سے یہ کہتے ہیں کہ چل دور ہو ہٹ
ہمت فکر نے باندھی جو کمر بہر جواب — اول اول تو طبیعت کو ہوئی گھبراہٹ

آخر آخر یہ ہوئی نظم کی قوت پیدا
کرلیا تازہ مضامین کا علاقہ کورٹ

لو سنو گوش توجہ سے ذرا نظم فصیح
وہ ہے صاف نہیں نام کو جسمیں تلچھٹ

مطلع

شب وہ شنبہ جو لی خواب میں میں نے کروٹ
آئی اک حور لقا پاس الٹ کر گھونگھٹ

کچھ عجب فتنہ کہ اُس کی جو نظر جائے پلٹ
ساتھ ہی چرخ پھرے لے یہ زمانہ کروٹ

شعلہ رخسار جفا کار قیامت آفت
شوخ عیار غضب قہر چھیلا و نٹ کھٹ

رحم دکھلائے جو منھ دور سے پھر جائے نگاہ
شرم آجائے تو آنکھیں کہیں چل دور ہو ہٹ

گر پڑی کی جان یہ زیور کے چمک سے بجلی
کھینچ لے دل کو وہ پوشاک میں خوشبو کی لپٹ

وہ نگاہیں غضب آلود وہ مژگاں کی صفیں
لشکر صبر جنھیں دیکھ کے کھائے گھونگھٹ

لیکے انجم کا جو لشکر اتر آئے مریخ
کھینچکر تیغ ادا جیت لے میدان جھٹ پٹ

پختہ کار اسکو جو دیکھیں طمع خام کریں
ثمر پیشیں رس حسن میں وہ گدراہٹ

طرفہ چہرے کی لطافت وہ سنہری رنگت
دست افشار طلا سے بھی سوا نرماہٹ

آپ ہی چھیڑ کرے آپ ہی پھر حد سے بڑھے
توسن ناز کو پوئی سے وہ پھینکے سرپٹ

مستی حسن سے گردن میں کبھی ڈالکے ہاتھ
لے چھوے گاہ بچا لو کسطرح جائے سمٹ

پتلیاں آنکھوں کی در پردہ اشاروں سے کہیں
ناچنے ہی کو جو نکلے تو کہاں کا گھونگھٹ

مانگ لے مانگ دکھا کر کبھی عشاق کے دل
باندھ لے گاہ گلا کھول کے وہ زلف کی لٹ

رخ و گیسو پہ مرے ایسے مسلمان ہندو
مقبرے ہو گئے تغیر پھرے سب مرگھٹ

فتنۂ حشر کو دیکھے تو بہ زلف سے آنکھ
لا چھپیٹے میں اسے دیر نہ کر دوڑ جھپیٹ

طاق کا کل وہ پھینکتی ہیں کہ سر کی کوئی چوٹ
روک لے مڑ کے تو وہ جھپک کے لگائے پالٹ

ہاتھ چھو جائے جو گیسو کو تو کھائے لیکے پیچ
جس طرح کاٹ کے کالا کوئی جاتا ہے لپٹ

دیکھ کر ابروئے پیوستہ یہ ہوتا تھا گمان
پہلواں دو ہیں کہ کشتی میں ہوئے ہیں غٹ پٹ

جلوہ گر مردمِ چشم وصفِ مژگان سے یہ صاف
پھیر کر آنکھ کہے آنکھیں ہیں نرگس کی پھٹی
چوری چوری چمنِ رخ میں جو آجائے نگاہ
وصف لکھے لبِ شیریں کا جو کوئی کاتب
بڑھ کے گلبرگ سے بھی وہ کفِ رنگیں نازک
آرزو مہر کو مشرق سے نکلکر ہر صبح
استخواں تن میں نہیں لیک یہ ہوتا تھا گماں
کسطرح ہو نہ گلا کیفِ مئے حسن سے مست
سینۂ آئینہ شفاف شکم چشمۂ حسن
شورِ خلخال سنائے جو رواں ہو دو گام
غرض اس شکل کی معشوقہ کیا جسکا بیان
شوق دل نے یہ کہا مست ہے یہ سرو سہی
ہاتھ دامن پہ پڑا تھا کہ وہ تیچھے سرکی
چوٹ سی دل پہ لگی ہاتھ گیا جیب خالی
ہنسکے ظاہر میں کہا واہ رہی ٹھنڈی گرمی
چپ رہی پہلے کہا تو یہ کہا دیر کے بعد
ہوش میں آؤ ذرا خیر ہے کیسا ہے مزاج
میں وہ ہوں جسکی ہوس میں ہیں ہزاروں نامی
زہرہ بالائے فلک کشتۂ شمشیرِ نگاہ
مرغِ دل سیکڑوں شہبازِ نظر کے ہیں شکار
ذوقِ وصلت میں ہوئے گور کنارے کتنے

حور بیٹھی ہے درِ خلد پہ کھولے ہوئے پٹ
دہنِ تنگ نہ دے منھ کہ ہے غنچہ پھٹ پھٹ
زلفِ مشکیں کی رسن باندھے مشکیں جھٹ پٹ
صفحہ سے صفحہ غدود بت کے سبب جائے چمٹ
غنچے لیں انگلیوں کی کیوں نہ بلائیں چٹ چٹ
کہیں جوشن کیطرح جاؤ نہیں بانہ سے لپٹ
گل تخل کیطرح تن میں غضب نرماہٹ
پی ہے نشے میں صراحی کی صراحی غٹ غٹ
موج دریائے لطافت شکمِ صاف کی بٹ
مردے اللہ بیٹھیں تہِ خاک یہ ہو گھبراہٹ
نظر آئی تو عجب جی کو ہوئی للچاہٹ
عشق نے کیچھے کیطرح جائیے مستی میں لپٹ
سر قدم تک بھی نہ پہنچا کہ گئی دور وہ ہٹ
تازیانے سے نہیں کم وہ پڑی تیغ جو چوٹ
آپ ہی لطف و کرم آپ ہی یہ جھنجھلاہٹ
تھی ملاقات کہاں کی کہ یہ تیزی جھٹ پٹ
خفقان سے تو طبیعت میں نہیں گھبراہٹ
سیکڑوں مر گئے مثل جن کو مرے نام کی رٹ
حلقِ مریخ کو پھانسے ہوئے میری زلف کی لٹ
خال وہ زاغ یہ ہے کہ کلیجے کو چمٹ
شوقِ دیدار میں کتنوں کی گئی آنکھ الٹ

ہند تک روم سے جتنے کہ ہیں شہزادے — صبح تا شام ہے انکا مرے در پر جمگھٹ
پانوں کتنوں کے گھسے مثل سبو سر پھوڑے — بادۂ وصل کی پائی نہ کسی نے تلچھٹ
ناطقہ خانۂ دولت ہے مرا نام صفت — میں مکیں ہوں تو مکاں جائے زروسیم سے پٹ
ملہم غیب نے بھیجا تو میں آئی ترے پاس — ہو گراں تجھکو جو آنا ابھی جاؤں میں پلٹ
وصف تو کرتا ہے جسکا میں اسکی ہوں صفت — دیکھ اعضا کو ذرا پردۂ غفلت کو الٹ
روئے انور سے اسی کے مرے آنکھوں میں ہے نور — خلق اسکا مرے گیسوؤں میں ہے خوشبو کی لپٹ
صف مژگاں سے عیاں پنجۂ پرزور کی شکل — عزم اسکا مری شاہین نگہ کی ہے جھپٹ
اس کی جو راستی طبع وہی قد میرا — دامن فیض کا ٹکڑا مری زلف کی لٹ
مصحف رخ کو جو دیکھو تو نمایاں ہے وہی شان — کعبۂ دل کو جو دیکھو تو اسی کی چوکھٹ
کون وہ کلب علی خان بہادر جمجاہ — دیتے ہیں جسکو ملک عالم بالا کی رپٹ
حاکم خلق نے تحسین کی خوشبو کی لپٹ — کر لیا سارے گلستاں کا علاقہ کورٹ
کیا شگفتہ ہے بہار چمن نزہت طبع — سامنے جسکے گل و لالہ ہیں کوڑا کرکٹ
بزم میں زمزمۂ حسن ہے یا نغمۂ عشق — انھیں لوگوں کا رہا کرتا ہے اکثر جمگھٹ
شمع و پروانہ سے ہر شب وہ سنا کرتا ہے — لن ترانی کا ترانہ ارنی کی تردٹ
طرفہ محفل کہ پے رقص یہاں آتا ہے — سر پہ طاؤس چمن رکھکے کنہیا کا مکٹ
واہ کیا قصر حکومت ہے رفیع اور وسیع — جسکے دروازے کے ہیں جرأت و ہمت دو پٹ
فیض مقدم سے تو انگر فقرا ہوتے ہیں — بخت خفتہ کو جگاتی ہے قدم کی آہٹ
شیخ سید مغل افغان ہیں فراہم ہر صبح — کعبہ ان چار مصلوں سے ہے اسکی چوکھٹ
جزر و مد اپنا دکھائے جو کبھی قلزم لطف — بڑھ کے کوثر چہ زمزم ہو اگر جائے سمٹ
دم بخشش اسے درکار ہیں ڈھیروں موتی — کہو نیساں سے بحرین کا لکھ دے پرمٹ
کس قدر نام ہے شیریں جو زباں پر آ جائے — منھ میں بیمار کے باقی نہ رہے کڑواہٹ

رزم میں ملتا ہے بندوق کا توتا ہی نام
بزم میں طوطی مینا کو اسی کی ہے رٹ

اسی معجون سے طبیعت نے بشاشت پائی
دل کی اس حرزہ بیانی سے گئی گھبراہٹ

عدل وہ ہے کہ زمانے میں نہیں کوئی فسانہ
ہو تہتاک جو چھکیتوں میں کبھی ہو کھٹ پٹ

در دولت ہے عجب فیض کی چوپڑ کہ جہاں
کبھی پڑتا نہیں پانسا کسی تقدیر کا چٹ

آگے ہمت کے ہے یہ دولت دنیا کیا مال
لعل و گوہر کو سمجھتا ہے وہ کوڑا کرکٹ

دی عجب پنجہ و بازو میں خدا نے طاقت
امتحاں چاہے اگر کوئی تو دے کوہ الٹ

کہو رستم سے کہ کیا جان کے منہ چڑھتا ہے
یہ ڈھٹائی یہ دلیری یہ کلیجا جیوٹ

نگہ قہر کرے سنگدلوں کو چورنگ
یہ وہ شمشیر نہیں جائے جو پتھر پہ اچٹ

کب عدو کو ہے جو پستی قسمت سے نجات
آنکھیں دولاب ہیں سر اسکا ہے چکر سے رہٹ

برق جا کر جو جلاتی ہے عدو کے خرمن
بولتا ہے وہیں اس تیغ سے عدو آ کے رپٹ

زشت کیا دشمن کافر کو کہ ہے اسکی جگہ
زیست میں خانۂ زنداں پس مردن مرگھٹ

اس جگہ سے میں کروں ہو کے مخاطب تعریف
چاہیئے شاہد معنی کہ بدل دوں کروٹ

غائبانہ ہے اگر نصف خطابی بھی ہو نصف
ایک دروازے کی خاطر ہیں مناسب دو پٹ

مطلع
ہیں ترے باب حکومت کے دو عالم دو پٹ
ملکے یہ چار کڑی ایک نبی ہے چوکھٹ

تب بنی اس سے ترے خاک قدم کی اکسیر
چرخ نے ماہ کو شق کر کے کیا جب سمیٹ

کیا ترے قہر کا وادی ہے تماشے کی جگہ
پیچ کھاتے ہیں بگولے کہ کلا کرتے ہیں نٹ

ہر کہاری ہے ہوادار کی صورت میں پری
تخت جم لے کے یہ پریوں کا چلا ہے جمگھٹ

زیر فرماں رہے ہر دم جو کہے تو وہ کرے
زال دنیا کو مناسب نہیں اب تریا ہٹ

حق تو یہ ہے کہ ترے قبضۂ قدرت کے سوا
مال جو غیر کے قبضے میں ہے وہ ہے تلپٹ

جس کا تو دوست ہوا اسنے خزانہ پایا
خط لکھا جسکو اسی شخص کی ہنڈی گئی پٹ

حکم تنگی دہن تنگ سے جائے جو نکل
سارا آفاق ہو ذرہ یہ زمیں جائے سمٹ

وسعت طبع جو وسعت کا سنائے فرماں ۔ ہو ہر اک قطرے میں دریا سے سوا اچھلاوٹ
عاجزوں کو جو ملی عدل سے تیرے قوت ۔ شیر کو دے رہے لگائے شکم گاؤ کی بٹ
سکۂ شمس و قمر ہیں جو کہیں نقش نہیں ۔ کر دیا کیا تری چٹکی نے مسل کر سلیٹ
تارے ایسے ترے روئے منور کا چراغ ۔ نکلے چوب شجر طور سے آئی ڈیوٹ
سب رئیسوں سے ریاست ہے تری بالاتر ۔ معتبر جیسے ہوا اخبار میں اخبار گزٹ
حسن وہ جائے اگر قاف میں کھنچکر تصویر ۔ جتنی پریاں ہیں وہ لیں تیری بلائیں چٹ پٹ
چین آتا نہیں جبتک کہ عروس دولت ۔ دیکھ لیتی نہیں یہ چہرہ اٹھا کر گھونگھٹ
کیوں نہ مشتاق زمانہ ہو کہ ہے حسن شباب ۔ کیا مزہ دیتا ہے میوے میں جو ہو گدرابٹ
تجھ کو ساقی سے مئے صاف ملی روز ازل ۔ آگئے خسرو و جمشید تو پائی تلچھٹ
تھام رکھیں نہ اگر تیری اعانت کے ستوں ۔ ہو ابھی حسن فلک گر کے زمیں پر چوپٹ
ہیں پھسلتی ہیں چٹیلے یہ ترے ارض و سما ۔ سر کی چوٹ انسے نہ رکتی ہے نہ انسے پالٹ
خلق سے کیوں نہ معطر ہو زمانہ کا دماغ ۔ مشک نافے سے سوا اسمیں ہے خوشبو کی لپٹ
علم وہ جسکو دقایق ہیں کتب کے آسان ۔ کوئی مشکل نہیں ایسی کہ وہ جاتی نہیں کٹ
ہے یہاں تذکرۂ معنی تفسیر و حدیث ۔ اہل منطق سے کہو لائے کہاں کا جھنجھٹ
تجھ سے ہمسر ترا دشمن ہو خدا کی قدرت ۔ زاغ بلبل سے مقابل ہو ہما سے کھوسٹ
فیل گردوں کرے دونو نکو مسل کر پامال ۔ بیار سینگی اسے دے لا کے جو گینڈر یا کھٹ
کیا تری تیغ کی تعریف میں ہو تیز زباں ۔ خوف ہنگام سخن ہے کہ کہیں جائے نہ کٹ
آبداری میں وہ جوہر نظر آتے ہیں یوں ۔ جسطرح بیٹھ رہے جام میں مے کی تلچھٹ
پر یہ مضموں نہیں خوب یہ تشبیہ ہے ٹھیک ۔ برج آبی میں ستاروں نے کیا ہے جمگھٹ
کھنچ گئی معرکۂ جنگ میں جب میاں سے وہ ۔ رو چیں پیاسو نکی ہو ئیں جیسے سمجھ کر پنگھٹ
ایکدم میں صف اعدا کو کیا دو ٹکڑے ۔ سیکڑوں بار چلی پر نہ پڑی یہ کبھی پٹ

حسن تن کے لئے ہے چال قیامت اسکی
ایک ٹھوکر میں ہے یہ قلعہ نہ در چوپٹ

پاٹ کر لاشوں سے میدان کو لیتی ہے دبا
ملک الموت سے کہتی ہے کہ بول آ کے رپٹ

جسکو تاکے وہ کبھی جان نہ چھوڑے اسکی
ہو سپر چشمۂ حیوان تو کبھے دور ہو ہٹ

وصف رہوار سیاہ رو کا کرے کیا کوئی
چال دُلدل کی تو ہے رخش کیصورت جیبوٹ

شب مہتاب سے کم ستھریہ نہیں اندھیاری
بلکہ زیبا ہے اگر کہیے دولہن کا گھونگھٹ

دامنِ شاہد کنعاں ہے ہر اک دامن زیں
سر پہ کلغی کہ کنہیا کا ہے یہ مور مکٹ

شرق سے غرب میں پھر غرب سے آئے سوئے شرق
دم میں سو بار جو راکب اسے پھینکے سرپٹ

وقت رفتار کبھی رہرو خفتہ کی طرح
ہو نہ راکب کو خبر راہ سفر جائے کٹ

ورق گنجفہ ساں ساتھ پھرے لیل و نہار
گشت کے وقت کرے یہ جو الٹ اور پلٹ

ایک ہی ٹاپ میں ہو جائیں دو عالم برہم
ملکے چودہ طبق ارض و سما ہوں غٹ پٹ

فیل خرطوم میں لے کر جو زمیں کو پھینکے
آندھی آجائے یہ جائے فلک گرد میں اٹ

دم رفتار اسے خضر بھی دیکھیں تو کہیں
دست صرصر سے گیا پردۂ ظلمات سمٹ

زور ساز در ہے کچھ پانوں میں اسکے جوڑے
عرش آئے ابھی زنجیر کے ہمراہ گھسٹ

کمر کوہ سے کیونکر ہو تحمل اس کا
پانوں رکھدے یہ اگر گاو زمیں لے کروٹ

ہے کشادہ دہن اس کا کہ در باغ ارم
دونوں دنداں ہیں کہ موتی کے ہیں گویا دو پٹ

اس جسامت پہ کہ ہے صورت اندیشہ جسیم
چشم سوزن سے نکلجائے اگر جائے سمٹ

لیلۃ القدر رکھو اب نام قصیدے کا امیر
کہہ یہ خامہ سے کہ مصروف دعا ہو جھٹ پٹ

ملک و دولت کی ترقی ہو الٰہی ہر روز
سجدہ گہ سارے زمانے کی رہے یہ چوکھٹ

حل ہوں ممدوح کے ہاتھوں سے مہمات جہاں
درِ دولت پہ رہے اہلِ غرض کا جمگھٹ

نفسِ چند جو باقی ہوں مرے ذلیت کے بھی
انھیں قدموں کے تلے جائیں بڑے لطف سے کٹ

قصیدۂ دیگر

فصل گل آئی ہوا گلزار جنت بوستاں / بڑھ کے رضواں سے ہے ان روزوں دماغ باغباں

ہر طرف گلہائے رنگارنگ گلشن میں کھلے / جیسے صبح عید یکجا ہوں حسینان جہاں

خم نہیں شاخیں درختوں کی ہوا سے خاک پر / کر رہے ہیں سجدۂ شکر خدائے انس و جاں

قم باذن اللہ کہتی آئی گلشن میں بہار / جی اٹھے جو ہو گئے تھے مردہ دل وقت خزاں

جھوم کر آیا ہے ابر کوہساری باغ میں / رقص میں ہیں ہر روش پر طاؤس ہو کر شادماں

لالہ کہتا ہے کہاں موسیٰ ہیں آ کر دیکھ لیں / صاف جلوہ ہے چراغ طور کا مجھ سے عیاں

جھومنا مستوں کی صورت ہے درختوں کا بجا / نکہت گل میں بھی ہے کیف شراب ارغواں

لالۂ احمر نے یاقوتی کی ڈبیا کی درست / نرگس شہلا نے رکھی مے فروشی کی دکاں

دار بست تاک میں خوشے نظر آنے لگے / جس طرح جھرمٹ ستاروں کا فراز آسماں

سیم غنچہ کیوں نہ بے حد ہو زر گل بے شمار / رکھتی ہے اکسیر کی بوٹی بہار بوستاں

ہر روش پر بیٹھی ہے بزاز بن کر خرمی / جس طرف دیکھو کھلی ہے سبز مخمل کی دکاں

فیض شبنم نے دیے اشجار کو آبی لباس / بر میں ہے مردم گیا کے جامۂ آب رواں

نو عروسان چمن کو ہے جواہر کا جو شوق / بیچنے فیروزہ آیا ہے چمن میں آسماں۔

یوں ہے جنبش میں ہوا سے ہر نہال سایہ دار / ہو خراماں جس طرح کوئی حسین دامن کشاں

ہے مبارک فال کوئی ہونے والی ہے خوشی / ہر چراغ لالہ جوش رنگ سے ہے گلفشاں

جان پھولوں میں پڑی زندہ ہوئی خاک چمن / ہے دم جاں بخش عیسیٰ یا نسیم بوستاں

قمریوں کا قول ہے ہم ہیں طیور باغ خلد / سرو کہتا ہے کہ میں ہوں طوبیٰ باغ جناں

صحن گلشن میں نزاکت نے جمایا ہے یہ رنگ / مرغ بو کا آشیاں ہے شاخ گلبن پر کہاں

ہے بلندی و درازی اسقدر ہر شاخ میں / ہے محیط مشرق و مغرب برنگ کہکشان
پائے گر سورج نمکی کے سایہ میں تھوڑی جگہ / بھولجائے ہر جنبش مثل قطب آسمان
چودھویں کا چاند ہے جو چاندنی کا پھول ہے / چادر مہتاب ہے فرش فضائے بوستان
سیر کو جو آئے اُسکا ناف آہو ہو مشام / گیسوئے مشکین سنبل لبکہ ہے عنبر فشان
دیدۂ بیدار نرگس کا تو کیا مذکور ہے / خواب میں کرتا ہے سبزہ سیر گلزار جنان
ہے تبسم غنچۂ گل کا کہ تیغ آب دار / نوک کی لیتے ہیں کانٹے یا چبھوتے ہیں سنان
جسطرف دیکھو زر گل باغ میں انبار ہے / شکل فوارہ اُگلتی ہے زمیں گنج نہان
غنچہ و سوسن سے کیا ہو شکر احسان بہار / وہ زبان بیدہن ہے یہ دہان بیزبان
اسقدر جوش طراوت ہے عجب کیا ہے اگر / یاسمیں پیدا کریں گڑ کر زمیں میں استخوان
قطرۂ خون کی عوض نکلیں گل یاقوت و لعل / نشتر فصاد اگر کھولے رگ سنگ گران
ہے عجب فیض ہوا ایکان کے غنچے کھل گئے / تر ہے چوب خشک ناوک یا در شاخ کمان
مصر کا بازار کہئے باغ کے بازار کو / گل ہے یوسف گرد اسکے بلبلوں کا کاروان
مومن و کافر سے کہدو آئیں سب گلزار میں / عمر کرتے ہیں عبث دیر و حرم میں رائگان
جسکی کرتے ہیں پرستش جسکی کرتے ہیں طلب / اُن مکانوں میں ہے پوشیدہ یہاں ہے سب عیان
آئینہ خانہ ہے گلشن آئینہ ہے برگ برگ / جلوہ گر ہے ہر طرف رنگ بہار بے خزان
گرچہ صحن باغ میں ہر سال آتی ہے بہار / اور آتا ہے نظر رنگ زمین و آسمان
ہے سبب اسکا کہ ان روز دن ہوا مسند نشین / سرو گلزار ریاست صاحب بخت جوان
منبع جود و سخاوت معدن لطف و کرم / ماہ اوج چرخ قدرت مہر اوج کن فکان
انتخاب صنع حق عالی نسب والا حسب / روح جسم انس و جان فخر زمین و آسمان
نام نامی وہ کہ ہے سب کے نگین دلپہ نقش / نامور کلب علی خان بہادر نوجوان
اُسکے وصف پاک کا دل نے ارادہ جب کیا / بے تکلف آگیا مطلع یہ بالائے زبان

مطلع ثانی

شش جہت میں ہو جو یہ خورشید یکتائے جہان ۔ گرد پھر پھر کر فدا ہوتے ہیں ساتوں آسمان
چند وہ چشم ہو جس کو قدمبوسی نصیب ۔ چند وہ سر جو ہو صرف سجود آستان
اے خوشا وہ سرزمین جائیں جدھر اسکے قدم ۔ اے خوشا کشور پھرے جسکی طرف اسکی عنان
مرحبا اسکو جو صبح و شام ہے اُسکا مطیع ۔ آفریں اُسکو جو روز و شب ہو اُسکا مدح خوان
ہی وہی دل جسمیں ہو اُسکی محبت کا مقام ۔ ہو وہی سینہ ہو جسمیں اسکی الفت کا مکان
رستمی میں رشک رستم زور میں افراسیاب ۔ ہمت عالی میں حاتم عدل میں نوشیروان
طفل مکتب ہو ارسطو وہ جہاں کے درس علم ۔ روبرو اسکے فلاطون عامی کج مج زبان
شان دارائی کرے نظارہ دارا سے کہو ۔ شوکت و اقبال کو دیکھے سکندر ہے کہان
فی الحقیقت ختم ہو اس پر رعایا پروری ۔ واقعی ایسا شریفوں کا کہاں ہو قدردان
دستگیری کی ضعیفوں کی قوی بازو ہوئے ۔ حق یہ ہو محنت نہیں جاتی کیسکی رایگان
شہرۂ بخشش سے خلقت ہو در دولت پہ جمع ۔ جیسے مسجد میں مصلی آتے ہیں سن کر اذان
آئے اسکے سامنے مقصود کو پہنچے وہ پیر ۔ ڈھونڈھتے تھے موسم طفلی سے جو بخت جوان
قلب روشن ہو وہ آئینہ کہ جسمیں مثل عکس ۔ صاف آتے ہیں نظر اشکال اسرار نہان
شہر گلشن بتکدہ بتخانہ مسجد خانقاہ ۔ سب ہیں خالی در پہ اسکے جمع ہو سارا جہان
دامن لطف و کرم جبتک نہ تھا اُسکا دراز ۔ تھا سفینہ آرزوے خلق کا بے بادبان
خاک کو اسکی نگاہ مہر کر دیتی ہے زر ۔ جیسے نخل تازہ اعجاز نبی سے استخوان
عہد نصفت عہد میں سرکش نظر آتے نہیں ۔ خوف کے مارے ہو آتش سنگ و آہن میں نہان
جسطرف چاہے اسے پھیرے اسے ہو اختیار ۔ ابلق ایام کی ہو دست قدرت میں عنان
زور بازوئے توانا سے کباده ہو گئی ۔ پہلوانوں سے نہ کھنچ سکتی تھی جو مطلق کمان
ہمت عالی سے ہیں دلہائے عالم مطمئن ۔ ہو عصائے پیر حرز طفل شمشیر جوان
ذکر خط کیا خط پیشانی کو پڑھ لیں کم سواد ۔ بہر کحل چشم لے جائیں جو خاک آستان

کیا ہو شمع روئے روشن کی تجلی میں کلام
جب زمانہ بھی نہ شمع طور کا ہو ہم زبان
بزم عالی روضۂ جنت سے ہرگز کم نہیں
ہے نصیب خلق گلگشت بہار بے خزان
ہو جسے جس چیز کی خواہش ملے اس بزم میں
ڈھونڈھے گر عاشق تو یاں معشوق کا پائے دہان
حکم ہے عالی دماغی کا شبستان میں یہی
نکہت گل بنکے نکلے شمع محفل کا دھوان
ہے رواج شرع ایسا عہد نصفت مہد میں
پوست کھینچا جائے ہے کھینچے اگر پیر مغان
بتکدے تھے جس جگہ اُس جا بنی ہیں مسجدیں
جس جگہ ناقوس بجتے تھے وہیں ہے اب اذان
قلزم ہستی سے ایسی رسم ایذا اٹھ گئی
خار ہیں جزو تن ماہی بجائے استخوان
صرف گر اُسکے تصدق میں نہو ہنگام صبح
پھر گل خورشید میں ہے کون شاخ زعفران
دیدۂ انصاف سے دیکھو تو باغ دہر میں
ہے بہار اُسکی عنایت قہر ہے اسکا خزان
اور اک مطلع سناؤں جسکا مضموں ہے صحیح
کوئی سمجھے یا نہ سمجھے ہے یقیں کیسا گمان

مطلع ثالث

تیری مرضی کے موافق کیوں نہ ہو دور جہان
تابع حکم معلے ہیں زمین و آسمان
آستان تیرا ہے اے عالی مکان آستان
بہر سجدہ جس جگہ جھکتا ہے فرق فرقدان
کاتب قدرت نے تب تیرا خط ہستی لکھا
دے لئے انجم کے نقطے جب برائے امتحان
کلک قدرت نے کوئی کھینچی نہیں ایسی شبیہ
گو کہ تصویریں ہزاروں ہیں مرقع ہے جہان
آنکھیں نرگس سرو قد رخسار گل غنچہ دہن
یہ وہ گلشن ہے کہ خود جس کا خدا ہے باغبان
دیدۂ حق بیں ملے ہیں تجھ کو گوش حق نیوش
دل ہے دریا ظرف عالی طبع صافی نکتہ دان
وصف رخ روشن بیانوں سے بھی ہو سکتا نہیں
شمع کی صورت فقط کٹنے کو رکھتے ہیں زبان
دونوں رخساروں کی لکھیں ہم جو کاغذ پر صفت
ایک صفحہ گلستاں ہو دوسرا ہو بوستان
ابرو و مژگاں کے آگے سرکشی کس کی چلے
جھک گئی ہے تیغ پر خم تیر ہے شکل کمان
دونوں آنکھیں دیکھ لیں جسنے سعادت کی حصول
مشتری و زہرہ کا گویا نظر آیا قران

چاہتا ہے غنچہ توصیفِ دہن پر کیا کرے — نطق ہو سکتا نہیں جب بھول جاتی ہے زبان

کیا قد و رخسار سے تیرے مقابل ہو سکیں — گل گریزاں مثلِ بو ہے سرو ہے سرو رواں

ساعدِ سیمین کو کوئی شمع سے دے کیا مثال — یہ سراپا مغز ہے اور وہ سراپا استخواں

مہر و مہ کو ہے قدمبوسی کا ایسا اشتیاق — سر جھکاتے ہیں زمیں پر پاؤں پڑتا ہے جہاں

حسن میں تجھسے سوا وہ ماہ کنعاں تو نہیں — کھول کر بیٹھے ہیں جو ایمان فروشی کی دکان

تیرے آگے کر سکے کوئی حسین کیونکر کلام — خالِ لب اسکا ہے خجلت کے سبب مہرِ دہان

کیا ہوا اگر تو زمیں پر ہے فلک پر آفتاب — وہ سبک پلہ ہے تیری حسنِ صورت کا گران

کسقدر دریا تری دریادلی کا ہے وسیع — مثلِ نیلوفر نظر آتا ہے جس میں آسمان

کون عالم میں جمالِ پاک پر عاشق نہیں — مال و زر منعم فدا کرتے ہیں مفلس نقدِ جان

حکم محکم وہ کہ جس سے ملک ہے رونق پذیر — باغ کو آراستہ کرتا ہے جیسے باغبان

رزق تو نے اس قدر سب اہلِ عالم کو دیا — اٹھ گئیں ساری نزاعیں تھیں جو باہم بہ زبان

تھی جو بہرِ رزق خونریزی کسی جا وہ نہیں — آسیا کرتی نہیں اب دہر میں کارِ سنان

ہو گئے منعم جلاتے ہیں وہ اب مجمر میں عود — تھا غنیمت جن غریبوں کو زمستاں میں دھواں

کوئی عالی منزلت تجھسا زمانے میں نہیں — چرخِ ہفتم ہے ترا ایوان زحل ہے پاسبان

ہے عجب تیری مسیحائی کی مسجد جانفزا — صبح اٹھ کر مرغ بسم اللہ دیتا ہے اذان

خلق پر تو مہربان ہے خلق تیری خیر خواہ — تجھ میں خلق اللہ ہیں گویا خدا ہے درمیان

جو ترا دشمن ہے کرتا ہے عداوت بے خرد — مثلِ شیطان ہے وہ مردودِ خدائے انس و جان

کچھ نہیں تعزیر کی حاجت کہ دانے کی طرح — پیس ڈالیگی اُسے خود آسیائے آسمان

شامتِ اعمال سے جلتا ہے نارِ قہر میں — تیرہ بختی اسکی ہے اُس کو جہنم کا دھوان

کون ہے تجھسا دلاور مردِ میدانِ روزِ جنگ — روحِ رستم مانگتی ہے آجتک جس سے امان

تیغ تیرے ہاتھ میں وہ برقِ آتشبار ہے — جسکا لوہا مانتے ہیں سب شجاعانِ جہان

چشمِ عزرائیل سے جوہر نہیں کچھ اسمیں کم
ہے طمانچہ موت کا بشتاب یہ تیغ خونچکان

دشمنوں کے سر گراتی ہے تری شمشیر یوں
نخل سے جھڑتے ہیں پتے جیسے ہنگامِ خزان

رعشہ ہے مریخ کے تن میں رخِ خورشید زرد
رنگ دہشت سے بدلتا ہے وہ ترکِ آسمان

حشر برپا جنگ میں جسدم کرے آوازِ تیغ
صورِ اسرافیل اور آ کر ملائے ہاں میں ہاں

کسطرح دم میں سر و گردن کا جھگڑا چک جائے
جب قدم اِس تیغ کا شل حکم ہو درمیان

تیر چھوٹا شست سے جب موت کا آیا پیام
ہے درِ ملکِ عدم گویا کہ کھنچنے میں کمان

جان دشمن خاک نیزے کی سناں سے بچ رہے
ہے دمِ ہیجا زبانِ اژدرِ آتش فشان

تیزیٔ اسپ سبک رو آئے کیونکر عقل میں
تنگ ہے ہنگامِ جولان عرصۂ کون و مکان

ہاتھ راکب کا جو ہل جائے یہ ہو صرفِ قدم
تازیانے سے نہیں کم اسکو تحریکِ عنان

تا ہدف پہنچے کمان سے چھوٹ کر جبتک کہ تیر
طے کرے یہ ربعِ مسکون شش جہت ہفت آسمان

تا کجا طولِ سخن اب ہے مناسب اختصار
کس سے ہو سکتا ہے اوصافِ معلّیٰ کا بیان

جب تلک روشن رہیں افلاک پر خورشید و ماہ
جب تلک گردش کرے روئے زمین پر آسمان

جب تلک ہو سنگ سے پیدائش یاقوت و لعل
جب تلک شاخوں سے غنچے گل ہوں غنچوں سے عیان

مثلِ گل احباب تیرے اس چمن میں سرخ رو
روئے دشمن زرد یا رب صورتِ بادِ خزان

قصیدۂ مدحیہ مشتمل بر مناظرۂ شانہ و آئینہ

مژدہ اے اہلِ تماشا کہ ہے ہنگامِ نظر
بزمِ عشرت میں ہوئے جمع حسین رشکِ قمر

صرفِ آرائش زینت ہیں حسینانِ جہان
بدلے جاتے ہیں لباس اور مرصع زیور

بدھیاں پھولوں کی ہیں زیبِ قبائے بر و دوش
دست و پا میں ہے حنا اسرمہ ہے منظورِ نظر

کرتیاں ہیں شکمِ صاف پر اونچی اونچی
بند انگیا کے کسے زلف رسا تا بہ کمر

اسقدر مستِ مے حسن کہ سر سے سرِ دوش
آرہا ڈھل کے دوپٹہ نہیں اتنی بھی خبر

شانہ ہوتا ہے طلب آئینہ آتا ہے حضور
بنتے ہیں گیسو و رخ کرتے ہیں جوبن پہ نظر

شانۂ و آئینہ ہیں بسکہ مصاحب دونوں
ایک سے ایک نے باندھی ہے رقابت پہ کمر

آئینہ شانے سے کہتا ہے کہ سر چڑھ نہ بہت
منھ کی کھائے نہ کہیں چاک نہ تیرا ہو جگر

دیکھ مجھکو کہ جگہ گو کہ ہے زانو پہ مری
حیرت حسن سے پھرے کیطرح ہوں ششدر

مرتبہ جو ہے مرا تجھکو وہ حاصل ہے کہاں
صاف طینت ہوں صفائی کا ہے مجھ میں جوہر

کونسی بزم میں ہوتی نہیں حاجت میری
خانہ بر دوش ہوں پر دلمیں امیروں کے ہے گھر

آبداری کا مرے سامنے دعویٰ جو کرے
روبرو صاحب انصاف کے جھوٹا ہو گہر

یمن ہے اہلِ جہان کو مرا نظارۂ رخ
دیکھتے ہیں مجھے جب دیکھتے ہیں ماہ صفر

صافیِ قلب سے پایہ ہے یہ رتبہ میں نے
چاندی سونے کا دیا ہے مجھے اللہ نے گھر

آب و نان مجھکو نہیں ہے کسی مہمان سے غرض
دشمن و دوست کے منھ پہ ہے کشادہ مرا در

نہیں رکھتا ہوں لگی حال بد و نیک میں کچھ
صاف کہدیتا ہوں آتا ہے جو کچھ پیش نظر

مجھ سے بھی عقدۂ نیرنگ جہان کھلتا ہے
جم کو دیتا ہے اگر جام زمانے کی خبر

بزم عالم میں فقط وجہ سے میرے ابتک
نام روشن ہے چراغ لحد اسکندر

مجلس خاص نبی میں بھی رسائی میری
ابتدا سے مرے طالع کا ہے روشن اختر

وہ صفائی مجھے حاصل ہے کہ ہر دل ہو عزیز
جتنے اصحاب تھے رکھتے تھے مجھے پیش نظر

ہاتھ سے دامن دولت نہ کسی دم چھوٹا
اہل دولت ہی کے زانو پہ ہوئی عمر بسر

اہل تنجیم کی آنکھوں میں بھی ہے قدر مری
ہوں کبھی مشتری و زہرہ کبھی شمس و قمر

بولتا ہے مری تائید سے طوطی اس کا
ورنہ طوطی میں کہاں ہے کوئی سرخاب کا پر

خاکساری ہے ان اوصاف پہ مجھ میں ایسی
غازۂ چہرہ نہیں اور بجز خاکستر

ایک تو ہے کہ نہیں تجھ میں ذرا نام کو نور
زحل آسا ترے طالع کا سیہ ہے اختر

پارۂ چوب جگر چاک دنی بے قیمت
چار پیسے کو جسے مول نہ لیں اہل ہنر

بال بیکا ہو حسینوں کا تو توڑیں ترے دانت — دانت دینے لگیں ایذا تو شکستہ بہتر

قاعدہ بزم ادب کا تجھے بھولے جو کوئی — بیٹھ جائے نہ تری ایک کریں زیر و زبر

پنجۂ شل سے نکلتا نہیں ہرگز کوئی کام — خشک ہو شاخ تو اس سے نہیں امید ثمر

بال یوں منہ میں ترے لوٹ کے رہ جاتا ہے — جسطرح شانۂ ضحاک میں تھا سانپ کا گھر

کرکری تیزی دندان سے ہوئی اور تری — جس میں دندانے پڑیں تیغ ہے وہ بے جوہر

کشمکش نے تری کانٹوں میں گھسیٹا ہے تجھے — پہلوؤں میں ہیں ترے خار ادھر اور ادھر

سو زبانیں ہیں ترے منہ میں تو حاصل کیا ہے — گنگ کیطرح سے خاموش ہے تو آٹھ پہر

اس لیاقت پہ یہ دعویٰ تجھے کیا مال ہو تو — کہ چڑھے لالہ رخان سمن اندام کے سر

کچھ بھی غیرت ہو تو پانی میں کہیں ڈوب مرے — ایسی ذلت سے تو ہے خاک میں ملنا بہتر

صاف صاف آئینے نے بڑھکے کیا جب یہ کلام — غیر کے عیب سب اظہار کیے اپنے ہنر

کھپ گیا شانہ ملامت کا نشانہ ہو کر — موئے تن راست ہوئے تیر کیصورت یکسر

ہمہ تن ہو کے زبان کہنے لگا یوں سردست — منہ بنا چاہیے عاقل کو تعلّی سے حذر

رتبہ میرا تجھے معلوم نہیں سن مجھ سے — منحصر ہے صفت عقدہ کشائی مجھ پر

ہے حسینوں میں رسائی تری گاہے گاہے — کوچۂ زلف میں میری ہے جگہ آٹھ پہر

وائلن خندۂ شادی سے عیاں ہیں مرے دانت — اپنی تقدیر کو روتا ہے تری آنکھ ہے تر

میری ہی شکل سے مقبول دل عالم ہے — پنجہ مرجان کا ہو یا پنجۂ خورشید سحر

کہتے ہیں پنجۂ مژگان کو جو شانہ شاعر — اسکو آنکھوں پہ جگہ دیتے ہیں ارباب نظر

ہے جو لبریز عسل شانۂ زنبور عسل — اس غذائیت کا سبب نام کا میرے ہے اثر

کی ہے تشدید نے پیدا جو شباہت میری — نقطہ اللہ میں شامل ہے وہ کر خوب نظر

شانۂ عاج کبھی شانۂ شمشاد کبھی — شانہ میں دیکھتے ہیں فال تو پاتے ہیں ظفر

صاحب ریش نہ جبتک کہ کرے شانہ کشی — ہو نہ حاصل شرف پیروی پیغمبر

اُسمیں بھی لفظ ہے شانے کا زہے عزّ و شرف
جل شانہ ہے جو توصیف خدائے اکبر

تو نمائے تو نمانے مجھے کیا پروا ہے
عیب بیں جو ہے اُسے کب نظر آتا ہے ہنر

سوچ تو دل میں ذرا عیب ہیں یہ تجھ میں کتنے
سادہ و شوخ و دریدہ دہن و بد گوہر

سوجھتا خاک نہیں کور دلی سے تجھ کو
سخت جاں تیرہ دروں اصل ہے تیری پتھر

روبرو اور ترا حال ہے غیبت میں کچھ اور
صاف باطن کی دو رنگی کا ہے تجھ میں بھی اثر

چشمۂ آب تو ظاہر میں ہے باطن میں سراب
دھوکے پیاسوں کو دیا کرتا ہے تو شام و سحر

خود نمائی کے سوا تجھ میں نہیں کچھ بھی صفت
سادہ لوحی کے سوا تجھ میں نہیں کوئی ہنر

صاف ایماں ہے من الامس کہ شب کور ہے تو
شب تیرہ میں تجھے کچھ نہیں آتا ہے نظر

نہ چھپے پر نہ چھپے شکل جو ہو ذہن نشین
نہ مٹے پر نہ مٹے بال پڑے دل میں اگر

قصہ کوتاہ زیادہ ہوئی دونوں میں جو بحث
تھے جو ان دونوں کے حامی انہیں پہنچی یہ خبر

آئینے کا تو رخ صاف طرفدار ہوا
باندھ لی زلف نے شانے کی حمایت پہ کمر

لشکر روز تو زیر علم خسرو رخ
فوج شب بادشہ گیسوئے پرچیں کی بسر

اک طرف ماہ ہوا ایک طرف پرتو مہر
اک طرف شام ہوئی ایک طرف نور سحر

پیہ سنبل و شب بو طرف زلف سیاہ
لشکر لالہ و گل جانب روئے انور

پیر گردوں نے کہا طرفہ قیامت آئی
اب کوئی آن میں ہوتا ہے جہاں زیر و زبر

بیچ میں پڑ کے کہا خوب نہیں ہے یہ فساد
صلح اس جنگ سے ہر اک طرح ہے بہتر

حق میں دونوں کے یہ اولیٰ ہے کہ پاس انکے چلو
صاحب حکم جو ہے مہر عدالت گستر

کون وہ کلب علی خان بہادر نامی
منبع جود و سخا زیب دہ علم و ہنر

نقش پا تاج شرف بہر سر چرخ بلند
خاک پا سرمۂ بینائی چشم اختر

فکر کی اسپ معانی میں جو میرے دل نے
آگیا مطلع ثانی بھی زبان کے اوپر

مطلع

حکم اُس کا جو کرے پیش حفاظت کی سپر
عود آتش میں سلامت رہے پانی میں شکر

جس چمن میں نہ ہوا اسکی حفاظت کی چلے
شاخ ارّہ ہو درختوں کیلئے برگ تبر

پرتو مہر سے اس کے ہو زمیں چشمۂ مہر
شعلۂ قہر سے اسکے ہو فلک خاکستر

چرخ کہتے ہیں جسے ہے درِ دولت کی زمیں
عرش کہتے ہیں جسے لوگ وہ ہے کرسی زر

کاہ فربہ اثرِ لطف سے ہو صورت کوہ
قہر سے کوہ پر کاہ کی صورت لاغر

دست ہمت نے یہ تقسیم کیا مالِ جہاں
لعل کہسار میں باقی ہے نہ دریا میں گہر

پانوٗں جنگاہ میں رکھتے ہی عدو کی ہو شکست
سرو قد رزم وغا ہے علم فتح و ظفر

ایک لشکر ہو مقابل تو نہ وہ منھ موڑے
دل جو سہراب کا رکھتا ہے تو ہے رستم کا جگر

صاحب علم جو ہیں مدرسۂ عالم میں
سب وہ مشتق ہیں ہیں نقطہ ذات معلیٰ مصادر

وہ کرے قہر تو فرمان قضا ہو جاری
دستخط اسکے ہیں طغرائے منشور ظفر

ذرہ صحرائے عنایت کا ہے ربع مسکون
قطرہ دریائے لطافت کا ہے چرخ اخضر

صاحب تخت جو رکھتا ہے جدائی اس سے
مثل طاؤس جدا سر سے ہے اُسکے افسر

ابھی کرنے لگیں دیندار پرستش اسکی
بت جو سنگ درِ عالی سے تراشے آذر

بخشش عام کی توصیف ہے دریا دریا
ہمت خاص کا آوازہ ہے کشور کشور

فیض کہتے ہیں اسے جسنے جو مانگا پایا
گل دئے اُسنے زمیں کو تو فلک کو اختر

سیکڑوں وصف ہیں کس کس کا بیاں کوئی کرے
ایک شمہ نہو کاتب جو لکھے سو دفتر

روئے روشن نے جہاں سایۂ عالی ڈالا
جرم خورشید جہانتاب ہوا حلقۂ در

لوگ کہتے ہیں کہ ہے مہر کے پہلو میں ہلال
تیغ ہوتی ہے کسی روز اگر زیب کمر

دست ہمت مرے ممدوح کے ہیں دو چشمے
اسکو کہتے ہیں جو تسنیم تو اُس کو کوثر

واہ جان بخش ہے کیا مجلس عالی کی ہوا
طرف صحن گلستاں ہوا گر اُس کا گذر

گوش گل میں ابھی ہو جائے سماعت پیدا — دیدۂ نرگس شہلا کو ہو یارائے نظر

وہی حق بیں ہے جسے اس رخ روشن کی ہے دید — وہی حافظ ہے جسے مصحف رخ ہے از بر

بھر گئے جو کوئی اس دُرِ دندان سے مثال — لعل آسا رخ گوہر ہو خوشی سے احمر

سایہ قد میں ہے آرام سے سب خلق خدا — ہے علمدار کے ہمراہ یہ سارا لشکر

اس کی بخشش کی ہوا ہو جو ہوا میں شامل — تابش برق کی جا ابر سے ہو بارش زر

شست سے تیر جو چھوٹے تو ہوں نسرین شکار — سر مریخ جدا ہو جو وہ کھینچے خنجر

اُسکی ہستی سے ہوئی خلق میں پیدائش خلق — کہ چمکتا ہو کہیں رنگ عرض بے جوہر

ملک دانش میں ہو کیا جہل کے یاجوج کا دخل — قوت عقل سے کھینچی ہے سد اسکندر

تیغ ایما سے ہوا بند ہر اک تیغ کا دم — تیر فرمان سے ہوئے قطع ہر اک تیر کے پر

ہو شرر مورد آفت جو جلائے پنبہ — شمع روشن جو بجھائے ہو معاتب صرصر

حال اجرام یہ ہے روئے منور کے حضور — جیسے ذرات زمین عاشق مہر انور

بادۂ لطف سے وہ جان دوبارہ پائے — عمر سے کش کا جو لبریز ہوا ہے ساغر

تیغ وہ تیغ کہ کہتے ہیں جسے برق اجل — قتل کفارہ کا جس میں ہے ازل سے جوہر

جنگ میں کرتی ہے یہ تیغ سپر دو ٹکڑے — جس طرح چرخ پر انگشت پیمبر سے قمر

ہو جو اونچی تو کرے شیر فلک کو چو رنگ — ہو جو نیچی تو کرے گاو زمین دو پیکر

اسطرح جنگ میں سر تن سے گراتی ہے یہ تیغ — نخل سے گرتے ہیں جسطرح کہ آندھی میں ثمر

دو ہی چالوں میں کیا چار عناصر کو مطیع — چار حملوں میں مسخر ہوئے ساتوں کشور

تیز وہ صورت خورشید ہے توسن کہ جسے — باختر سے ہے طریق دو قدم تا خاور

دامن زین نہیں اوڑتے ہیں ہوا سے ادہم سیر — کسی طائر نے یہ پرواز کو کھولے شہپر

تیز تر ماہی دریا سے میان دریا — گرم رو مرغ ہوا سے بھی ہوا کے اندر

آب نرمی میں تو گرمی میں وہ آتش سے سوا — خاک سے اصل مگر تیز ہوا سے بڑھ کر

گردش دیدۂ راکب اُسے چلنے میں عنان — تازیانہ دمِ رفتار اسے تارِ نظر
بس امیرؔ آگے نہ بڑھ روک عنانِ خامہ — عذرِ تقصیر ہے لازم دمِ اظہارِ ہنر
پانوں اس راہ میں قاصر ہیں سرِ عجز نگوں — مدحِ ممدوح حقیقت میں نہیں حدِ بشر
ہاتھ اٹھا بہرِ دعا جلد کہ ہے وقتِ دعا — دا فرشتوں نے کئے در ہے ابوابِ اثر
جب تلک لالہ و گل سے ہو گلستاں کی بہار — جب تلک چرخ پہ ہو جلوۂ خورشید و قمر

نخل امید میں یارب گلِ مقصد ہو لیں
مہرِ اقبال فروزندہ رہے تا محشر

قصیدہ مشتمل بر تقریظ بطرزِ تازہ و روش دلپذیر

ہوا جو شاہدِ مہ آسماں پہ جلوہ فروش — عزیزِ ہالہ پھرا گرد کھول کر آغوش
سوادِ شب میں نظر آئے اسطرح انجم — اڑے ہوں گرد میں جسطرح طفلِ بازی کوش
وہ چاندنی کہ ہوا قلزمِ ضیا مواج — بسانِ رعشہ اندام رند ساغر نوش
نہ شورِ مردمِ بازار تھا نہ بانگِ درا — کہیں کہیں جو رہا بھی تو پاسبانکا خروش
جوان و پیر و صغیر اپنے اپنے بستر پر — برنگِ صورتِ دیبا پڑے ہوئے خاموش
گلوئے ناطقہ میں مرسلہ سکوت کا طوق — عذارِ سامعہ پنہاں بزیرِ پردۂ گوش
نماز پڑھ کے عشاء کی جو میں نے خواب کیا — تو پچھلی رات کو دیکھا کہ کوئی مثلِ سروش
جگا رہا ہے مجھے کہہ رہا ہے مجھ سے یہ بات — شتاب اٹھ کے روانہ ہو کھول دیدۂ ہوش
ہوئی ہے آج مرتب وہ بزمِ اہلِ کمال — کہ جسمیں جمع ہیں سب تیز طبع دریا جوش
حکیم و شاعر و نثار و عالم و فاضل — صفیں درست ہیں بیٹھے ہوئے ہیں دوش بدوش
طلب ہے تیری بھی جلدی سے دیکھ سن چلکر — زہے رسائی تقدیر چشم و طالع گوش
یہ مژدہ سنکے میں خوش خوش اٹھا روانہ ہوا — قبا عمامہ عبا کر کے زینتِ سر و دوش
ہوا جو داخلِ محفل عجب سماں دیکھا — درِ مکاں تھا کہ کھولے ہوئے تھی حور آغوش

عجیب فرش عجب روشنی عجب شب ماہ ۔ ہر ایک جھاڑ سے فوارہائے نور کا جوش
بزرگ ایک بعز و وقار صدر نشین ۔ ملک خصال فرشتہ جمال و خرقہ پوش
خدا شناس خدارس اِدھر اُدھر کچھ لوگ ۔ زباں پہ ذکر خدا دل میں معرفت کا جوش
جو لوگ سامنے بیٹھے تھے سب وہ صاحب علم ۔ وحید عصر فرید زمانہ صاحب ہوش
یہ رنگ دیکھ کے ایسا ہوا میں رعب سے زرد ۔ کہ سمجھے سب کوئی دارد ہے زعفرانی پوش
سلام کرکے ہوا میں شریک صف لیکن ۔ ہوئے حواس سراسیمہ صورت مدہوش
کمال مجھ کو پریشان و مضطرب پاکر ۔ کہا یہ مجھ سے مرے ہمنشین نے گوش بگوش
کہ ہے یہ صدر نشین پیر مرشد عالم ۔ زمین ہے تاج سر آسمان تہ پاپوش
فراخ حوصلہ عبدالرشید مولانا ۔ تمام اہل معارف ہیں جسکے حلقہ بگوش
یہ راست چپ جو ہیں بیٹھے ہوئے ملک صورت ۔ مرید خاص ہیں اسکے شراب عرفان نوش
یہ روبرو جو ہے صف انہیں سب ہیں اہل کمال ۔ بغور دیکھ ذرا ان میں کھول دیدۂ ہوش
یہ ہیں ظہوری و طغرا و عرفی و فیضی ۔ یہ ہیں نظامی و جامی جو بیٹھے ہیں مدہوش
یہ شیخ سعدی ہے جس نے کہ چشم روشن کو ۔ کیا ہے نظم گلستاں کی بیت میں چشم پوش
منیر و بیدل و آزاد و صائب و شوکت ۔ غنی کلیم سوا ان کے اور بھی ذی ہوش
طلب ہوئے ہیں جو یہ لوگ اسکی وجہ یہ ہے ۔ زر سخن کسی کامل کا ہوگا زیور گوش
مرید ایک ہے اس مقتدا کا خاص الخاص ۔ وہ مست بادۂ عرفان یہ پیر بادہ فروش
مہینہ تاجور شہر مصطفیٰ آباد ۔ مطیع شرع نبی متقی عبادت کوش
جناب کلب علی خان بہادر ذیجاہ ۔ جو آنکھ اسکی ہے حق بیں تو گوش عذر نیوش
سحاب فیض غبار قدم ہے ہاتھ تو کیا ۔ جو کوس فوج ظفر موج ہے وہ رعد فروش
صدائے ضربت شمشیر وہ کہ سنکے جسے ۔ کھڑے ہوں کان ہزبر دن کے صورت خرگوش
بلند مرتبہ ایسا کہ جس کے مطبخ میں ۔ طبق زمین کا ہے خوان آسمان سرپوش

چمن میں ہر گل تر اُسکے فیض سے خنداں　　فلک پہ ماہ ہے ہالے سے اسکے حلقہ بگوش

وہ نثر خدمت مرشد میں اس نے بھیجی ہے　　کہ نیش اہل حسد کو ہے منصفوں کو ہے نوش

نہیں ہے دیر پڑھی جائیگی کوئی دم میں　　بنیں گے کان جو ابر دم سماعت گوش

سنا یہ حال تو تصویر وار بیٹھا میں　　لگا کے تکیۂ دیوار مطمئن خاموش

جوان فصیح بیان ایک ناگہاں آیا　　لئے ہوئے کئی اجزا ورق ورق گلپوش

ملا جو اذن تو کھولی زبان سحر بیان　　پڑھی وہ نثر مقفیٰ کہ سب کے اڑ گئے ہوش

نکل کے طفل مضامین زبانِ قاری سے　　در آئے دیدۂ حساد میں مع پاپوش

زبان کا قصد کہ جائے فلک پہ شور ثنا　　پکارتا تھا یہ سینے میں دل بجوش بجوش

کہا کسی نے خوشی میں کسی سے لانا ہاتھ　　جو سر سے سر تو لڑے جھومنے میں دوش سے دوش

اچھالے دستِ زبان نے یہ اُسکے وصف میں پھول　　زمین تو کیا قفسِ آسمان ہوا گلپوش

اُچھل پڑے گل مضمون تو یہ فردوسی　　اٹھا یہ لطف کہ جامی بھی گر پڑے مدہوش

کہیں وہ نثر نظامی کے نظم سے بہتر　　بیان کے نور نے کی شمع انوری خاموش

بھرے ہوئے تھے ہوائیں جو لوگ نخوت سے　　یہ رشک سے ہوئے لاغر کہ گھٹ گیا تن و توش

وہ فربہی نہ رہی سن کے وہ سخن سرسبز　　دوا ورم کی ہے جیسے گیاہ مرزنجوش

خفا پسند ظہوری خطا مفر طغرا　　وحید فرد غلط شوکت انکسار فروش

کہاں جلال جلالا و شان برخوردار　　زبان گنگ تھی جو پائے گوش عذر نیوش

قتیل کس میں کہ کھینچے وہ اپنی تیغ زبان　　کہ ہے سخن کے قلمرو میں ایک دست فروش

جو نثر ختم ہوئی خوش ہوا وہ صدر نشین　　ثناو مدح میں گویا کئے لب خاموش

ہوا خوشی میں جو دریائے مرحمت مواج　　منگائی کشتیٔ خلعت جو تھی جواہر پوش

جو یار سے کوئی پوچھے تو ایک سو اڑتیس　　کہیں قبول کے اعداد جنکو صاحب ہوش

زیادہ اُس پہ کیا تحفۂ دعا سر دست　　دیا وہ حامل خط کو کہ جائے مثل سروش

جو نثر کا ہی مصنف اُسے کرے تفویض — کہ دولتِ ابدی پائے وہ نیاز فروش

اُٹھا جو نامہ رسان بزم ہوگئی برخلست — یہ واقعہ ہی امیر اپنے شوق کا سرجوش

خدائے پاک رسولِ کریم کا صدقہ — صحابہ جسکے ہیں روح القدس سے دوش بدوش

جہان ہمیشہ رہے اُسکی ذات سے روشن — چراغ دولت علیا کبھی نہ ہو خاموش

رہوں رکاب سعادت میں میں بھی فارغ بال
مدام سر بکف دست و غاشیہ بردوش

قصیدہ مشتمل بر مضامین تعزیت

سیاہ اشک کی آنکھوں نے کی ہی تیاری — کہو کہ نیزۂ مژگان کرے علمداری

ہجوم غم کا ہوا نیند ہوگئی پامال — وہ آئی آنکھو نہیں طالع میں تھی جو بیداری

نگاہ دل میں ہی یوں صورت جہان سیاہ — کسی مریض پہ جس طرح رات ہو بھاری

زمانہ آپ کو شاید حسین سمجھتا ہے — کہ جانتا ہی سبب فخر کا دل آزاری

پڑیں جو داغ کسی دل میں بوستان سمجھے — کہے کہ نہر روان ہی جو اشک ہوں جاری

عدم کو جاتے ہیں ہستی سے قافلے کیا کیا — یہ شاہراہ شب و روز رہتی ہے جاری

ہر اک سوار ہے پا در رکاب عالم میں — سمند عمر میں کتنی ہے تیز رفتاری

جو دن کو مرتے ہیں ہر شام انکے ماتم میں — پہن کے آتی ہے شب جامۂ عزاداری

اجل سے روح رہے تن میں کسطرح محفوظ — نہیں ہے قلعۂ آہن یہ چاردیواری

بجا ہی گرم کچہری جو ایسی موت کی ہے — کیا ہے منشی تقدیر نے قلم جاری

امید زال جہان سے عبث ہی الفت کی — یہ ہند جانتی ہے شیرۂ جگر خواری

اٹھا ہی آب دم تیغ مرگ کا طوفان — جو ایک ڈوب چکا دوسرے کی ہی باری

اِدھر تو تیر اُدھر تن پہ تیغ پڑتی ہے — کہاں کہاں کی بھلا ہو سکے خبرداری

ادھر مکان بنا اُس طرف مزار کھدا — ادھر لباس اُدھر ہے کفن کی تیاری

سحر ہوئی ہے کھلا ہے سرا کا دروازہ — مسافروں سے کہو کوچ کی ہے تیاری
وہ خوش خرام ہوئے خاک جنکے ماتم میں — زمین پہ سر کو ٹپکتے ہیں کبک کہساری
وہ برق وش ہوئے آزار کھینچکر معدوم — کہ جن کی خاک پہ روتا ہے ابر آزاری
لحد میں اُنپہ پڑا بوجھ سیکڑوں من کا — کسی کی جن سے نہ ہوتی تھی ناز برداری
زمین نے ایک جہان دام مکر میں کھینچا — لحد نہیں یہ ہے زنبیل بہر عیاری
کہاں وہ تاج فریدوں کی تھی جو آرایش — کہاں وہ تخت سلیمان کی تھی جو تیاری
کہاں وہ عشق زلیخا کہاں وہ شاہی مصر — کہاں وہ حضرت یوسف کی گرم بازاری
کہو کہ آئیں نہ اس کے فریب میں غافل — کہ باغ سبز دکھاتا ہے چرخ زنگاری
یہی حقیقت دنیا ہے تو ہے کیا دنیا — کسی سے کی نہ کرے گی کبھی وفاداری
ہوئی تھی جنکے لئے خلقت زمین و زمان — وہی جہان سے گئے پیش حضرت باری
مسافر اسمیں روانہ ہیں آنکھ بند کئے — عدم کی راہ میں دیکھو ہے کتنی ہمواری
اگرچہ پڑتے ہیں دنیا میں حادثے دن رات — نشست گور ہے آخر اٹھا کے بیماری
مگر ہوائے خزاں آجکل ہے ایسی گرم — کہ صحن باغ ہوا جامۂ عزاداری
فسردہ ہو گئے دو نون گل ریاض جہاں — بہار عمر کی اک دم میں مٹ گئی ساری
یہ ایک سال میں دو حادثے پڑے ایسے — کہ اشک دیدۂ شمس و قمر ہوئے جاری
جہان میں کون ہے جسکو ہوا نہ یہ ماتم — ہر ایک دل پہ پڑا زخم تیغ غم کاری
جگر یہ حضرت آقائے نامدار کا تھا — کہا یہ داغ اُٹھا کر جو مرضی باری
جناب کلب علی خان بہادر ذیجاہ — کہ جس سے امن میں ہے خلقت خدا ساری
لکھوں بطرز مخاطب یہاں کوئی مطلع — سنے جو اُس کو تو نیساں کرے گہر باری

مطلع

یہ تیرے عہد میں رائج ہوئی سبکباری — کہ بُت سے کر نہیں سکتا ہے تیغ دل بھاری

مٹا ہے نام یہ علت کا دور میں تیرے
سزا ملے جو کہیں ابر کو بھی آزاری

ترا خیال جو مجنون کو دے نہ قوت دل
نہ ہو سکے کبھی لیلےٰ کی ناز برداری

رواج صدق کو مدت گذر گئی اتنی
کہ چرخ بھول گیا شیوہ ہائے عیاری

کیا یہ دفع ضرر کو کہ تا بکوچہ زخم
نہ ہو سکا گذر بوئے مشک تاتاری

نگاہ لطف نے قوت یہ دی ہے صحت کو
چھپی ہے دیدہ نرگس میں جا کے بیماری

وہ رعب ہے جو یہ چھایا رہے قیامت تک
دہان صور سے نکلے صدا بدشواری

وہ عدل ہے کہ کھنچے دار موئے مژگان پہ
کرے جو نرگس محبوب مردم آزاری

بدن میں بھی یہ اثر اب ہے حسن نیکی کا
بکیں گناہ تو توبہ کرے خریداری

عدو نے لذت دنیا میں مفت کھوئی جان
مگس کو شہد ہوا باعث گرفتاری

جو وقت نزع بھی پانی ترا عدو مانگے
زبان پہ اُس کے ہو پانی کی بوند چنگاری

پہنچ کے دیدہ دشمن میں درد کہتا ہے
ق یہاں ہے مجھ کو سزاوار مردم آزاری

خوشی یہ اُس کو ہے ہولی کے کھیلنے میں فقط
لہو ہے رنگ تو ناسور چشم پچکاری

جو سرکشوں کی سزائیں یہ ہیں عجب کیا ہے
کہ سرو بید سے لے عاریت نگونساری

نہیں یہ غار زمین نے جو کی ہے سرتابی
پڑے ہیں زخم ترے تیغ قہر کے کاری

رہے شدید یوہیں مجرموں پہ گر تہدید
یقین ہے چھوڑ دے ابلیس زشت کرداری

کسی دیار میں ہوسے رہ جو حکم ترا
جگہ سے ہل نہ سکے پھر جو رسم ہو جاری

دہن ہو خانۂ زندان زبان شاعر کو
سخن جو رنگ کو بگڑے سمجھ کے بیکاری

حباب ڈالیں ابھی پائے موج پر چھالے
مضر جو اس کی ہو ساحل کو تیز رفتاری

یہ باغ دہر میں پژمردگی ہوئی پامال
خزان بہار تک آئی تو بن کے زنہاری

بجا ہے مدح جو عارض کی ہوئی ہر بار
کہ سات طرح سے قرآن کو پڑھتے ہیں قاری

لکھے صفت کوئی شاعر جو طبع رنگین کی
تو بیت بیت میں پھر خود بخود ہو گلکاری

ہوائے فیض سے تیرے ہو گلستان گلخن | بنے وہ کرمک شب تاب اڑے جو چنگاری
علو مرتبہ ایسا تجھے خدا نے دیا | کہ فخر ہے شہ خاور کو کفش برداری
وہ خلق نکہت خوش جس سے عاریت لیکر | صبا نے باغ میں رکھی دکان عطاری
لباس خاص گنہگار کی خطا پوشی | طعام خاص ہے خلق خدا کی غمخواری
پڑے جو عکس تری شان عیب پوشی کا | دکھائے جوہر آئینہ شان ستاری
گہر فشان ہو خلائق پہ لبسکہ دست کرم | برس رہا ہے عجب ابر رحمت باری
جو دام عشق میں تیرے ہیں ہو گئے دولتمند | یہ قید حضرت یوسف کی ہو گرفتاری
ہوا ہے بسکہ زمانہ ملازم سرکار | عدم میں خانہ نشین ہو گئی ہے بیکاری
نہیں ہو باغ میں ہر شاخ پہ شگوفۂ گل | نکل نکل کے ہوئے ہیں یہ جمع درباری
امیر مدحت ممدوح ہو سکے کیوں کر | نہیں ہیں ہوش بجا فکر کی ہے بیماری
ترا یہ حال ہو اب تو کہ آسمان تجھ سے | کرے جو عیش کا وعدہ تو سہو ہو طاری
گلہ عبث ہے دعا کر کہ ہو یہ وقت دعا | اٹھا کے ہاتھ بدرگاہ حضرت باری
رہے یہ دولت و اقبال حشر تک قائم | ہر اک مہم میں پیمبر کریں مددگاری

بشر کا ذکر ہے کیا بلکہ جن مسخر ہوں
مطیع حکم معلیٰ ہوں خاکی و ناری

قصیدہ در مدح جناب مستطاب معلی القاب آیۂ رحمت ولی نعمت دام اقبالہ

عالم خواب میں پہنچا میں عجب باغ میں کل | شجر طور کو جس باغ کی کہیے کوپل
خواب میں سبزۂ خوابیدہ جو دانکا دیکھے | خواب ہو طالع خوابیدہ کا خواب مخمل
سامنے اس کے کسی اور چمن کا گیا ذکر | گلشن خلد بھی مجھ کو نظر آیا جنگل
اک شگوفہ تھا اُسی باغ کا باغ عشرت | ایک غنچہ اُسی گلزار کا گلنار امل
ساغر عشرت کونین دہیں کے دو پھول | میوۂ مقصد دارین دہیں کے دو پھل

داد دے نشو گل و لالہ اگر عکس پڑے
خون لعل آئے رگ کوہ بدخشاں سے نکل

سخت حیران ہوں کہ دیوار کو دوں کس سے مثال
کہوں آئینہ تو آئینہ میں اتنا نہیں دل

دست مژگاں سے سنبھالے تھیں نگہ کو آنکھیں
پھر بھی دیوار پہ جب چڑھتی تھی جاتی تھی پھسل

لالہ آتا تھا نظر یوں پس دیوار چمن
جس طرح شیشہ محل میں کوئی روشن مشعل

خط گلزار سے ہر گل پہ یہ مصرع تحریر
نقش ثانی ہے یہ فردوس ہو نقش اوّل

طوبیٰ و سدرہ کی شاخیں پئے تسلیم ہیں خم
عرش تا فرش سے ہے باد بہاری کا عمل

ہے یہ تاثیر نمو ہاتھ جو مجرم کے کٹیں
صورت دست چنار آئیں نئے سر سے نکل

قوت نامیہ کا تھا یہ تعلّی سے کلام
طارم پست ہے اس باغ میں چرخ اوّل

سبزۂ کاہکشاں غنچۂ پروین، کیسا
خوشۂ تاک رگ تاک سے آیا ہے نکل

اور شاخوں کا تو کیا ذکر یہ ہے فیض نمو
نکلے گر بات میں بھی شاخ تو پھوٹے کونپل

خواب میں دیکھے اگر ترک فلک یاں کی بہار
شب ہی کو گلشن انجم کو کرے مستاصل

کچھ بھی دکھلائے اگر باد بہاری نیرنگ
گل ہو گلدان میں انگارے درون منقل

ٹکڑے بادل کے نہ تھے ہند دسوں کیلئے
بھر کے آیا تھا وہاں چھاگلوں میں گنگا جل

نوجوانان چمن دھوپ سے کیا کمھلاتے
چتر کھولے ہوئے پھرتے تھے ہوا پر بادل

ہر روش سبزے پہ واں عکس گل و لالہ نہ تھا
سیج تھی پھولوں کی بالائے بساط مخمل

مور تھے رقص میں مصروف بہ رنگ لیطمی
جھومتے پھرتے تھے مستوں کی طرح سے بادل

سینے تانے ہوئے پھرتے تھے چمن میں طاؤس
اس تمنا میں کہ لگ جائے گلے سے بادل

لڑکھڑاتا تھا جو مستی میں کہیں پائے نسیم
غنچہ کہتا تھا چٹک کر کہ خبردار سنبھل

یہ چمن دل میں جو عارف کے چلے واں کی نسیم
گل صد برگ نے غنچہ اسرار ازل

سوئے بتخانہ جو پہنچی تھی ہوائے جاں بخش
کلمہ توحید کا پڑھنے لگے عزیٰ و ہبل

کیا عجب دانہ اسپند ہو جل کر پھر سبز
کہ دھواں اٹھتے ہی بنتا ہو ہوا پر بادل

طرفۃ العین میں وہ روشنی آپہنچی قریب　　نخل موسیٰ کو بھی لے آتی تو لے آتا پھل
قوت نامیہ کے جوش سے آئینے میں　　کیا عجب سبزۂ زنگار سے گل آئے نکل
تخم تخم اُس کا شجر بن کے نیا پھل دیتا　　ٹوٹ جاتا جو کہیں گر کے زمیں پہ کوئی پھل
پانی دیتا صفتِ دامنِ تر دقتِ فشار　　تھا یہ تر سایۂ دیوار چمن کا کمل
گرد گلزار کے ہوتا تھا تصدق خورشید　　چاہتا تھا کہ کرے لالے سے دستار بدل
نقش پا تھا صفت جام لبالب مے سے　　رنگ پھولوں سے ٹپکتا تھا کہ آیا تھا اُبل
گل نسریں پہ تھا یوں عکس شعاع خورشید　　جیسے سونے کو کریں ساغر الماس میں حل
غنچۂ لب کا تو کیا ذکر ہے گل ہے کھلتا　　عقدۂ گیسوئے خوباں جو وہاں ہوتا حل
ایک دم بلبل سرمست جو ہوتی تھی خموش　　جام منقار سے آتی تھی مے نغمہ ابل
دل سے کلفت کو مٹایا یہ صفائے گل نے　　زنگ آئینے کا جس طرح مٹا دے صیقل
آگیا گل کی صفائی کا جو بلبل کو خیال　　سر بھی بیضے سے نہ نکلا کہ گیا پانوں پھسل
آبدار ایسی تھیں نہریں کہ مقابل ہو اگر　　آب میں چشمۂ خورشید کے آجائے خلل
نکہتِ گل سے ہر اک موج جوابِ رگِ گل　　پرتو گل سے حباب لب جو رنگ محل
شہد کی نہر رواں مثل جناں ہوتی تھی　　پھول پر بیٹھ کے اُڑتی تھی جو زنبور عسل
ہو گیا لوٹ میں سامان یہ آیا جو نظر　　پانوں کس طرح سنبھلتا کہ گیا دل ہی پھسل
لے اُڑی ہوش مرے حیرت نظارۂ باغ　　آگیا غش مجھے بیہوش گرا سر کے بل
متحیر تھا کہ یارب ہے یہ کیسا گلزار　　غنچہ ہے تنگ دہن کس سے معما ہو یہ حل
گوش گل میں ہو ہوائے طرب انگیز بھری　　کون سنتا ہے جو پوچھوں میں کہ کیا ہے یہ محل
قمریوں کو نہیں کو کو سے مجال گفتار　　بلبلوں کو نہیں نغموں سے کسی شاخ پہ کل
تھا اسی فکر سے دریائے تحیر میں غرق　　کہہ رہا تھا کہ زہے صنعت صناع ازل
ناگہاں طرف چمن میں نظر آیا اک نور　　آنکھ نے دل سے کہا دیکھ کے اُس کو کہ سنبھل

طرفۃ العین میں وہ روشنی آ پہنچی قریب
کھل گیا دیکھتے ہی اسکو مرے دلکا کنول

دیکھتا کیا ہوں کہ ہے بیچ میں اک حور لقا
کچھ حسین گرد ہیں آگے ہے فروزاں مشعل

گل کھلا فیض طراوت سے ہوا کے تازہ
پھول سوسن کا بنا اٹھتی ہے دود مشعل

حور وہ حور جسے دیکھے تو فردوس سے حور
مضطرب نعرہ زناں خاک بسر آکے نکل

فرق سے تا بقدر پیکر انداز و ادا
غمزہ و ناز سے ڈالے دل عاشق کو مسل

گرمی حسن سے رخسار بھبھوکا ایسا
شمع کیطرح جسے دیکھکے دلجائے پگھل

چال وہ چال کہ بھونچال ہو جس سے ارزاں
چرخ پر مثل زمیں جس سے پڑے اک ہلچل

ہو زمانہ تہ و بالا جو وہ ہو تند خرام
ہے یقیں جائے زمیں پانو کے نیچے سے نکل

تھا گلوں کے یہی دو حکم تھے وقت رفتار
زندے مرجائیں پڑیں مُردۂ صد سالہ اچھل

چوکڑی آہوئے مشکیں کو ختن میں بھولے
بال کھولے جو چلے یا وہ دکھائے چھل بل

قطرے بہتے تھے پسینے کے رخ گلگوں پہ
جوش کھا گرمیٔ حسن آئی ہے چہرے پہ ابل

لب نازک پہ جمائی تھی بلا کی مستی
اور آنکھوں میں لگایا تھا غضب کا کاجل

ہائے رے ناز لچکتی تھی نزاکت سے کمر
کچھ جو کاندھے سے دوپٹے کا ڈھلا تھا آنچل

پتلیوں کا جو اُن آنکھوں کی تماشا دیکھا
دلِ ناداں مرے پہلو میں گیا اور مچل

تیر پر تیر پڑے دل پہ نگاہیں جو لڑیں
نیمجاں پانوں پہ اسکے میں گرا سر کے بل

اور کی عرض کہ اے عشوہ گر غمزہ فروش
رحم کر رحم بس آگے دل مضطر کو نہ چھل

رخ روشن کی طرح آئینہ تو مجھکو کیا
اپنے گیسو کیطرح کر مرے عقدونکو بھی حل

کون سا باغ ہے یہ کون ہے تو میں ہوں کہاں
تجھ سے وحشت نہیں یہ اور ہے حیرت کا محل

متبسم ہوا پہلے تو وہ سرمایہ ناز
پھر اک انداز سے بولا یہ دکھا کر کس بل

سر اٹھا پانوں سے یہ بے ادبی خوب نہیں
اچھی صورت پہ گیا دیکھتے ہی خوب پھسل

ہوش میں آ یہ نہیں قسم نباتات سے باغ
ہے سراپا چمنِ صنعت خلاق ازل

انس کچھ آج نیا تجھ کو نہیں ہے مجھ سے — کھا چکا چوٹ مرے حسن کی تو روز ازل
نہ پری ہوں میں نہ انساں ہوں نہ غلماں ہوں نہ حور — پر لطافت میں نزاکت میں ہوں اُن سے افضل
باغ نقشہ ہے صفات حسنہ کا اُسکی — حسن فطرت میں جو یوسف سے کہیں ہے اکمل
ہاتھ پھیلائے ہیں نرگس نے جو کاسہ لیکر — اور کاسہ ہے کہ سونا ہے گیا اُس میں جل
ہے یہ نکتہ کہ فقیران جہاں کی صورت — سائل اسکے در دولت پہ ہیں ارباب دول
ہاتھ پھیلائے جو شاخیں زر گل دیتے ہیں — ہے یہ مطلب کہ دہش میں ہے وہ بے مثل بدل
اشرفی کے جو گلوں کا ہے چمن میں انبار — یہ اشارہ ہے کہ دولت میں ہے وہ ضرب مثل
رمز یہ ہے کہ پھلے پھولے ہیں نخل امید — پھولکر لائے ہیں اس باغ میں اشجار جو پھل
نظر آتی ہے جھکتی ہوئی طوطی جو تجھے — قطعہ — ذوق مستی میں عنادل سے جو سنتا ہے غزل
یہ اشارہ ہے کہ ہر عضو بدن حضرت کا — ہے نوا سنج سپاس کرم عز و جل
بار ور آتے ہیں تجھ کو جو نظر یہ اشجار — پہنچے ہیں اپنی مرادوں کو یہ سب نخل امل
جوش رحمت کا ہے اُس بحر کرم کے شمہ — اس گلستاں میں جو برساتا ہے پانی بادل
دیکھتا ہے جو رواں نہر میں پانی شفاف — چشمۂ فیض یہ اُس کا ہے نہیں گنگا جل
پوچھتا ہے جو حقیقت کو مری اے ناداں — طبع نازک ترے آقا کی ہوں اے عبد اجل
میں زلیخا ہوں وہ ہے یوسف کنعان کمال — گرم ہے آٹھ پہر شاہد مضموں سے بغل
نازنیں ہیں جو مرے گرد اِدھر اور اُدھر — یہ قصیدہ وہ مخمس ہے یہ قطعہ وہ غزل
جسکو سب کہتے ہیں واسوخت شرارت ہے مری — مثنوی سمجھے ہیں جسکو ہے مری اک چھل بل
شجر سیب و انار چمن خلد بریں — ہیں مری لذت گفتار کے آگے حنظل
اک ادا میں دل عالم کو میں چھل جاتا ہوں — آہوے چین و ختن میں یکہاں ہے چھلبل
تربیت تیری ہے در پردہ تجھے مد نظر — روز سنتا ہے مرے فیض سے تو تازہ غزل
سیر ہو عالم برزخ کی مبارک تجھ کو — ہوئی تقدیر رسا دن گئے کلفت کے نکل

تازہ تر ہونیکا باعث ہے یہ اس گلشن کے — شجر عیش کی پھوٹی ہے نئی اک کونپل
خلعت خاص بہجا نے کو ترے آقا کے — آج کلکتے سے آئے ہیں گورنر جنرل
ہوئی انزالیش ملک اور بڑھے منصب بھی — جشن کا روز ہے غافل نہیں حیرت کا محل
سر اٹھا خواب تغافل سے ذرا ہوش میں آ — وا ہوئے جتنے کہ عقدے تھے ترے لاینحل
تہنیت میں تجھے لازم ہے قصیدہ کہنا — آیا ہیں تیری مدد کے لئے قصہ فیصل
پڑھ کے دربار گہر بار میں اشعار بدیع — صلۂ مدح سے ممدوح کے بھر جیب و بغل
الغرض کان میں میرے جو یہ مژدہ پہنچا — کھل گئی آنکھ ہوئے جمع حواس مختل
مستعد ہو کے لکھا مطلع روشن ایسا — جس سے خورشید کے مطلع میں بھی آجائے خلل

مطلع

عدل کا تیرے زمانے میں یہ بیٹھا ہے عمل — بچہ آہو کا ہے اور شیر نیستاں کی بغل
ناخن کیا بنے سیخ کباب دل باز — صیدگہ میں یہ ترے عدل کا بیٹھا ہے عمل
عام ہے فیض ترے حفظ کا یہ عالم میں — قطعہ امن آباد ہے اب شہر کی صورت جنگل
شب تاریک میں پھرتے ہیں ہرن بے کھٹکے — دیدۂ شیر کے ہے سامنے روشن مشعل
چار سو امن رعایا ہے تری شکر گذار — نام باقی نہیں شکوے کا جہاں تک ہے عمل
مل گئے زخم کے مانند شگاف در کوہ — نہ رہا چاک گریباں کو وہاں بھی بدخل
پھنک اٹھی دشت میں ہر جادہ فتیلے کیطرح — پرتو افگن ہوا گر تیرے غضب کی مشعل
رخش گردوں کیطرح گاؤ زمیں چل نکلے — منہ سے تیرے کہیں اتنا جو نکلجائے کہ چل
موجۂ حکم کا پائے تری ایما گر سیل — الٹے پانوں سوئے کہسار پھرے سر کے بل
دیر ہے منہ سے نکلنے کی نہیں تو تا قاف — گرد سے شہپر عنقا کے ہو تیار محل
تیر ہو چلہ نشیں جاکے کماں کے گھر میں — دم بیکار اگر حکم ہو تیرا کہ نہ چل
شکل منقار ہوں دونوں لب سوفار بہم — حرف لا منہ سے ترے جائے جو دو بار نکل

زلف لیلیٰ سے ہے قیس کا دل خوں ہو کر — شحنۂ نہی اگر آنکھ دکھائے بہ مثل
گر ترے موکب اقبال و سعادت کا ہو قصد — کہ گھٹا دیجئے کواکب سے نحوست کا خلل
جسطرح لالے کی آنکھو نہیں چمن ہو شہد — یوں ہی مریخ کی آنکھو نہیں فلک ہو مقتل
جسطرح داغ ہو آغوش میں لالے کے یہیں — ڈر کے مریخ کے سینے سے لپٹ جائے زحل
بیچ سے شق ہو سپر خانۂ فولاد کی طرح — سایۂ انگن ہو تری تیغ جو بالائے جبل
ہو یقیں شاخ سر گاو زمیں پر ٹھہرے — کہیں دھوکے میں پڑے میان سے تیر جو اگل
جان غمگین ترے دشمن کے بدن سے نکلے — نالہ جیسے دل پر درد سے آتا ہے نکل
پھل نہ پائے ترا حاسد کبھی نہ جلا کے درخت — اور بالفرض جو پائے بھی تو تلوار کا پھل
جیسے گر جاتی ہے دستار سر مے کش سے — کاسۂ سر سے ترے خصم کے مغز آئے نکل
کشت دل میں جو مخالف کی تری جا نکلے — جوہر تیغ ملے مور کو دانے کے بدل
رنگ اڑ کر رخ دشمن سے پر ناوک ہو — گر اشارہ ہو ترا ناوک بے پر کو کہ چل
چشم بد دور سر مردمک دیدۂ فتح — چشم دشمن میں جسے دیکھ کے آجائے سبل
کیا عجب دائرے کے گرد جو مرکز ہو محیط — وسعت خلق کا یہ دور میں تیرے ہو عمل
پانوں میں خار کرے ناخن تدبیر کا کام — چاہیئے لطف ترا پھر تو ہیں سب عقدے حل
ڈالدے ہاتھ سے نیزے کو سماک رامح — تجھ کو پائے جو طرف دار سماک اعزل
گر تری عزم کی توصیف میں شاعر لکھے — پر نکالے صفت مور ہر اک حرف غزل
گرد اڑ کر جو سواری کی ترے جاتی ہو — زہرہ آنکھوں میں لگاتی ہے سمجھ کر کاجل
زلف جوزا کو ہے جاروب کشی کی خدمت — ہے اک آزاد غلام حبشی تیرا زحل
فیض سے تیرے مہندس میں صفت مہر فلک — ایک ہی اینٹ سے چاہے تو ہو تعمیر محل
رگ گل بنتا ہے لب تک ترے آتا ہے جو شعر — بوئے گل بنکے معانی وہیں آتے ہیں نکل
برق و صرصر سے جو توسن کو ترے دوں تمثیل — جتنے عاقل ہیں کہیں ہوش میں اسکے مختل

دور ہے عقل سے تشبیہ سکون و سرعت — سحر و اعجاز کی نسبت سے ہو ایماں میں خلل
سبقت اندیش ہو ہر عضو سے عضو آخر — پیچھے رہ جانے کے باعث سے ہو داغ کفل
وصف میں گرمی رفتار کے شاعر جو لکھے — کر کے موزوں کوئی قطعہ کہ قصیدہ کہ غزل
لفظ کیا نقطے بھی دیوان سے یوں اُڑ جائیں — قطعہ — دانے اسپند کے مجمر سے گئے جیسے نکل
لالے کے پھول کو آغوش صبا میں دیکھا — نظر آیا جسے رفتار میں وہ داغ کفل
آئینہ نعل کا اس کے ہو جو بن کر تیار — قطعہ — اور آنکھ اس سے مقابل ہو تو دیکھے جھل جھل
حسرت تک نور نظر عکس کے پیچھے دوڑے — اور ناکام ہی آخر کو گرے ہو کر شل
جتنے اوصاف ہیں گھوڑے کے وہ ان سب میں ہیں فرد — سخت سُم نرم دم آگندہ سرین پہن کفل
فیلخانے میں ہیں سرکار کے ہاتھی بے حد — عظمت و قدر میں ہر ایک سے ہر اک افضل
ایک ہاتھی مگر اُن سب میں ہو سب سے بلند — اُسکی تعریف کروں نام ہے اسکا چنچل
فیل گردوں بھی جو دیکھے تو جگر جائے دہل — دانت پائے کی جگہ اسکے ہیں خرطوم زحل
اور تشبیہ نئی اک مجھے سوجھی ہے ابھی — مار خرطوم ہے دنداں ہیں درخت صندل
پاؤں زنجیر ہے ہر چند مگر ہے آزاد — نالے کی طرح سلاسل سے وہ جاتی ہے نکل
عظمت و شان و جلالت کا ہو کیا اسکے بیاں — متشکل ہوا ہے قدرت خلاق ازل
ہو در قلعۂ گردوں کی کلید اسکی کجک — فیلباں اس پہ کہ سیمرغ ہے بالائے جبل
شوخی یہ طرفہ ہے رفتار میں با اینہمہ شاں — غیر ممکن کہ سر مور کہیں جائے کچل
بس امیر آگے نہ بڑھ روک عنانِ حرکت — ہم نے مانا کہ نہیں پانوں قلم کا ترے شل
پر کہاں ذرہ کہاں پایۂ مدح خورشید — گر زباں بند نہیں ہے یہ تعلی کا محل
شکر کر شکر کہ مداح ہوا تو اُس کا — خلق ذاتی سے چھپا دے گا خطایا و زلل
قدر دانِ سخن و اہل سخن ہے ممدوح — ہاتھ اُٹھا بہر دعا پیش خداوند اجل
اور یہ کر عرض بصد عجز و خلوص و زاری — کہ خدایا بحق آل نبی مرسل

سرخ و رنگ سعادت سے ہو جبتک زہرہ — رد یہ داغ نحوست سے ہو جبتک کہ زحل
حسن کو ناز رہے عشق کو جب تک کہ نیاز — رہے معشوق کا جبتک دلِ عاشق میں عمل
جب تلک مہر سے پر نور رہے سارا عالم — جب تلک ماہ کی روشن ہو فلک پر مشعل
پرتو مہ سے کتاں کا ہے جگر جبتک چاک — گرمی مہر سے تا موم کا دل جائے پگھل
جب تلک شہد کے چھتے میں رہے شیرینی — تلخکامی رہے جبتک کہ نصیب حنظل
نیش اور نوش کے باقی رہیں جبتک آثار — لے مزا بیٹھ کے ہر پھول پہ زنبور عسل
سرو کے گرد کرے فاختہ جبتک کو کو — گل کے آگے پڑھے تا بلبل شوریدہ غزل
جتنی امیدیں ہیں بر آئیں مرے آقا کی — خلد کی طرح سے شاداب رہے باغ امل

ملک و اقبال کو یارب ہو ترقی گھڑیوں
یہ کیتھر تو ہے کیا ہند میں ہو جائے عمل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ غم نہیں جو پیش ہے دفتر قصور کا
عنوان نامہ نام ہے رب غفور کا

کیسی نظر حجاب جو مانع ہو نور کا
دریا سے قطرہ قصد کرے کیا عبور کا

ہمت ہے شرط راہ خدا ہے کھلی ہوئی
پہنچا وہ جس نے قصد کیا راہ دور کا

محروم اُس کے خوانِ تجلی سے کون ہے
حصّہ ہر ایک آنکھ نے پایا ہے نور کا

کہتے ہی یا کریم اِدھر سے اُدھر گئے
لطف و غضب میں فاصلہ تھا کتنی دور کا

میں خاک بھی ہوا تو ہوا اسکی خاک در
چھوٹا نہ دست عجز سے دامن غرور کا

وہ صاف دل ہوں مردمکِ چشم کیطرح
میرے سیاہ خانے میں عالم ہے نور کا

ہے اعتقاد صاف کی اسمیں رہے مدام
مینا سے دل کو سنگ نہ توڑے فتور کا

زاہد لحاظ رکھ کہ نہ گل ہو چراغ زہد
جھوکا نہ آنے پائے ہوائے غرور کا

دیکھیں کہ کیا دکھائے قیامت میں شوق دید
درپیش مرحلہ ہے شہود و ظہور کا

حاضر مرے جنازے پہ ہوں سب ملائکہ
سایہ ہو سر پہ مثل سلیماں طیور کا

کیا ڈر جو قصر عفو مقام بلند ہے
زینہ لگا کے پہنچوں گا عذر قصور کا

دیدار کا تو وعدہ وفا ہوگا حشر کو
ارشاد ہو علاج دلِ ناصبور کا

عاشق کیا ہے شوق نے تیرے حبیب پر
یارب امیدوار ہوں عفوِ قصور کا

دیکھا نہیں ہے تجھ کو مگر شوق دید ہے — مشتاق غائبانہ ہوں تیرے حضور کا
مرکر ملی نجات لحد کے فشار سے — صدقہ اکابر و شہدا کے قبور کا
پھیلا کے پانوں چین سے سوؤں مزار میں — تکیہ نصیب سر کو ہو زانوئے حور کا
یارب اکیلے رہنے کی عادت نہیں مجھے — جمگھٹ رہے مزار میں غلمان و حور کا
محشر کے روز ساقی کوثر کا واسطہ — اک جام تشنگی میں شراب طہور کا

الفت امیر آل محمدؐ سے فرض ہے
مشکل ہے بے سفینہ ارادہ عبور کا

نام عاصی داخل فرد شفاعت ہو گیا — خاتمہ بالخیر احمدؐ کی بدولت ہو گیا
مرغ عصیاں اڑ کے صید باز رحمت ہو گیا — ذنگ شاہین ترازوئے عدالت ہو گیا
زرد تھا وقت پرسش پر رہا سبزہ میں — فرش استبرق مجھے صحن قیامت ہو گیا
گرمی خورشید محشر سے ہوئی حاصل نجات — شامیانہ سر پہ میرے ابر رحمت ہو گیا
آل احمدؐ کی محبت کا چبھا تھا دل میں خار — بڑھ کے محشر میں کلید باب جنت ہو گیا
جم گیا تھا دل میں جو مشق معاصی سے غبار — سرمہ بہر دیدۂ عین عنایت ہو گیا
واہ ری رحمت جو رکھا پانوں بالائے سراط — دستگیری امن نے کی خوف رخصت ہو گیا
جس علم کے نیچے پائی فیض احمد سے جگہ — میری بے جرمی پہ انگشت شہادت ہو گیا
دفعتہ صورت بدل کر بن گئی امید یاس — خار زار رنج فرش خواب راحت ہو گیا
راستہ تھا اول منزل جو ناہموار پیش — رفتہ رفتہ نردبان بام رفعت ہو گیا
قصر یاقوت زمرد کی ہوئی آسان خرید — باغ جنت کا قبالہ داغ محنت ہو گیا
تشنگی میں کوثر و تسنیم کے چشموں پہ ہم — اسطرح پہنچے کہ رضواں غرق حیرت ہو گیا

صبح محشر جلد چھٹکارا ملا ہم کو امیر
بھر گیا چمکا کہ تاباں نجم قسمت ہو گیا

نہیں سودا فقط یوسف کو اُسکے چاکِ داماں کا
گدا ادریس بھی ہی کوچۂ چاکِ گریباں کا

مزہ عاشق کے دلسے پوچھ حسنِ شعلہ رویاں کا
تماشا دیکھ پروانوں کی آنکھوں سے چراغاں کا

یہ تیری تیغ نے روکا ہی ناکا شہرِ امکاں کا
کہ چھایا ہی قضا کے ہاتھ پر خونِ شہیداں کا

دلِ پُر داغ پر یہ حسرتوں کا خون ہوتا ہی
لہو بنکر ٹپک جاتا ہی رنگ اپنے گلستاں کا

زبانِ حال سے کہتا ہی خنجر میان سے کھنچکر
کہ گھر بیٹھے بہلتا ہی کوئی جی مردِ میداں کا

مرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا
ابھی سے پھر گلہ اٹھا مرے چاکِ گریباں کا

تکلف حسن کا ہر موئے خطِ یار میں پایا
نظر آیا مجھے ہر مور میں جلوہ سلیماں کا

بہارِ تازۂ دل دیکھ اگر شوقِ تماشا ہے
بہشت اک پھول مرجھایا ہوا ہی اس گلستاں کا

نہوگا بند جبتک نقدِ جاں باقی ہی قالب میں
سخی کے گھر کا دروازہ ہی چاک اپنے گریباں کا

بہارِ کہکشان و انجم و افلاک کیا دیکھوں
نہ بیل اچھی نہ بوٹا خوشنما ہی اس گلستاں کا

لکھے یکدست یہ مضموں ترے دستِ حنائی کے
مخمس جو مرے دیوان میں ہی پنجۂ مرجاں کا

نہ گھبرا اے دلِ وحشی سوادِ شامِ فرقت سے
کہ یہ سایہ بھی ہمسایہ ہی اس زلفِ پریشاں کا

خیالِ عیش کر لینگے فلک نے گو پھنسایا ہی
تصور قید ہو سکتا نہیں ہے اہلِ زنداں کا

معاف اے شیخ دھوکے میں اُڑائیں دھجیاں میں نے
ترے خرقے پہ شک مجھ کو ہوا اپنے گریباں کا

اُچھلتا ہی کلیجا ڈوبتا ہی دل خدا حافظ
سمندر پیرنا ہی جھیلنا شبہائے ہجراں کا

جچے کیا طولِ محشر ہمسے غمناکوں کی آنکھوں میں
ازل سے تا ابد پہلا پہر ہے روزِ ہجراں کا

وہاں گور سے آوازیہ کانوں میں آتی ہی
نہیں ہی کام اس گھر میں کسی ناخواندہ مہماں کا

تڑپ کر دم نکلجائے مگر کھلنا نہیں ممکن
تری دل کی گرہ ٹانکا ہی مرے زخمِ نہاں کا

جگر کو دوں کہ دلکو دوں بتا اے ناوکِ قاتل
کہ دو پیاسوں میں ہی یہ ایک قطرہ آبِ پیکاں کا

امیر آئینگے کیا کیا شمع رو راتوں کو چھپ چھپ کر
نیا انداز ہوگا میرے مدفن پر چراغاں کا

اگر در کار ہے رنگیں تمہیں تحفہ گریباں کا
لگاؤ لعل اسمیں قطرۂ خونِ شہیداں کا

اسیر عشق ہو کر زمزمہ سن طائرِ جاں کا
چہکتا ہو قفس میں جا کے بلبل اس گلستاں کا

کنارہ مر کے ہاتھ آیا ہو ہمکو ملکِ ایماں کا
بڑی مشکل سے دروازہ ملا شہر خموشاں کا

تمہارے بانکپن کی شان کچھ اسمیں نکلتی ہو
کھنچے تو دوڑ کر منھ چوم لوں شمشیرِ عریاں کا

دھواں اُٹھتا ہو داغ آتشینِ سینہ سے ایسا
کہ چھپ جاتا ہو بدلی میں ہلال اپنے گریباں کا

خیال خط میں اے گل جا نکلتا ہوں جو گلشن میں
لگاتا ہو ہزاروں برچھیاں سبزہ گلستاں کا

نظر آیا وہ چہرہ ہوتے ہوتے رک گئی وحشت
اُٹھائی اس نے چلمن رہ گیا پردہ گریباں کا

جہاں معشوق ہو عاشق دکھا جاتا ہو رنگ اپنا
شبیہِ طوق قمری ہو دھواں سرو چراغاں کا

یقیں ہو بنتے بنتے ہو لبالب خون حسرت سے
اگر کاسہ بنائیں کاسہ گر خونِ شہیداں کا

نہ پوچھو حال دل کا میری آہ بے اثر دیکھو
درخت بے ثمر ہو یہ اُسی اُجڑے گلستاں کا

دل سرگشتہ میرا دیکھ کر یوں وہ پری بولی
یہ دل کا ہیکو ہو کوئی بگولہ ہو بیاباں کا

کہاں ساماں تھا وحشت میں کہ نامہ یار کو لکھتا
دیا قاصد کو پرزہ پھاڑ کر میں نے گریباں کا

زہے شوق شہادت امتحاں گاہ محبت میں
قدم بڑھتے ہی ہاتھوں بڑھ گیا دل مردِ میداں کا

دم رقص اُس پری نے دی جو گردش اپنے دامن کو
مری آنکھوں میں عالم پھر گیا تخت سلیماں کا

تفوق رکھتی ہو سرگشتگی نخوت فروشی پر
کہیں دامن سے ہوتا ہو مقام اونچا گریباں کا

وہ دیوانے ہیں آنکھ کے ذرا ایما اگر کر دیں
نکالے شیر پر آنکھیں غزال اپنے بیاباں کا

جسے سارا زمانہ آفتاب حشر کہتا ہے
وہ اک اُترا ہوا چھالا ہو اپنے داغ ہجراں کا

نئی تقریب پریوں کے بلانے کی ہو دیوانو
کسی صحرا میں عرس اکدن کریں چلکر سلیماں کا

ہوئی ہیں بسکہ آنکھیں لوٹ انکی جامہ زیبی پر
نگاہیں کھیلتی ہیں گیند اُس گوئے گریباں کا

وہ زخمی ہیں تڑپ کیسی چھڑکتا گر نمک قاتل
دہانِ زخم سے ہم چوم لیتے منھ نمکداں کا

بڑے ناداں ہیں جو لوگ ڈرتے ہیں امیر اس سے
اجل تو نام ہو اک زندگانی کے نگہباں کا

جنوں ہو مجھ کو اک پردہ نشیں کے دور داماں کا
گلا کاٹوں جو پردہ فاش ہو چاک گریباں کا

نظر آتا ہو دل میں رنگ کیا کیا حسنِ خوباں کا
تماشا دیکھتا ہوں ایک غنچے میں گلستاں کا

چھپا ہو عیب عریانی سے رخت جسم عریاں کا
مرا داغ جنوں پیوند ہے میرے گریباں کا

کہیں ضبطِ فغاں سے عشق کے آثار چھپتے ہیں
لب خاموش سے پیدا ہو صدمہ دردِ نہاں کا

صدا یہ قلقلِ مینا سے میخانے میں آتی ہو
کہ بخت سبز اک طوطی ہو مستوں کے گلستاں کا

مگر اڑتی ہوئی پریاں پھنسانے کا ارادہ ہے
ہوا پر جال پھیلایا ہے کیوں زلف پریشاں کا

جنوں کے گل کھلاتی یوں صبا کو کیا سلیقہ تھا
چمن میں ہو گل صد برگ نام اپنے گریباں کا

کیا اظہار دردِ دل تو کھینچا میاں سے خنجر
نیا نسخہ نکالا آپ نے یہ دردِ ہجراں کا

خیالِ طرہ بندھ جائے نہ کیونکر حور کی صورت
طلایہ پھر رہا ہو آنکھ میں خواب پریشاں کا

عدم کو چل دیا خاموش جو عاشق ہوا اسیر
دہان یار دروازہ ہو کیا شہر خموشاں کا

تمہارا پنجۂ رنگیں چڑھا جب سے نگاہوں پر
جما یا رنگ اترا دل سے اپنے پنجۂ مرجاں کا

ترا ممنون ہوں اے ضعف پردہ رکھ لیا میرا
چھڑایا تو نے دامن دستِ وحشت سے گریباں کا

ملایا خاک میں انکو جہاں کی بیوفائی نے
کتابہ خط کوفی میں لکھو گور غریباں کا

تعجب کیا کمال شوق میں لپٹا جو میں اس سے
دیا شمشیر نے دھوکا کسی کے جسم عریاں کا

اسے کہتے ہیں پاس رازِ الفت دیکھ اے قاتل
سیا ہو منہ ترے تار نظر سے زخم پنہاں کا

زنخداں پر جو انگشت حنائی یار نے رکھی
تو میں سمجھا کہ ہو سیب ذقن پھل شاخ مرجاں کا

مزاج آگے تو دیوانوں سے یوں برہم نہ رہتا تھا
اثر ہو اسے پری یہ صحبت زلف پریشاں کا

کہاں جائینگے اڑ کر یہ پری دیری جا تو نسے
مجاور میں بنوں گا جا کے درگاہِ سلیماں کا

نصیب دشمناں قاتل کو سکتا ہو گیا شاید
کہ بسمل آئینہ دکھلا رہے ہیں چشم حیراں کا

ہوائے زلف میں اک حور کے سودا یہ چمکا ہو
بیاض صبح جنت ہو سواد اپنے بیاباں کا

امیر ایسا شگفتہ ہو ہجوم داغ سے پہلو
کہ ہر ناسور دل رخنہ ہو دیوار گلستاں کا

دکھانا چاہیئے کچھ بانکپن سودائے مژگاں کا
بہت اب نوک کی لیتا ہے ہر کانٹا بیاباں کا

نہ چھوڑا تار باقی دستِ وحشت نے گریباں کا
دیا ہر چند میں نے واسطہ یوسف کے داماں کا

جواب روضۂ رضواں ہے تختہ کوئے جاناں کا
قضا چھڑکاؤ کرتی ہے یہ خونِ شہیداں کا

ستمگر نے نہیں کھینچے ہیں اپنے گو کھوٹا ٹکا
نکل آیا ہے جوہر صاف شمشیرِ گریباں کا

بنا کر آئینہ پریوں کو یوں خود بیں نہ کرنا تھا
سکندر کچھ تو تجھ کو پاس لازم تھا سلیماں کا

زمیں ہو ایک مشتِ خاک صحرائے محبت کی
فلک چھوٹا سا اک میدان ہو اُسکے بیاباں کا

تردد کیا ہے تم کو یہ تو دو ٹانکوں میں اچھا ہے
عدو کا زخم دل کیا چاک ہے میرے گریباں کا

دبستانِ جنوں میں جو سبق تھا درس میں یا تیرے
وہ اے مجنوں برآوردہ ورق ہے میرے دیواں کا

نہ بھولے آپ کو بھولے جو دنیا کو تو کیا بھولے
یہ منت ہو اگر پوری تو بھرے طاقِ نسیاں کا

کسی عارض کا آئینہ ہے اپنا دیدۂ حیراں
دلِ صد چاک شانہ ہے کسی زلفِ پریشاں کا

در آیا بن کے پتلی دیدۂ خورشیدِ محشر میں
اگر اونچا اُڑا ذرّہ کوئی اپنے بیاباں کا

لبِ بام اس پری نے بال کیا چہرے سے سرکائے
اُٹھا کر ابر کے پردے کو گویا برق نے جھانکا

ذرا سی چھیڑ میں کیوں چھوٹ بیٹھے ہو تم اچھے ہو
اسی سے چھیڑتا ہے تم کو ہر کانٹا بیاباں کا

گھٹائیں غم کی چھا جاتی ہیں دلبر تیرہ بختوں کے
بلا ہے رخنہ کھلنا آپ کی زلفِ پریشاں کا

بلایا چاہتا تھا ہاتھ سے اُس گل کے ہاتھ اپنا
یہ باعث ہے کہ شل حق نے بنایا پنجہ مرجاں کا

اترتا ہی نہیں غصہ کسی دم چشم و ابرو سے
پری دیوں پہ کیا تھا ہے سرکار سلیماں کا

خیالِ زلف و رخ ہی رات دن آنکھوں میں رہتا ہے
اُجالا صبحِ وصلت کا اندھیرا شامِ ہجراں کا

مرے غم میں رواں آنسو ہیں آنکھوں سے جنوں کے
کہ ماتم ہو رہا ہے گھر میں پریوں کے سلیماں کا

انا الحق بولتی ہیں قمریاں حق سرو کیسا
جسے کہتے ہیں دار اک سرو ہے اپنے گلستاں کا

کتاب لوحِ محفوظ اے امیر اس کا ہے دیباچہ
سوادِ خامۂ کن خاتمہ ہے اپنے دیواں کا

ہم سے بگڑ کے غیر کا تو یار ہو چکا — ہونا جو تھا وہ اے بت عیار ہو چکا

ترغیب دی شراب کے پینے کی کیوں اُسے — حق تو یہ ہے میں پہلے گنہگار ہو چکا

اٹکھیلی کی چلے نہ چلے چال اب وہ شوخ — فتنہ جو سو رہا تھا وہ بیدار ہو چکا

بالیں پہ میرے کس لیئے آیا ہوا اے طبیب — تجھ سے علاج درد دلِ زار ہو چکا

آیا نہ ایک بار عیادت کو وہ مسیح — سو بار میں فریب سے بیمار ہو چکا

زنجیر پا ہے ضعف سے ہر موج بوریا — شاہوں کا مجھ فقیر سے دربار ہو چکا

افسوس آنکھ خواب تغافل سے تب کھلی — جب آفتاب حشر نمودار ہو چکا

اب عفو وہ کریں نہ کریں اختیار ہے — امید عفو میں میں گنہگار ہو چکا

جب آستان یار پہ حاضر ہوئے ہیں ہم — درباں سے یہ سُنا ہے کہ دربار ہو چکا

باقی ہزار شوق خط شوق ناتمام — قاصد کمر کو باندھ کے تیار ہو چکا

کافی ہے زلف جال بچھاتا ہے کس لیئے — صیاد سے کہو میں گرفتار ہو چکا

دنیا میں کون غم ہے نہیں جسکے بعد عیش — آئی بہار خشک جو گلزار ہو چکا

دل راہ چلتے چھین لیا مجھ سے یار نے — یوسف کا فیصلہ سر بازار ہو چکا

میرا سوال سن کے جو خاموش ہو رہے — میں خوش ہوا کہ وصل کا اقرار ہو چکا

اب لب پہ لائیں کیا ارنی صورت کلیم — محشر کے روز وعدۂ دیدار ہو چکا

باقی ہے کس کو حوصلہ اخفائے عشق کا
رسوا امیرؔ کوچہ و بازار ہو چکا

واعظ حشر کا ہر مرتبہ چرچا کیسا — روز کا تم نے نکالا ہے یہ جھگڑا کیسا

دیکھیں حوریں بھی تو بیہوش ہوں روتے روتے — سیر کیسی تری کشتی کا تماشا کیسا

مے پیو شوق سے خالق ہے رحیم اور کریم — مے کشو خیر ہے اندیشۂ فردا کیسا

آشنا ذکر سے رہتی ہے فقط اپنی زباں — دوستانہ بھی کسی دوست سے شکوا کیسا

جائے آرام نہ دیکھی کبھی اس عالم میں
نہیں معلوم کہ ہے عالم بالا کیسا

نبض دیکھی تو حرارت سے جلے دست مسیح
تیرے بیمار محبت کا مداوا کیسا

نام چاہے تو نہاں ہو نظر عالم سے
گوشہ گیری سے ہوا شہرہ عنقا کیسا

آبلہ پائی و بے تابی و سرگردانی
اے جنوں گھر میں یہ ساماں ہو تو صحرا کیسا

کبھی دیوانہ الفت نہ تمہارا سمجھا
لوگ سمجھانے کو سمجھا چکے کیسا کیسا

شک نہیں اسمیں کہ ہو مصرعہ موزوں قد یار
پر کمر بیچ سے غائب ہے یہ سکتا کیسا

جوش وحشت ہمیں اس دشت میں لایا کہ جہاں
آہوئے قیس نہیں ناقۂ لیلےٰ کیسا

کہتے ہیں زلف مسلسل کی لکھو تو تعریف
دیکھیں اس فن میں ہے انکو ید طولیٰ کیسا

تری تصویر خیالی بھی نہ آئی مرے پاس
رہ گیا کھول کے آغوش تمنا کیسا

میرے لب تک نہیں آیا ابھی نالہ بھی امیر
زلزلے سے ہے یہ عالم تہ و بالا کیسا

پوچھا نہ جائے گا جو وطن سے نکل گیا
بیکار ہے جو دانت دہن سے نکل گیا

ٹھہریں کبھی کجی میں نہ دم بھر بھی راست رو
آیا کماں میں تیر تو سن سے نکل گیا

خلعت پہنکے آنے کی تھی گھر میں آرزو
یہ حوصلہ بھی گور و کفن سے نکل گیا

پہلو میں میرے دل کو نہ اے درد کر تلاش
مدت ہوئی غریب وطن سے نکل گیا

مرغان باغ تم کو مبارک ہو سیر گل
کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا

کیا رنگ تیری زلف کی بو نے اڑا دیا
کافور ہو کے مشک ختن سے نکل گیا

پیاسا ہوں اس قدر کہ مرا دل جو گر پڑا
پانی ابل کے چاہ ذقن سے نکل گیا

سارا جہاں نام کے پیچھے تباہ ہے
انسان کیا عقیق یمن سے نکل گیا

کانٹوں نے بھی نہ دامن گلچیں پکڑ لیا
بلبل کو ذبح کر کے چمن سے نکل گیا

کیا شوق تھا جو یاد سگ یار نے کیا
ہر استخواں تڑپ کے بدن سے نکل گیا

ہے سبزہ رنگ خط بھی بنا اتو بوسہ دے — بیگانہ تھا جو سبزہ چمن سے نکل گیا
منظورِ عشق کو جو ہوا اوجِ حسن پر — قمری کا نالہ سرو چمن سے نکل گیا
بد نظر رہی ہمیں ایسی رضائے دوست — کاٹی زبان جو شکوہ دہن سے نکل گیا
طاؤس نے دکھائے جو اپنے بدن کے داغ — روتا ہوا سحاب چمن سے نکل گیا
صحرا میں جب ہوئی مجھے خوش چشموں کی تلاش — کوسوں میں آہوانِ ختن سے نکل گیا
خنجر کھنچا جو میاں سے چمکا میان صاف — جوہر کھلے جو مرد وطن سے نکل گیا

یہ شعر پڑھ کے بزم سے کیا اٹھ گیا امیر
بلبل چہک کے صحنِ چمن سے نکل گیا

وعدہ نہیں ہے حشر کے دن کس سے دید کا — حصہ ابھی سے بانٹ رہے ہیں وہ عید کا
اللہ رے انقلاب جہانِ پلید کا — خونِ حسینؑ غازہ ہے روئے یزید کا
قاتل کے کان تک نہیں پہنچی ابھی فغاں — کیوں تیغ نے گلے کو دیا خطِ رسید کا
کچھ لے گئے ہیں زاغ و زغن کچھ سگ و ہما — لاش اپنی بعد مرگ ہے توشہ فرید کا
کہدے کوئی حسینوں سے دل بچتا ہو نہیں — آئے جسے جسے ہو ارادہ خرید کا
ہاں اے کلید دار قضا کھول قفلِ بخت — کچھ اسمیں گھس نہ جائیگا ناخن کلید کا
کشتوں کا کھیت کاٹ کے کھتی ہے تیغ یار — جامہ بھی یہ قطع ہے قطع و برید کا
کیا جانتا ہے کوئی فقیری کا مرتبہ — دل نام پیر عرش لقب ہے مرید کا
پوچھوں نہ حال خلق رقیبِ سیاہ رو — بگڑا ہوا خمیر ہے خاک یزید کا
کیا جانے رہروؤں کا ہوا کیا عدم میں حال — ابتک تو ایک نے نہ لکھا خط رسید کا
اے ترک تیرے رعب نے ایسا دبا دیا — اُچھلا نہ خون حشر کے دن بھی شہید کا
دوزخ میں ڈالے جائینگے جس روز نبت پرست — ناقوس غل مچائے گا اہل من یزید کا
دل میرا اُسکے روئے مخطط نے چھین کر — جھوٹا بنا لیا ہے قبالہ خرید کا

اب کی بہار سے مجھے آتی ہے بوئے خوں
آیا ہے لالہ بھیس بدل کر شہید کا

کیونکر کھنچوں نہ میں طرفِ قربِ حق امیر
پھندا مرے گلے میں ہے حبل الورید کا

آئے جسے ہو شوقِ تجلی کی دید کا
ہے کوہ طور ڈھیر تمہارے شہید کا

آنکھیں ہیں اور لطف ہے اب اُس کی دید کا
برسوں جو آفتاب رہا چاند عید کا

دو وہ شبِ فراق کا نقاش مجھ سے لے
نقشہ جو کھینچنا ہو بعینہ یزید کا

مسجد سے سوئے میکدہ اے شیخ یوں نہ دیکھ
بالائے طاق ہو نہ عقیدہ مرید کا

کیسی سزا کہ رعب سے قاتل کے روز حشر
نالہ گلے میں پھنس کے نہ نکلا شہید کا

کھینچا نہ ہاتھ قتل سے قاتل نے شام تک
تکبیر کہتے کہتے کٹا روز عید کا

آئے تو دو بہار یہ دونوں ہیں رہن مے
خرقہ نہ پیر کا ہے نہ جبہ مرید کا

حیرت نے کر دیا ہمیں تصویر پیشِ یار
اٹھا ذرا نہ ذائقہ گفت و شنید کا

وہ یاد ابن ساقی کوثر میں ہیں یوں
شامی کباب بھن کے جگر ہو یزید کا

پیری میں مجھ سے خنجر قاتل گلے ملا
دیکھا ہے چاند تیسری تاریخ عید کا

عکسی شبیہیں کھینچئے رخسار یار کی
یہ بھی تو چھاپنا ہے کلام مجید کا

ہم منتظر کہ لائے وہاں سے جواب خط
بھیجا ہے نامہ بر نے خط اپنی رسید کا

اس غمکدے میں کٹ گئی یوں اپنی زندگی
قیدی پہ جیسے روز گذر جائے عید کا

پوچھو نہ کچھ مرے دل زخمی کا مجھ سے حال
انشا قتیل کی ہے یہ دیواں شہید کا

کس دن نہیں ہیں چار گدا چار میہماں
رزق اپنا اے امیر ہے توشہ فرید کا

مجھکو محب سمجھ کے حسین شہید کا
کرتا ہے ننگ قافیہ تک بھی یزید کا

یہ شوق ہے جو خلق کو قاتل کی دید کا
جائے شہاب خون بکے گا شہید کا

ہوتے ہیں تر پسینے سے آغوش میں حسیں
پھولوں سے مجھکو ڈھب ہے عرق کی کشید کا

اتراتے ہیں جو لوگ پہن کر لباس نو
ہنستا ہے چاک پیرہن صبح عید کا

بت نیکے وقت نزع نہ بالیں پہ میرے بیٹھے
ہوتا ہے آج خاتمہ گفت و شنید کا

ثابت ہوا عدم کو مسافر یہ پہنچ گیا
تعویذ قبر پہ نہیں خط ہے رسید کا

کرتا ہے مثل چرخ زمانہ بھی پائمال
مسلک جو پیر کا وہ چلن ہے مرید کا

گردن تو کیا نہیں مرے اعضا کو خوف تیغ
بل ایک ایک رگ کو ہے حبل الورید کا

کھولینگے لات مار کے ہم میکدے کا در
پاپوش اپنی کام کرے گی کلید کا

کیسا جواب خط کہ ہوا نامہ بر کا خون
کاغذ پکارتا ہے یہ خط کی رسید کا

نازک ہے دل میں وعظ کی مجلس میں جاؤں کیا
دُرّہ ہے مجھکو ذکر عذاب شدید کا

پیر مغاں نے مجھ کو سنبھالا تو کیا ہوا
ہر پیر دستگیر ہے اپنے مرید کا

باطن میں غم ہے عشرت دنیائے ظاہری
پہنے ہوئے لباس محرم ہے عید کا

مہندی کی ٹٹیاں نہیں پر میرے باغباں
کیوں ان پہ ہاتھ صاف ہو قطع و برید کا

فاقے سے ہوں تو صاحب غیرت نہ رخ کریں
دعوت خلیل کی ہو کہ توشہ فرید کا

اٹھ اٹھ کے بیٹھنے سے ہوئے کشتہ ہم امیر
خنجر پھرا گلے پہ ملاقات عید کا

ہے دلکو شوق اُس بت قاتل کی دید کا
ہولی کا رنگ جس کو لہو ہے شہید کا

مژدہ ہو میکشو کہ ہوا چاند عید کا
محتاج قفل میکدہ تھا اس کلید کا

یارب رہے وہ چاہ ذقن خط سے حفظ میں
گھیرے نہ اس فرات کو لشکر یزید کا

جی چاہے جس حسیں کا وہ لے ہمسے جنس دل
سرمایہ کریم ہے توشہ فرید کا

دنیا پرست کیا رہ عقبیٰ کریں گے طے
نکلے گا خاک گھر سے قدم زن مرید کا

وہ مست ہوں کہ میں نے شب قدر کی دعا
مہ ذرے تمام ہوں کہیں دن آئے عید کا

کس گلبدن نے ہاتھ سے سہرہ لگا دیا
پھولوں کی سیج ہے جو جنازہ شہید کا

ہونے نہ پائے غیر بغل گیر یار سے
اللہ یوں ہی روز گذر جائے عید کا

اپنی کہیں کہ اُسکی سنیں وقت نزع ہم
دردا کہ وقت تنگ ہے گفت و شنید کا

سارا حساب ختم ہوا حشر ہو چکا
پوچھا گیا نہ حال تمہارے شہید کا

بک بک کے روز کھاتے ہیں واعظ مرا دماغ
سمجھے ہیں شاید اسکو بھی توشہ فرید کا

لوٹے گی لذتِ لب شیریں مری زباں
قفل دہن پر اُسکے ہے دانت اس کلید کا

شیطاں کبھی رقیب سے ہوتا نہیں جدا
اُلٹی ہے بات پیر ہے پیرو مرید کا

ضائع نہ جائے دل پہ جو کھایا ہے داغ غم
یارب چراغ ہو کسی قبر شہید کا

جا کر سفر میں بھول گئے ہم کو وہ امیر
ہاں اور دوستوں نے لکھا خط رسید کا

اللہ رے بکر صاحب تجمل شدید کا
گاڑے تو زر مزار بنائے شہید کا

گردن کو تیغ سے نہیں رشتہ بعید کا
ڈورا جو باڑھ کا ہے وہ حبل الورید کا

اُس کوچے کے گدائے تہیدست ہیں وہ ہم
رضواں سے ہے ارادہ جناں کی خرید کا

کرتی ہیں دلکو خون اُن آنکھوں کی پتلیاں
ان بچھوں کو ذوق ہے مے کی کشید کا

ہو اُس سے بوسۂ لب شیریں کی کیا امید
شربت پہ فاتحہ بھی نہ دے جو شہید کا

خط عذار یار کا کیا وصف کیجئے
نوروز کا یہ زائچہ خطبہ ہے عید کا

باتیں مری سنیں تو یہ منہ پھیر کر کہا
تار اس کمند میں نہیں دل کی کشید کا

صحرا و کوہ کشتۂ الفت کہاں نہیں
ہر لالہ ہے چراغ مزار شہید کا

لیتی ہے بوسے عارض محبوب کے وہ زلف
کافر کو بھی ادب ہے کلام مجید کا

حجام میرے دل کا دکھا دے جو آئینہ
اُنسے زیادہ دوں اُنھیں انعام عید کا

کندن سا رنگ یار دکھائے جو رخ ہو زرد
زر سے ارادہ چاہیئے زر کی کشید کا

کتنا ہے سخت قلب رقیب سیاہ رو ۔ نطفہ یہ شمر کا ہے کہ بچہ یزید کا

مقتل سے کم نہیں ہے قلمداں مرا امیرؔ
ہر کلک ہے گلوئے بریدہ شہید کا

خط عارض نے دلِ اہل رقم توڑ دیا ۔ بیت ابرو نے ہلالی کا قلم توڑ دیا
اس کڑی کا تحمل تھا کہاں شیشۂ دل ۔ وہ کہی بات کہ دل تو نے صنم توڑ دیا
اہل محشر یہ ہے احساں ترے دیوانے کا ۔ سر کو ٹکرا کے در باغ ارم توڑ دیا
باندھتے غیر کو جوڑا ترا ہم دیکھ سکیں ۔ رشتۂ الفت کا ترے سر کی قسم توڑ دیا
دل نے اک آہ میں نابود کیا انجم کو ۔ سب جھٹا کھینچ کے شمشیر دودم توڑ دیا
حکم ہے یہ کہ نہ آئے کوئی دروازے پر ۔ آسرا تو نے غریبوں کا صنم توڑ دیا

صفحۂ دہر پہ صورت گر قدرت نے امیرؔ
اس کی تصویر وہ کھینچی کہ قلم توڑ دیا

ہمسر زلف قدِ حور شمائل ٹھہرا ۔ لام کا خوب الف مد مقابل ٹھہرا
دیدۂ تر سے جو دامن میں گرا دل ٹھہرا ۔ بہتے بہتے یہ سفینہ لب ساحل ٹھہرا
کی نظر روئے کتابی پہ تو کچھ دل ٹھہرا ۔ مکتب شوق بھی قرآن کی منزل ٹھہرا
نکہتِ گل سے پریشان ہوا اسکا دماغ ۔ خندۂ گل نہ ہوا شور عنادل ٹھہرا
نجد سے قیس جو آیا مرے زنداں کیطرف ۔ دیر تک گوش بر آواز سلاسل ٹھہرا
حسن جس طفل کا چمکا وہ ہوا باعث قتل ۔ جس نے تلوار سنبھالی مرا قاتل ٹھہرا
خط جو نکلا رخ جاناں پہ ملا بوسۂ خال ۔ یہی دانہ فقط اس کشت کا حاصل ٹھہرا
علم اک نقطہ جو مشہور تھا اے جوشِ جنوں ۔ غور سے کی جو نظر نقطۂ باطل ٹھہرا
دور جبتک تھے تڑپتا تھا میں کیسا کیسا ۔ پاس آکر جو وہ ٹھہرے تو مرا دل ٹھہرا
کثرت داغ سے گلدستہ بنا دل تو کیا ۔ زینت باغ نہ آرائش محفل ٹھہرا

دوڑ تا قیس بھی آتا ہو نہایت ہی قریب
اک ذرا ناقے کو اے صاحب محمل ٹھہرا

دم جو بیتاب تھا مدت سے مرے سینے میں
تیغ قاتل کے تلے کچھ دم بسمل ٹھہرا

ہم بڑی دور سے آئے ہیں تمہارا ہی یہ حال
گھر سے دروازے تک آنا کئی منزل ٹھہرا

ابتک آتی ہے صدا تربت لیلیٰ سے امیر
ساربان اب تو خدا کے لیئے محمل ٹھہرا

بیگانہ ہو کے سارے جہاں سے جدا ہوا
اے عالم آشنا جو ترا آشنا ہوا

سمجھے کفن نصیب جو بعد فنا ہوا
سرکار عشق سے ہمیں خلعت عطا ہوا

دریائے معرفت سے جو دل آشنا ہوا
ترک خودی سفینۂ اہل فنا ہوا

بخت سیہ نہ ضعف میں ہم سے جدا ہوا
قدِ خمیدہ حلقۂ زلفِ دوتا ہوا

میں مٹ گیا تو وہ بھی مرے ساتھ مٹ گیا
سایے سے خوب حق رفاقت ادا ہوا

پچھتا رہے ہیں خون مرا کر کے کیوں حضور
اب اس پہ خاک ڈالیئے جو کچھ ہوا ہوا

چالاکیاں تو دیکھو مجھے قتل کر کے خود
اوروں سے پوچھتے ہیں یہ کیا ماجرا ہوا

زائل ہوئی نہ بھیس بدلنے سے بوئے عشق
تصویر میں بھی رنگ ہے رخ سے اڑا ہوا

ہو دل کا سرد مہری معشوق سے یہ حال
جیسے درخت برف سے کوئی جلا ہوا

مرنے کے بعد کیسے پریشاں ہیں عضو تن
گویا ورق کتاب سے اپنے جدا ہوا

یاد کمر میں بھول گئی دل کو طرز آہ
کاسے میں اپنے بال پڑا بے صدا ہوا

جب سامنا ہوا دل عشاق کھنچ گئے
گیسو کا حلقہ بھی دہن اژدہا ہوا

یہ ضعف سے سبک ہوں کہ نقش قدم مرا
پڑتا تو ہے زمین پہ لیکن مٹا ہوا

آئینہ اس کو کس نے دکھایا غضب کیا
جلادِ خلق ایک تو تھا دوسرا ہوا

بوسہ طلب کیا تو یہ کہنے لگا وہ بت
قدرت خدا کی تم کو بھی یہ حوصلہ ہوا

خالی قدح دکھائے مجھے کیوں نہ دور سے
ساقی کا دل ہو میری طرف سے بھرا ہوا

شاید خط اُس ہتیلی کے حلقے تھے جال کے — آتے ہی قید طائر رنگ حنا ہوا
ڈھونڈھا نہ کب بہانہ مرے دل نے بہر رنج — ماتم کیا اگر کوئی روزہ قضا ہوا
چاہِ ذقن کو چاہ یہ مصر کیا کہوں — مضمون ہے یہ میری نظر سے گرا ہوا
ایسا نہ ہو کہ کوئی تجھے چھپ کے دیکھ لے — آئینہ دیکھ چار طرف دیکھتا ہوا
قاتل ستم ہے رشتۂ الفت کا توڑنا — یوں قتل کر کہ کچھ رہے تسمہ لگا ہوا
کشتے کی اپنے تجھ کو ہو اے ترک کچھ خبر — آتا ہے ساتھ ساتھ ترے لوٹتا ہوا
آٹھوں پہر ہے جلوۂ معشوق سامنے — ہے مدتوں سے بیچ کا پردہ اٹھا ہوا
انسان کی مرگ و زیست نہیں ہے کسی کے ہاتھ — آئے تو کیا جو آپ نہ آئے تو کیا ہوا
نامہ دیا تو اُس گلِ گلزارِ حسن تک — دم میں پہونچ گیا مرا قاصد ہوا ہوا

حُور آگئی نظر کہ پری کوئی دیکھ لی
سودا سا ہے امیرؔ کو کیا جانے کیا ہوا

فراقِ یار نے بیچین مجھ کو رات بھر رکھا — کبھی تکیہ ادھر رکھا کبھی تکیہ اُدھر رکھا
شکست دل کا باقی ہمنے غربت میں اثر رکھا — لکھا اہل وطن کو خط تو اک گوشہ کتر رکھا
برابر آئینے کے بھی نہ سمجھے قدر وہ دل کی — اسے زیرِ قدم رکھا اُسے پیش نظر رکھا
مٹائے دیدہ و دل دونوں میرے اشک خونیں نے — عجب یہ طفل ابتر تھا نہ گھر رکھا نہ در رکھا
تمہارے سنگ در کا ایک ٹکڑا بھی جو ہاتھ آیا — عزیز ایسا کیا مرکر اسے چھاتی پہ دھر رکھا
جناں میں ساتھ اپنے کیوں نہ لیجاؤنگا ناصح کو — سلوک ایسا ہی میرے ساتھ ہے حضرت نے کر رکھا
نہ کی کسنے سفارش میری وقت قتل قاتل سے — کماں نے ہاتھ جوڑے تیغ نے قدموں پہ سر رکھا
غضب یہ ہے وہ میرے آتے ہی معلوم ہوتا ہے — جگہ خالی جو پائی یار کو غیروں نے بھر رکھا
بڑا احساں ہے میرے سر پہ اُسکی لغزشِ پا کا — کہ اُس نے بے تحاشا ہاتھ میرے دوش پر رکھا
زمیں میں دانۂ گندم صفت میں ہم ہوئے گوہر — ہمارے عجز نے ہر معرکہ میں ہم کو دبا رکھا

ترے ہر نقش پا کو رہگذر میں سجدہ گہ سمجھے
جہاں تو نے قدم رکھا وہاں ہمنے بھی سر رکھا

امیر اچھا شگون مے لیا ساقی کی فرقت میں
جو برسا ابر رحمت جائے مے شیشوں میں بھر رکھا

جلانا چاہتی ہے جب کسی سرسبز گلشن کا
تو بجلی طوف کرجاتی ہے پہلے میرے خرمن کا

وہ ہوں جانباز مقتل پر گماں ہے مجھکو گلشن کا
ترانہ بلبلوں کا جانتا ہوں بولنا رن کا

ترا خنجر گلے پر غیر کے کیونکر نہ رک جائے
کہ یہ غمزہ تو اے سفاک حق ہے میری گردن کا

نہ پوچھو دیکھنے کا حال ہمنے کچھ نہیں دیکھا
کیا نرگس کی آنکھوں سے تماشا سارے گلشن کا

بہار آئی ہے اے دست جنوں یا عید آئی ہے
گریباں سے گلے ملنے چلا ہے چاک دامن کا

بصیرت ہو تو انساں رمز سمجھے چشم و مژگاں کی
لئے ہیں پتلیاں آنکھوں پہ پردہ تیری چلمن کا

کبھی کعبے کبھی بتخانے میں دیکھا جو تھا مجھکو
ہوا مجمع مرے تابوت پر شیخ و برہمن کا

میں اک پردہ نشین صاحب عصمت کا زخمی ہوں
مرے زخموں میں لازم صوف ہے یوسف کے دامن کا

دھڑی مسی کی ہونٹھوں پہ جمی ہے خیر ہو یارب
کرینگے سیر گلشن رنگ اڑیگا آج سوسن کا

یہ شمشیر قاتل کی طرف حسرت سے تکتا ہوں
وہ بسمل ہوں خبر سر کی نہ مجھکو ہوش گردن کا

بلوں کفار میں جا کر شکست کفر کی خاطر
بتوں کو توڑنا ہے بھیس بدلوں میں برہمن کا

تردد کیوں ہے یاروں کو کہاں گاڑیں کہاں تو ہیں
جہاں وہ پانوں رکھدیں ہے ٹھکانا میرے مدفن کا

نہ گل ہنستے نہ غنچے مسکراتے دونوں رو دیتے
تمہیں کو بلبلو آتا نہیں انداز شیون کا

لب جاں بخش پر مسی نہیں اسنے جمائی ہے
ہوا ہے چشمۂ حیواں میں پیدا پھول سوسن کا

ہلال و بدر دونوں میں امیر اسکی تجلّی ہے
یہ خاکہ ہے جوانی کا وہ نقشہ ہے لڑکپن کا

کھڑا ہوتا ہوں رستہ روک کر اس شوخ پرفن کا
وہ رہرو ہوں کہ آگا باندھتا ہے جا کے رہزن کا

خیال آیا جو ساقی اس صراحی دار گردن پہ
پڑا پھندا گلے میں گر گئی مے ڈھل گیا منکا

ہوئے پر شرم عصیاں حرز بازو ہو گئی مجھ کو سمٹ کر گنبد مدفن ہوا تعویذ مدفن کا
قدم یاں پھونک کر رکھتی ہے بجلی بھی جو آتی ہے ہنسی سمجھا ہے گلچیں پھونکنا میرے نشیمن کا
اٹھالوں سختیاں لاکھوں کڑی بات اٹھ نہیں سکتی میں دل رکھتا ہوں شیشے کا جگر رکھتا ہوں آہن کا
وہ مشتاق شہادت ہوں کمی جلاد اگر کرتا لگاتا تازیانہ بڑھ کے تسمہ میری گردن کا
تصور سے سمن رویوں کے یہ خالی نہیں رہتا ہمارا دل ہے یا کمرہ ہے کوئی کنج گلشن کا
مسی مالیدہ لب سے کی ہے کلی جس جگہ اُسنے قیامت تک اُگیگا اُس زمیں سے پھول سوسن کا
وہ محو درد الفت ہوں کہ مجھکو سیر گلشن میں چٹکنے میں ہے غنچوں کے مزہ بلبل کے شیون کا
کرم فرما جو ہوا ابر کرم میری زراعت پر بنے برق تجلی دانہ دانہ میرے خرمن کا
یہ کس گریاں کا ساقی میکدے میں دور آخر ہے کہ غل ہے میکشوں میں خاتمہ ہے آج ساون کا
بھلے پھولے چمن میں دفن کرنا چاہئے مجھکو کہ ہوں مارا ہوا اک نوجواں گلرو کے جوبن کا

امیر آیا نظر جب چودھویں کا چاند سمجھے ، ہم
کسی نقاش نے کھینچا ہے نقشہ اسکے جوبن کا

سیر اگر میرے یہ خانے کی موسیٰ کرتا جل کے خاموش چراغ ید بیضا کرتا
آبرو گرد یتیمی میں جو پیدا کرتا گوہر اشک کو میں آنکھ کا تارا کرتا
ہاتھ رکھے میں اٹھا زخم گلو پر دم حشر مجھسے ہوتا کہ میں جلاد کو رسوا کرتا
تو وہ بت ہے تری نخوت سے جو ہوتا آگاہ کبھی فرعون خدائی کا نہ دعویٰ کرتا
جب تلک گنبد دوار کا ہوتا اک دور گردشیں لاکھ ترا بادیہ پیما کرتا
نور آنکھوں میں نہیں نام کو نرگس کیطرح خاک اس گلشن ہستی کا تماشا کرتا
خط پشت لب جاں بخش نہیں جائے عجب خضر سے کیوں نہ ملاقات مسیحا کرتا
اے اجل دن ترے آنیکا جو ہوتا معلوم کچھ میں ساماں تری دعوت کا مہیا کرتا
غم اٹھانے کو بہت تھے ترے بندے یارب کیا کمی تھی اگر اک مجھ کو نہ پیدا کرتا

وہ جو امید بر آری پہ امیرؔ آجاتے
پہلے میں ترکِ تمنا کی تمنا کرتا

غبار اُس کے لبِ بام تک بلند ہوا
ہوائے تند کا جھونکا مجھے کمند ہوا

جہاں کسی کا دکھا دل میں درد مند ہوا
جلا میں آگ میں نالہ اگر سپند ہوا

کھلا ہے بابِ اجابت دعا تو کر غافل
درِ کریم سنا ہے کبھی کہ بند ہوا

برنگِ اشکِ ندامت گرا جو آنکھ سے میں
خدا کے سامنے رتبہ مرا بلند ہوا

گلا وہ ہے جو تری تیغ کو ہوا مقبول
جگر وہ ہے جو ترے تیر کو پسند ہوا

کیا دخورِ معاصی نے حوصلے کو یہ پست
کبھی نہ شرم سے دستِ دعا بلند ہوا

یہ دل مرا ہے کہ جس میں خیالِ یار ہے نقش
کبھی سنا ہے کہ عکس آئینے میں بند ہوا

کیا قبول نہ گل نے مرے گریباں کو
کبھی نہ خار کو دامن مرا پسند ہوا

تمہاری آنکھ کی دوری نے دل مرا کھینچا
نہالِ تاک کا ریشہ اسے کمند ہوا

چھڑک کے آئی وہ زلفِ سیاہ پر افشاں
شبِ وصال ستارہ مرا بلند ہوا

نہ پوچھ الفتِ خالِ سیاہ کا باعث
پسند اپنی ہے مجھ کو یہی پسند ہوا

کوئی حسین نظر آیا بنا میں عاشقِ زار
جو گرمِ ناز ہوا میں نیازمند ہوا

مزہ بلا سگِ جاناں کو استخواں کھا کر
ہزار شکر کہ ہدیہ مرا پسند ہوا

برنگِ شمع جلایا یہ سوزِ الفت نے
کہ شعلہ آگ کا سر سے مرے بلند ہوا

کھلا جو یار کا جوڑا تو دل کھنچا میرا
بڑھا جو گیسوئے جاناں مجھے کمند ہوا

لکھا تھا خط میں جو حال اپنی چشمِ حیراں کا
ہزار بند لفافہ کیا نہ بند ہوا

امیرؔ پائے طلب جب سے توڑ کر بیٹھے
کبھی نہ ہاتھ سوئے اغنیا بلند ہوا

نکالیں گے نہ شمشیرِ براں حوصلہ دل کا
دہانِ زخم سے ہم چوم لیں گے ہاتھ قاتل کا

تڑپنے میں دکھا جاتی ہے کچھ انداز بسمل کا / جگر کھایا ہے جوہر کا رقانے بھی تیغ قاتل کا

عجب کیا ہے اگر گردوں تہ یک ستوں سے کھنچتا ہے / محلہ چھوڑ دے عشاق جو ہمسایہ ہو سائل کا

سفر میں یاد اسکے مصحف عارض کی ایسی ہے / کہ ہر منزل پہ دھوکا ہے مجھے قرآں کی منزل کا

بھرا کشتوں سے کیونکر دامن مقتل میں حیراں ہوں / نہیں نکلا ابھی تک آستیں سے ہاتھ قاتل کا

یقیں ہے دیکھتا عالم یہیں سے شکل حور رنگی / در جنت میں آئینہ اگر ہوتا مرے دل کا

کیا تو آب دانہ ترک راہ عشق میں لیکن / بہت دشوار روزہ رکھ کے طے کرنا ہے منزل کا

فساد اس ترک کو عشاق میں مد نظر ٹھہرا / نئی سوجھی گلا بسمل سے کٹواتا ہے بسمل کا

بھلا کر مانگ کی الفت کیا برباد آنکھوں نے / ٹھگوں نے مجھکو مارا راستہ بھٹکا کے منزل کا

نہو جبتک کہ حکم اسکا کرے وہ قتل کیا ممکن / کہ عزرائیل اک جلّاد ہے سرکار قاتل کا

حسینوں کا گھٹایا رتبہ ایسا حسن نے تیرے / گماں مجنوں کو ہے اب خیمہ لیلےٰ پہ محمل کا

اثر ہے ناتوانی کا یہاں تک بعد مرنے کے / کہ رستم بنتے بنتے زال بنجائے مری گل کا

لگا خنجر جو سینے پر ہوئے کیا کیا رہا قیدی / ہزاروں حسرتیں نکلیں جو دروازہ کھلا دل کا

مدد اے سخت جانی ذبح کرنیکو وہ بیٹھا ہے / کوئی دم اور چھاتی سے لگا لوں پانوں قاتل کا

رہِ الفت میں بے آبی ذقن کی دلکو آفت ہے / مسافر کی قضا ہے چاہ گر ہو خشک منزل کا

امیر ایسا کیا بیتاب شوق قتل نے میرے
کہ ہے اس ترک کے خنجر پہ عالم مرغ بسمل کا

تری گردن پہ ہوگا خون حسرتہائے بسمل کا / نگاہِ یاس بس کر دل بھر آتا ہے قاتل کا

نشاں اے نامہ بر کیا پوچھتا ہے قصر قاتل کا / لگا ہے آئینہ ہر ایک در میں چشم بسمل کا

فرشتوں پر عیاں ہے سحر اس زہرہ شمائل کا / خطِ چاہِ ذقن ہے یا دھواں ہے چاہ بابل کا

مزاج ایسا تڑپنے سے ہے برہم میرے قاتل کا / چھری دیکھ کے پھڑکتا ہے بازو مرغ بسمل کا

عجب کیا تن پہ میرے زخم دامن دار کا ہونا / اڑایا ڈھنگ چاک آستیں نے دست قاتل کا

ٹھہریں اک ذرا دم لینے دو پھر لڑ جھگڑ لینا
ابھی تو میں تھکا ماندہ چلا آتا ہوں منزل کا

الگ یاروں سے ٹھہلاؤ بلایا ہے جو غیروں کو
جدا دفتر سے رہنا چاہیئے افراد باطل کا

زباں پر تذکرہ اُس تیغ ابرو کا جو ہے ہر دم
صدا میری کہ نالہ ہے گلوئے مرغ بسمل کا

ضعیف ایسا کیا ہے سختیٔ راہ محبت نے
کہ چلنا دو قدم کرنا ہے طے دو لاکھ منزل کا

وہ گریاں ہوں رہے بے آب خود دلبر زیبائی سے
بنائیں کاسہ گر کاسہ اگر کوئی مری گل کا

جوانی میں نہ کر غفلت سفر کرنا ہے پیری میں
مسافر رات سے کرتا ہے ساماں دن کی منزل کا

الٰہی بعد مردن بھی رہے مشقِ ستم مجھ پر
لگائیں تیر جب تو وہ بنائیں دھری گل کا

کسی نے لفظ رخ بے نقطہ کب عالم میں دیکھا ہے
نہ ہوتا کس طرح نقطہ رخ محبوب پر تل کا

جو پھیری آنکھ غیروں سے تو اُٹھا لطف یاروں کو
تمہاری سرد مہری نے جمایا رنگ محفل کا

ترقی حد سے بڑھ جائے تو ہوتا ہے زوال آخر
سوا ہے ایک شب ۔ سے کب زمانہ ماہ کامل کا

وہ ہے خونریز عالم تو جو رکھ دے ناز سے انگلی
تو عالم مرغ بسم اللہ میں ہو مرغ بسمل کا

کڑی اتنی نہ کر رسوا کرے گی کیا قیامت میں
کہیں اے سخت جانی ہاتھ چھوٹا ہو نہ قاتل کا

الٰہی اشک بھر آتے تھے اُنکی سرد آہوں پر
تڑپنا کسطرح دیکھا گیا اُن سے مرے دل کا

نئی معراج پائی ہے غبار گور مجنوں نے
بگولا جو اُٹھا تھا بنا لیلےٰ کے محمل کا

امیر اتنا ہوا ثابت کشاکش سے محبت کی
مسافر کو لیے جاتا ہے کھینچے شوق منزل کا

اُس کی چلمن سے نہ عاشق کو جدا رہنا تھا
زد پہ تیرِ نگہ ناز کے آ رہنا تھا

سرخروئی تھی جو منظور تو مانند حنا
دل کو اس شوخ کے قدموں سے لگا رہنا تھا

ہو گیا بند در میکدہ کیا قہر ہوا
باب توبہ کی طرح اُس کو کھلا رہنا تھا

شوق پابوس حسیناں جو تجھے تھا اے دل
نقش پا بن کے سر راہ پڑا رہنا تھا

چشم نرگس نہ ملی دیدۂ آہو نہ ملا
اے حیا تجھکو انھیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا

بھولنا تھا نہ بہارِ چمن ہستی پر — رنگ سے بو کی طرح گل کو جدا رہنا تھا
آئے بتخانہ سے کعبے کو تو کیا بھر پایا — جا پڑے تھے تو وہیں ہم کو پڑا رہنا تھا
ملکے عالم سے ہوا اور ہی عالم اپنا — اپنے عالم میں ہمیں سب سے جدا رہنا تھا
تھی اگر برق تجلی کو نمائش منظور — بن کے شوخی تری چتون میں بنا رہنا تھا
کیوں گیا کوچہ گیسو میں جو آفت میں پھنسا — میرے دل کو مری چھاتی سے لگا رہنا تھا
تیغ اس کی جو رہے مجھ سے کشیدہ تو رہے — دامنِ یار کو مجھ سے نہ کھنچا رہنا تھا
شاید اس ترک کے توسن ہی کو رحم آجاتا — نیم جانوں کو سرِ راہ پڑا رہنا تھا
لن ترانی ارنی گو کو بھی کہنا تھا ضرور — عشق کو حسن کے پردے میں چھپا رہنا تھا
تھا اگر فتنہ محشر کو دو بالا ہونا — قامتِ یار کے سائے میں پڑا رہنا تھا
شل ہوئے مثل عصا محتسب شہر کے پانوں — دستِ ساقی میں صراحی کا گلا رہنا تھا

ساز تھا مجھ سے جو آہِ دلِ سوزاں کو امیر
ابرِ غم بن کے مری گور پہ چھا رہنا تھا

کچھ نہ پوچھو دلربا مجھ سے جدا کیونکر ہوا — دیکھو دل سا آشنا نا آشنا کیونکر ہوا
آشکارا رازِ حسنِ کبریا کیوں کر ہوا — رہ کے سو پردوں میں عالم آشنا کیونکر ہوا
اے مسیحا میرے دشمن ہوں شفا سے ناامید — تو سلامت درد میرا لا دوا کیوں کر ہوا
وجہِ حیرت اہلِ دنیا میں ہو اپنا حالِ دل — ایسے بیدردوں میں یہ درد آشنا کیونکر ہوا
ہوش میں آ بد حواس اتنا نہ ہو روتا ہے کیوں — نامہ بر قصہ بیاں کر کیا ہوا کیوں کر ہوا
اپنا بندہ بھی مجھے کہتا ہے پھر محتاج بھی — تجھ سے شاہنشاہ کا بندہ گدا کیونکر ہوا
ناز اٹھایا میں نے پالا میں نے حضرت کون ہیں — دل اگر میرا نہیں ہے آپ کا کیونکر ہوا
پوچھے قاتل زبانِ تیغ سے سب سرگذشت — کشتے کس منہ سے بتائیں کیا ہوا کیونکر ہوا
جیتے جی برسوں میں تڑپا تب نہ لی تم نے خبر — مر گئے پر پوچھتے ہو کیا ہوا کیوں کر ہوا

میں نہ مانوں گا کہ دی اغیار نے ترغیبِ قتل
دشمنوں سے دوستی کا حق ادا کیونکر ہوا

خط لکھا تھا میں نے میرے ہاتھ کرنے تھے قلم
نامہ بر میرا سزاوارِ سزا کیونکر ہوا

لوٹنا دیکھا نہیں جاتا ہے ہو نرم دل
ذبح کرتے وقت اتنا جی کڑا کیونکر ہوا

دل اگر ہے صاف کچھ مشکل نہیں دیدارِ یار
دیکھ تو آئینہ صورت آشنا کیونکر ہوا

میں نہ مانوں گا یہ آئینے کا ہے سارا قصور
خود بخود وہ خود پسند و خود نما کیونکر ہوا

اُس نے کھینچی تیغ یاں سر جھک گیا قصہ مٹا
خلق یہ کیوں پوچھتی ہے ماجرا کیونکر ہوا

چاٹتی ہے کیوں زبانِ تیغِ قاتل بار بار
بے نمک چھڑکے یہ زخموں میں مزا کیونکر ہوا

داورِ محشر کو بھاتی میری اسکی چھیڑ چھاڑ
چھیڑ کر پوچھا مکرر کیا ہوا کیونکر ہوا

الفتِ گیسو بلا تھی مرگیا پھنس کر امیر
ہے بڑا جھگڑا نہ پوچھو فیصلا کیونکر ہوا

کوئی دم پیکاں نہ ٹھہرا دل میں تیرے تیر کا
رہ گیا کیا کیا پھڑک کر دم ترے نخچیر کا

وقتِ صید آیا تصوّر جب قضا کے تیر کا
چل دیا صیاد چھپا چھوڑ کر نخچیر کا

زخمِ دل ہم کو پتا دیتے ہیں تیرے تیر کا
دام ہے نقشِ قدم بھاگے ہوئے نخچیر کا

مجھ سے وحشی کا کھنچے مانی سے نقشہ خجل کیا
رنگ صفحے پر نہیں جمتا مری تصویر کا

ہوں وہ مجنوں جھاڑتا ہوں اُٹھ کے میں یا سرا صبح
رستہ جاروبِ مژہ سے کوچۂ زنجیر کا

جب تھکا گردوں مرے دل نے اُٹھایا بارِ عشق
بوجھ سر پر رکھ لیا اس نوجواں نے پیر کا

ہوں وہ مشتاقِ شہادت دیکھ کر میری تڑپ
صورتِ بسمل پھڑک جاتا ہے دم شمشیر کا

رات دن پہلو میں ہے کوئی نہ کوئی سیم تن
جذبِ دل اپنا بھی نسخہ ہے کوئی اکسیر کا

دشتِ وحشت میں چبھے ہیں خار ایسے ہر قدم
پانوں شانہ بن گیا ہے گیسوئے زنجیر کا

جو وسیلہ غیر کا ڈھونڈھے نہ ہو کیونکر خراب
حال ہوتا ہے پریشاں خاکِ دامنگیر کا

اہلِ دولت سے سوا ہے صاحبِ جرأت کی قدر
سیم و زر سے تیز ہے نرخ آہن و شمشیر کا

حشر میں پائیگا خوش چشموں کی ایذا سے سزا ‏ پوست کھنچا جائے گا صیاد آہو گیر کا
پھونکتی ہے مجھ کو اس گیسوئے افشاں کی چمک ‏ دل ہے پروانہ چراغ خانۂ زنجیر کا
تو وہ ہے ناوک فگن تیرا بہک جائے جو ہاتھ ‏ آپ اڑ کر تھام لے نخچیر پلہ تیر کا
حلقۂ گیسو میں پائی نقد دل دیکر جگہ ‏ دے دیا پہلے کرایہ خانۂ زنجیر کا

کس پری کی زلف سے تشبیہ اسکو ہے امیر
سلسلہ پہنچا کہاں جا کر مری زنجیر کا

ظالموں کو بھی ہوا ماتم تری نخچیر کا ‏ روتی ہے منھ پر کماں رکھ رکھ کے پلہ تیر کا
عارضِ تاباں ہے شعلہ نالۂ شبگیر کا ‏ گیسوئے پیچاں دھواں ہے خانۂ زنجیر کا
آئینہ سکتے میں آجاتا ہے مجھ کو دیکھ کر ‏ منھ تکا کرتی ہے حیرانی مری تصویر کا
سینہ مجروح مژہ ہے دل ہے ابرو سے دو نیم ‏ وار مجھ پر تیر سے بڑھ کر پڑا شمشیر کا
طوق مجنوں کی گرانی کیا نگاہوں پر چڑھے ‏ ایک حلقہ ہو میری اتری ہوئی زنجیر کا
توڑ کر سینے کو کاٹا ہے تری مژگاں نے دل ‏ توڑ اسمیں تیر کا ہے کاٹ ہے شمشیر کا
کیا حقیقت دو جہاں کی وسعتِ دل کے حضور ‏ لامکاں اک مختصر گوشہ ہے اس تعمیر کا
کچھ دمِ آخر نہ اٹھا سخت جانی کا مزہ ‏ پاس مجھ کو آگیا قاتل تری شمشیر کا
کیوں ہجومِ خلق ہوگا حشر میں حیران ہوں ‏ کیا جنازہ آئے گا واں عاشقِ دلگیر کا
رنگ لایا جوشِ وحشت عشق چشمِ یار میں ‏ نرگسِ شہلا ہے ہر حلقہ مری زنجیر کا
یاد دلوائی ہے کیا کیا ہائے بجلی کی تڑپ ‏ بے تکلف وہ اگل پڑنا تری شمشیر کا
اس قدر لکھی مری تقدیر کی برگشتگی ‏ گھس کے الٹا ہو گیا خط خانۂ تقدیر کا
گرم بازارِ تجلی تیری باتوں سے ہوا ‏ لَو ہے شمعِ طور کی شعلہ تری تقریر کا
مر گیا دیوانہ کل تو حسرت سے کہا ‏ آج کیا ویراں نظر آتا ہے گھر زنجیر کا
تھا کسی کی ابروئے خمدار کا یہ انتظار ‏ دیدۂ جوہر میں اٹکا آ کے دم شمشیر کا

گرد بادِ آسا ازل سے ہوں میں وہ وحشی امیرؔ
خاک غربت سے بنا خاکا مری تصویر کا

صاف کہتے ہو مگر کچھ نہیں کھلتا کہنا
بات کہنا بھی تمہارا ہے معمّا کہنا

رد کے اُس شوخ سے قاصد مرا رونا کہنا
ہنس پڑے اس پہ تو پھر حرفِ تمنا کہنا

مثلِ مکتوب نہ کہنے میں ہے کیا کیا کہنا
نہ مری طرزِ خموشی نہ کسی کا کہنا

اور تھوڑی سی شبِ وصل بڑھا دے یارب
صبح نزدیک ہمیں اُن سے ہے کیا کیا کہنا

پھاڑ کھاتا ہے جو غیروں کو جھپٹ کر سگِ یار
میں یہ کہتا ہوں مرے شیر ترا کیا کہنا

ہر بنِ موئے مژہ میں ہیں یہاں سو طوفاں
عین غفلت ہے مری آنکھ کو دریا کہنا

وصفِ رخ میں جو سنے شعر وہ سنکر بولے
شعر ہیں نور کے ہے نور کا تیرا کہنا

لا سکو گے نہ ذرا جلوۂ دیدار کی تاب
ارنی منھ سے نہ اے حضرتِ موسیٰ کہنا

کر لیا عہد کبھی کچھ نہ کہیں گے منھ سے
اب اگر سچ بھی کہیں تم ہمیں جھوٹا کہنا

خاک میں ضد سے ملاؤ نہ مرے آنسو کو
سچے موتی کو مناسب نہیں جھوٹا کہنا

کیسے نادان ہیں جو اچھے کو بُرا کہتے ہیں
ہو بُرا بھی تو اُسے چاہئے اچھا کہنا

دمِ آخر تو بتو یاد خدا کرنے دو
زندگی بھر تو کیا میں نے تمہارا کہنا

پڑھتے ہیں دیکھ کے اس بُت کو فرشتے بھی درود
مرحبا صلِ علیٰ صلِ علیٰ کیا کہنا

اے بتو تم جو ادا آ کے کرو مسجد میں
لبِ محراب کہے نامِ خدا کیا کہنا

اُن حسینوں کی جو تعریف کرو چڑھتے ہیں
سچ تو یہ ہے کہ بُرا ہے انھیں اچھا کہنا

شوق کعبے لیے جاتا ہے ہوس جانبِ دیر
میرے اللہ بجا لاؤں میں کس کا کہنا

سارے محفل کو اشاروں میں لٹا دیتے جان
سیکھ لو چشمِ سخن گو سے لطیفا کہنا

گھٹتے گھٹتے میں رہا عشق کمر میں آدھا
جانہ تن کو مرے چاہیے نیما کہنا

میں تو آنکھوں سے بجا لاتا ہوں ارشاد حضور
آپ سنتے نہیں کانوں سے بھی میرا کہنا

چستیِ طبع سے اُستاد کا ہے قول امیر
ہو زمیں سست مگر چاہیئے اچھا کہنا

قدومِ قاصدِ جاناں سے فخرِ خانہ ہوا
قدمِ رسول مرا سنگِ آستانہ ہوا

حسد سے طرۂ مضموں مرا یگانہ ہوا
عدو کے خندۂ دنداں نما سے شانہ ہوا

بہانہ جو ہے خدائے غفور کی رحمت
بہے جو نزع میں آنسو اُسے بہانہ ہوا

ریاضِ دہر میں پوچھو نہ میری بربادی
برنگِ بو اِدھر آیا اُدھر روانہ ہوا

کمانِ حسن نہ تھی آشنائے تیرِ ادا
کہ ناوکِ غمِ الفت کا میں نشانہ ہوا

خدا کی راہ میں دنیا ہے گھر کا بھر لینا
ادھر دیا کہ اُدھر داخلِ خزانہ ہوا

ہوا نہ غیر کا احسان پسِ فنا صد شکر
غبار اُڑ کے سرِ قبر شامیانہ ہوا

پڑا جو سایۂ گیسو تو وہ کمر لچکی
ڈھلا جو کاندھے سے آنچل تو دو شانہ ہوا

نشانِ غیر کہاں صید گاہِ وحدت میں
پڑا ہدف پہ بھی تو تیر ہی نشانہ ہوا

جنوں کا جوش گھٹا تھا کہ بوئے گل آئی
سمندِ ہوش رکا تھا کہ تازیانہ ہوا

گھڑی بھر ایک طرح پر اسے قرار نہیں
مزاجِ یار بھی حق میں مرے زمانہ ہوا

ہجومِ رنج ہے دینار داغ بٹتے ہیں
جگر کا چاک نہ ٹھہرا درِ خزانہ ہوا

یہ بد حواس کیا شوقِ جبہہ سائی نے
کہ سنگِ راہ مجھے سنگِ آستانہ ہوا

زمیں اٹھائی یہ نالوں نے سر پہ وقتِ سجود
بلند بام سے وہ سنگِ آستانہ ہوا

پتا امیر کا منزل میں گور کے بھی نہیں
یہاں سے آگے الٰہی کدھر روانہ ہوا

امیر لاکھ اِدھر سے اُدھر زمانہ ہوا
وہ بت وفا پہ نہ آیا میں بے وفا نہ ہوا

سرِ نیاز کو تیرا ہی آستانہ ہوا
شراب خانہ ہوا یا قمار خانہ ہوا

ہوا فروغ جو مجھ کو غمِ زمانہ ہوا
پڑا جو داغ جگر میں چراغ خانہ ہوا

امید جا کے نہیں اس گلی سے آنے کی
برنگ عمر مرا نامہ بر روانہ ہوا

ہزار شکر نہ ضائع ہوئی مری کھیتی
کہ برق و سیل میں تقسیم دانہ دانہ ہوا

قدم حضور کے آئے مرے نصیب کھلے
جواب قصر سلیماں غریب خانہ ہوا

ترے جمال نے زہرہ کا دور دکھلایا
ترے جلال سے مریخ کا زمانہ ہوا

کوئی گیا در جاناں پہ ہم ہوئے پامال
ہمارا سر نہ ہوا سنگ آستانہ ہوا

فروغ دل کا سبب ہو گئی بجھی جو ہوس
شرار کشتہ سے روشن چراغ خانہ ہوا

جب آئی جوش پہ میرے کریم کی رحمت
گرا جو آنکھ سے آنسو دُرِ یگانہ ہوا

حسد سے زہر تنِ آسماں میں پھیل گیا
جو اپنی کشت میں سرسبز کوئی دانہ ہوا

چُنے مہینوں ہی تنکے غریب بلبل نے
مگر نصیب نہ دُو روز آشیانہ ہوا

خیال زلف میں چھائی یہ تیرگی شب ہجر
کہ خال چہرۂ زنگی چراغ خانہ ہوا

یہ جوش گریہ ہوا میرے صید ہونے پر
کہ چشم دام کے آنسو سے سبز دانہ ہوا

نہ پوچھ ناز و نیاز اُس کے میرے کب سے ہیں
یہ حُسن و عشق تو اب ہو اُسے زمانہ ہوا

اُٹھائے صدمے پہ صدمے تو آبرو پائی
امیر ٹوٹ کے دل گوہر یگانہ ہوا

کس تزک سے دھیان آیا اُس رُخ پر نور کا
آ گئے آگے سیکڑوں اِکا تھا شمع طور کا

مل گیا بوسہ جو اُس کے عارضِ پر نور کا
ہم یہ سمجھے پھول ہاتھ آیا نہال طور کا

رنگ داغوں میں مرے پیدا ہوا ناسور کا
اب کلیجا ہو گا ٹھنڈا مرہم کافور کا

رفتہ رفتہ راہ پر لانا ہے واعظ کو ضرور
لے چلوں شربت بنا کر نذر کو انگور کا

آدمی کیا فردوس کو رضواں میں نازک طبع ہوں
ناز اُٹھیں گے نہ غلماں کے نہ غمزہ حور کا

ہر قدم پر وادیٔ وحشت میں کہتا ہے یہ دل
المدد اے شوق منزل ہے ارادہ دور کا

کس قدر کھینچی مشقت کوہکن نے عشق میں
کچھ نہ دے شیریں پہ شہزادے دل غم آزردہ کا

اے حسیں کیا منھ ہے پریونکا جو تیرے منھ چڑھیں
دیکھ کر تجھ کو اتر جاتا ہے چہرہ حور کا

بارگاہ حق سے ہر طاعت کی ملتی ہے جزا
ہے بڑی سرکار حق رہتا نہیں مزدور کا

ہوں وہ میکش باغباں فوراً مجھے پرچہ لگا
ایک پتا بھی گرا جب شاخ سے انگور کا

بار دنیا جسکے سر پر ہے اُسے راحت کہاں
چور رہتا ہے مشقت سے بدن مزدور کا

چاہیئے دینی ہوائیں اُس کو آہ سرد کی
جوش خون گرم سے آیا ہے منھ ناسور کا

کب کی آ چکتی قیامت یہ مرا احسان ہے
بند ہے دم میرے نالوں کی بدولت صور کا

وادی ایمن میں تھی برق تجلی بے حجاب
حیرت موسیٰ بھی پردہ جلوہ گاہ طور کا

روز خلقت سے وہیں ہے باہر آسکتی نہیں
کہتے ہیں جنت جسے ہے قید خانہ حور کا

خیر جاری کا جو ہے اے حضرت واعظ خیال
وقف کر دو مول لے کر باغ اک انگور کا

سائباں اپنے سیہ خانے کا ہوتا امیر
ہاتھ آجاتا اگر دامن شب دیجور کا

کیا تڑپ رکھتا ہے شعلہ عارض پر نور کا
لوٹتا آنکھوں میں پھر جاتا ہے برق طور کا

داغ سینہ جل اُٹھے منھ پھٹ گیا ناسور کا
دھیان بھی آیا جو دل میں مرہم کافور کا

ہے غضب کا شوخ وہ بت ہو جو صحبت دو گھڑی
چٹکیاں لے لیکے زانو لال کر دے حور کا

بیٹھتا ہوں حیف لکھنے اُسکے حسن صاف کے
شمع کافوری سے روشن ہو کنول بلور کا

دردمندی اسکو کہتے ہیں کہ روز حشر بھی
رو دیا میں دل بھر آیا سن کے نالہ صور کا

میکش مفلس ہوں پہلے مجھکو دے ساقی شراب
دل بہت ہوتا ہے تھوڑا ار دبے مقدور کا

مے پئیں گے آج ہم ساقی تکلف ہے ضرور
جام ہیرے کا ہو خم ترشا ہو ابلور کا

عمر گذری ہے کہ دم بھر کو کہیں جاتے نہیں
گھر مرا کیا قید خانہ ہے شب دیجور کا

عاشق مژگاں ہوں مجھکو نوش سے بڑھکر ہے نیش
لطف اٹھاتا ہوں میں چھتا چھیڑ کر زنبور کا

تم مزے سے حسن کے واقف نہیں کچھ زاہدو
نام ہی سنتے ہو منھ دیکھا ہے کس دن حور کا

جب بلندی پر پڑے دیکھے کہیں مہوے کے پھول — ڈھیر سمجھے ہم کسی بادہ کشِ مغفور کا
اے خضر رندوں کو کچھ مشکل نہیں عمر دراز — آبِ حیواں گر نہیں شیرہ تو ہے انگور کا
جلوۂ حسنِ الٰہی اور پتھر اے کلیم — آپ کی گرمی نے چمکایا ستارہ طور کا
گور بھی بے گورکن تعمیر ہو سکتی نہیں — کون سے گھر میں گذر ہوتا نہیں مزدور کا
آدمی کا منھ ہے جو دعویٰ خدائی کا کرے — بولتے ہیں آپ حضرت نام پر منصور کا
ہم وہ میکش ہیں کہا پیرِ مغاں نے بعدِ مرگ — ہو مزار انگور کے سایے میں اس مغفور کا
تو نہ ہو اے یار تو جنت جہنم ہے مجھے — تجھ کو دکھلا کر نہ دکھلائے خدا منھ حور کا

عبرتِ اہلِ دول منظور ہے مجھ کو امیر
بھیک بھی مانگوں تو کاسہ لوں سرِ فغفور کا

جیسے باندھا ہے تصور اُس رخِ پرنور کا — سارے گھر میں نور پھیلا ہے چراغِ طور کا
بختِ وارثوں سے جلے کیوں داغ مجھ مہجور کا — مرہم کافور سے منھ آگیا ناسور کا
اسقدر مشتاق ہوں زاہد خدا کے نور کا — بُت بھی بنوایا کبھی میں نے تو سنگِ طور کا
تجھ کو لائے گھر میں جنت کو جلایا رشک سے — ہم بغل تجھ سے ہوئے پہلو دبایا حور کا
گور کافر کس لئے ہو تیرہ و تار اس قدر — پڑ گیا سایہ مگر میری شبِ دیجور کا
حُسنِ یوسف اور تیرے حسن میں اتنا ہے فرق — چوٹ یہ نزدیک کی ہے وار تھا وہ دور کا
قصرِ تن بگڑا کسی کا گورکن کی بن پڑی — گھر کسی کا گر پڑا گھر بن گیا مزدور کا
چہرۂ جاناں سے شرما کر چھپایا خلد میں — خامۂ تقدیر نے کھینچا جو نقشہ حور کا
حاجتِ مشاطہ کیا رخسار روشن کے لیئے — دیکھ لو گل کاٹتا ہے کون شمعِ طور کا
زلف و روئے یار سے نیرنگِ قدرت ہے عیاں — مہر کے پنجے میں ہے دامن شبِ دیجور کا
خاکساری کر جو ہو منظور آنکھوں میں جگہ — خاک ہو کر سرمہ بنجاتا ہے پتھر طور کا
غافلوں کے کان کب کھلتے ہیں سنکر شورِ حشر — سونے والوں کو جگا سکتا نہیں غل دور کا

پوچھ لینا سب وطن کا حال اے اہلِ عدم
بیٹھ لینے دو ذرا آتا ہوں اٹھا دور کا

عجز کرتے ہیں عدوئے جاں سے بھی خاصانِ حق
جھک گیا سر آ کے پائے دار پہ منصور کا

موت کیا آئی تپِ فرقت سے صحت ہو گئی
دم نکلنے سے بدن ٹھنڈا ہوا رنجور کا

موذیوں کو حادثوں سے دہر کے کیا خوف ہے
بارشِ باراں سے گھر گرتا نہیں زنبور کا

چشمِ ساغر بے سبب ہر دم لہو روتی نہیں
مغبچوں سے ساقیا دل پھٹ گیا انگور کا

جاتے ہیں میخانۂ عالم سے ہم سوئے عدم
کہہ دو از خود رفتگی سے ہو ارادہ دور کا

کی نظر جس پر کدورت سے رہا خاموش وہ
ہے اثر گردِ نگاہِ یار میں سیندور کا

جلوۂ معشوق ہر جا ہے بصیرت ہو اگر
کرمکِ شب تاب میں عالم ہے شمعِ طور کا

مر کے یارانِ عدم کے پاس پہنچو گا امیر
چلتے چلتے جان جائے گی سفر ہے دور کا

یا رب شبِ وصال یہ کیسا گجر بجا
اگلے پہر کے ساتھ ہی پچھلا پہر بجا

آوازِ صور سن کے کہا دل نے قبر میں
کس کی برات آئی یہ باجا کدھر بجا

کہتے ہیں آسماں جو تمہارے مکاں کو ہم
کہتا ہے آفتاب درست اور قمر بجا

جاگو نہیں یہ خواب کا موقع مسافرو
نقارہ تک بھی کوچ کا وقتِ سحر بجا

تعمیر مقبرے کی ہے لازم بجائے قصر
زر داروں سے کہو کہ کریں صرف زر بجا

ہیں ہم تو شادماں کہ ہے خط میں پیامِ وصل
بغلیں خوشی سے تو بھی تو اے نامہ بر بجا

تجھ کو نہیں جو انس محبت کہاں مجھے
تالی نہ ایک ہاتھ سے اے بے خبر بجا

نفرت ہے یہ خوشی سے کہ اشک اپنے گر پڑے
ہمراہ تعزیہ کے بھی باجا اگر بجا

جائے قیام منزلِ ہستی نہ تھی امیر
اترے تھے ہم سرائے میں کہ کوسِ سفر بجا

ہوا یہ جوشِ شبِ ہجر دیدۂ تر کا
چراغ دیدۂ ماہی بنا مرے گھر کا

لکھوں میں حال جو اپنے خط مقدر کا
ورق سیاہ کروں آفتاب محشر کا

یہ کس کی یاد میں رویا کہ آبرو پائی
خزانہ دیدۂ گریاں ہے حوض کوثر کا

حصار امن ہے ہم سے سیاہ کاروں کو
ہر ایک حلقہ ترے گیسوئے معنبر کا

عیاں ہے رجعت خورشید اور شق قمر
یہ معجزہ ہے علیؑ کا تو وہ پیمبرؐ کا

جو صاف دل ہیں انھیں جور چرخ سے ہو اماں
پسا نہ دانہ کبھی آسیا میں گوہر کا

صفائے دل کا رہے کچھ نشان مرگ کے بعد
ہمارے روضے میں ہو فرش سنگ مرمر کا

ہوا یہ کس قد موزوں کا باغ میں جلوہ
کہ تنگ قافیہ ہے مصرع صنوبر کا

عبث ہے ناز تمول پر ان امیروں کو
اٹھا کے لائے ہیں کوڑا فقیر کے گھر کا

شتاب کوچۂ جاناں کو ہو رواں قاصد
زیادہ دیر نہ کر واسطہ پیمبرؐ کا

زباں پہ نالہ ہے جبتک ہیں اشک بھی جاری
علم گرا تو نہ ٹھہرے گا پانوں لشکر کا

جو کام آئے پس مرگ بھی کسی کا ہنر
چراغ آئنہ ہو مرقد سکندر کا

حصول کیا جو ملا اختیار دولت پر
ہمیشہ حال پریشاں رہا کیمیاگر کا

بدل کے شکل ڈراتا ہے کیا مجھے دشمن
مقام خوف نہیں شیر ہو جو پتھر کا

جمال جن کے سراپا تھے نور کی صورت
نہ پانوں کی خبر اُن کو نہ ہوش ہے سر کا

عزیز کرکے فلک کر رہا ہے مجھکو ذلیل
خلاف رسم بناتا ہے قطرہ گوہر کا

کہاں یہ سختی عالم کہاں دل نازک
غضب ہے شیشہ اُٹھائے جو بوجھ پتھر کا

نہ آسماں سے غرض ہے نہ آفتاب سے کام
امیر شیشے کا محتاج ہے نہ ساغر کا

یہ رفتہ رفتہ ضعف سے احوال تن ہوا
سایے کی بھی نگاہ سے غائب بدن ہوا

جس غنچہ لب کو چھیڑ دیا خندہ زن ہوا
جس گل پہ ہم نے رنگ جمایا چمن ہوا

اخگر کی طرح نیست بتدریج تن ہوا
تن پیرہن تو پیرہن اپنا کفن ہوا

یہ موشگافیوں سے ہوا شاعروں کی تنگ
علم خدا میں جا کے نہاں وہ دہن ہوا

آوارہ میں ہوا جو جگہ دل میں تم نے کی
تم آئے اپنے گھر میں غریب الوطن ہوا

دنیا کی سیر تھی کہ تماشا طلسم کا
جھپکی پلک کہ آنکھ سے غائب وطن ہوا

احوال گور و حشر یہیں مجھ پہ کھل گیا
خلوت سے جب رواں طرفِ انجمن ہوا

دکھلا دے اے بت آج تو پھر خدا وہ شان
شیخ حرم پکارے کہ میں برہمن ہوا

رخصت کے وقت روئے یہ اس منھ پہ رکھ کے منھ
دریا چھلک چھلک کے وہ چاہِ ذقن ہوا

غیروں کو ساتھ لیکے جو آئے وہ گور پہ
اک حسرتوں کی لوٹ ہمارا کفن ہوا

صد شکر قوت اتنی تو مجھ کو فلک نے دی
ہاتھوں سے میرے چاک مرا پیرہن ہوا

خلوت کدہ تھا دل مگر اب شکل آئینہ
مہمان انجمن جو ہوا انجمن ہوا

کیسی گھڑی تھی گھر سے جو نکلا تھا میں غریب
پھر دیکھنا نصیب نہ مجھکو وطن ہوا

پھیلی نگاہ یاس میں تو کانپنے لگا
اے ترک آج کیا وہ ترا بانکپن ہوا

صیاد ہم کہاں وہ تماشائے گل کہاں
روئی ہو نگاہ جو ذکر چمن ہوا

افشائے راز تا نہ ہو زاہد یہ کہیں
رندوں میں دختِ رز کا لقب جانمن ہوا

نعم البدل دیا مجھے اللہ نے امیر
دل ہو گیا جو خون تو رنگیں سخن ہوا

وہ مست ہوں نصیب مجھے تب کفن ہوا
جب رہن بادہ فروش کے گھر پیرہن ہوا

چھیڑا جو میں نے یار کو گرم سخن ہوا
پیدا مری زبان سے اُس کا دہن ہوا

کافر بدل کے بھیس سوا راہزن ہوا
پتھر بنا جو شیشہ تو توبہ شکن ہوا

شکلِ وطن نہ صورت اہل وطن ہے یاد
مدت ہوئی کہ وادیِ غربت وطن ہوا

مجھ مست کی ہے ہاتھ ترے یارب آبرو
تجھکو کریم جان کے توبہ شکن ہوا

لازم تھا واسطے ہی سے ذوق سخن ملے
اس سے ہیں ہم سخن سے ترے ہم سخن ہوا

سو عکس آئینے میں پڑے اور مٹ گئے
اس گھر میں جو گیا وہ غریب الوطن ہوا

مٹی نے جام بن کے اڑائے جہان کے ہوش
پتھر ہوا جو شیشہ تو توبہ شکن ہوا

اب سیرِ باغ وصل کہاں اور ہم کہاں
گولر کا پھول یار کا سیبِ ذقن ہوا

رکھنا تھا پاک پرسشِ روزِ حساب سے
اس واسطے عطا نہ بتوں کو دہن ہوا

چھانی ہے پھاڑ پھاڑ کے اُسمیں شرابِ ناب
کیا صرفِ کارِ خیر میرا پیرہن ہوا

طالب کو تیرے جلوے نے مطلوب کر دیا
نظارۂ جمال سے بُت برہمن ہوا

تارِ نگاہ و تارِ نفس سب ہوئے تمام
تب چار گز کسی کو میسر کفن ہوا

روئیں لپٹ کے خوب مرے دل کی حسرتیں
غربت میں میہماں جو خیالِ وطن ہوا

واعظ کا تھا لحاظ تو فصلِ خزاں تلک
جب آ گئی بہار میں توبہ شکن ہوا

اہلِ عدم سب آئے تماشے کو آپ کے
ہم آئے کیا سفر میں کہ خالی وطن ہوا

خلوت میں تھا تو شاہدِ معنی تھا میں امیر
خلوت سے انجمن میں جو آیا سخن ہوا

سو رنگ سے ہیں مست بہارِ چمن ہوا
جو گل نیا تھا جامِ شرابِ کہن ہوا

باہم جو ذکرِ زلفِ شکن در شکن ہوا
برہم تمام سلسلۂ انجمن ہوا

آئی بہار پھر مجھے شوقِ چمن ہوا
برگِ شگوفہ پنبۂ داغِ کہن ہوا

کس سبزہ رنگ پردہ نشیں کا تھا شیفتہ
کھایا جو زہر بھی تو نہ نیلا بدن ہوا

کیا دیں جواب شکوۂ دل کا تمہیں کہو
تم سے تو جو سلوک ہوا دل شکن ہوا

رہتا ہمیشہ خلوت و جلوت میں ہم بغل
افسوس ہے کہ میں نہ ترا پیرہن ہوا

اب کا سفر وہ ہے کہ نہ دیکھونگا پھر وطن
یوں تو میں لاکھ بار غریب الوطن ہوا

نفرت ہوئی فراق میں ایسی شراب سے
زاہد کہا گیا میں نہ توبہ شکن ہوا

یعقوب وار کھل گئیں آنکھیں مزار میں
یوسف کا پیرہن مرے حق میں کفن ہوا

اللہ رے پاس خاطر غربت تڑپ گیا
منہ وقت واپسیں بھی جو سوئے وطن ہوا

جور سپہر سے ہمہ تن ہے یہ داغ دل
بیدرد جانتے ہیں شگفتہ چمن ہوا

ممنوں ہوں میں زمیں کا بھی آسماں کا بھی
حاصل یہاں سے گور وہاں سے کفن ہوا

احباب اپنے اپنے گھروں میں ہیں محو عیش
کس کو خبر کہ کون غریب الوطن ہوا

صیاد قید میں مجھے کیا خواہش چمن
جھاڑے جو بال و پر تو قفس بھی چمن ہوا

لیلیٰ کے ناقے کو جو کیا ساربان نے تیز
سینے میں لوٹ کر دل مجنوں ہرن ہوا

لکنت نہیں فراق ترا ناگوار ہے
لب پر رکا جما جو زباں سے سخن ہوا

مسی ملی جو اس نے ہوا بد گماں میں
بوسے لیے یہ کس نے کہ نیلا بدن ہوا

راتوں کو کی امیر یہ ذکر خفی کی مشق
دل بن گیا زبان تو سینہ دہن ہوا

مر کر علوئے قدر سے عریاں بدن ہوا
حوروں میں قدسیوں میں تبرک کفن ہوا

دل عشق میں یہ جاذب رنج و محن ہوا
مانند داغ درد بھی جزو بدن ہوا

کس کا رخ صبیح یہ پرتو فگن ہوا
آئینہ دار مالک نہر لبن ہوا

دشت شکار میں جو وہ ناوک فگن ہوا
جن کیا فرشتہ بھیس بدل کر ہرن ہوا

چارہ غم فراق کا کیا ہے سوائے صبر
ٹھہری زبان جدا جو زباں سے سخن ہوا

ممنون چارہ گر نہ ہوا میں ہزار شکر
ہر داغ تازہ مرہم داغ کہن ہوا

اللہ رے صفائے طبیعت کہ بعد مرگ
گرد نگاہ خلق سے میلا کفن ہوا

آخر کیا یہ عشق دہان و کمر نے گم
پنہاں نظر سے روح کی صورت بدن ہوا

یاد تجلی رخ روشن جو دل میں تھی
فانوس شمع طور ہمارا کفن ہوا

ایسا ہوا ہے اب تو زمانے کا خوں سفید
آیا جو لعل ہاتھ میں در عدن ہوا

افشائے راز وجہ جنوں ہے برگ گل
پو پھوٹنے سے چاک مرا پیرہن ہوا

پوچھو وہ کیا سمجھ کے بدلنے لگے لباس
میلا ابھی تلک نہیں میرا کفن ہوا

نالے بدن کو توڑ کے نکلے برنگ نے
منہ بند کیا ہوا ہیں سراپا دہن ہوا

قسمت کے پیچ دیکھے ان آنکھوں نے اس قدر
تارِ نگاہ زلف شکن در شکن ہوا

پلکیں جو گریۂ غمِ فرقت سے گر گئیں
مشہور طفلِ اشک مرا صف شکن ہوا

گالی تو دی سوال پہ اس نے ہزار شکر
دستِ سوال جادۂ راہِ سخن ہوا

باغِ جہاں میں طائرِ مضموں تھے اے امیرؔ
جس دام میں پھنسے وہی اپنا وطن ہوا

بے یار ابر میں دل انگارہ ہو گیا
بجلی کا کوندنا مجھے تلوار ہو گیا

قیدی جو تھا وہ دل سے خریدار ہو گیا
یوسف کو قید خانہ بھی بازار ہو گیا

اُٹھا وہ میری روح سے بیزار ہو گیا
میں نام چور کے گنہگار ہو گیا

وردِ زباں جو وصفِ رخِ یار ہو گیا
گل بلبلوں کا غنچۂ منقار ہو گیا

خواہش جو روشنی کی ہوئی مجھ کو ہجر میں
جگنو چمک کے شمعِ شبِ تار ہو گیا

کیا وادیِ جنوں میں ملا مجھ کو بختِ پست
جادہ بھی میرے واسطے دیوار ہو گیا

کفر آشنا کہاں ہے کوئی مجھ سا دوسرا
سبحہ کا تار ہاتھ میں زنار ہو گیا

بادامِ چشم سیبِ زنخداں کے وصف سے
خامہ ہمارا شاخِ ثمردار ہو گیا

گلیوں میں اب تو پھرنے لگا ہے وہ ماہرو
ثابت جو تھا وہ کوکبِ سیارہ ہو گیا

احسان کسی کا اس تنِ لاغر سے کیا اٹھے
سو من کا بوجھ سایۂ دیوار ہو گیا

دریائے نیستی میں نہ ڈوبا میں بعدِ مرگ
کشتی مرا سفینۂ اشعار ہو گیا

بے حیلہ اس مسیح تلک تھا گذر محال
قاصد سمجھ کے راہ میں بیمار ہو گیا

اُترا نہ یہ گذر گئی فصلِ بہار بھی
طوقِ گراں گلے کا مرے ہار ہو گیا

لینے لگے یہ نوک کی خرد و بزرگ دہر
عالم تمام وادیِ پر خار ہو گیا

جس راہرو نے راہ میں دیکھا ترا جمال — آئینہ دار پشت بدیوار ہو گیا

کیونکر میں ترک الفت مژگاں کروں امیر
منصور چڑھ کے دار پہ سردار ہو گیا

آنسو زمیں پہ آتے ہی تغیر ہو گیا — یہ طفل بے جوان ہوئے پیر ہو گیا
پہلے تو ایک صفحۂ سادہ تھا آئینہ — دیکھا جو اس نگار نے تصویر ہو گیا
برباد قصر تن جو ہوا بن گئی لحد — وہ گھر جو گر پڑا تو یہ تعمیر ہو گیا
ہم وحشیوں کے پانو سے اڑ کر جمی یہ خاک — تعمیر بام خانۂ زنجیر ہو گیا
افشاں کے ہجر میں جو چمک یاد آگئی — جگنو شرار نالۂ شبگیر ہو گیا
دل پھنس گیا جو اس کے خط سبز تک گیا — یہ سبزہ اس غزال کو زنجیر ہو گیا
گردش رہے ہزار زباں سے نہ اُف کروں — میں لاغری سے خامۂ تصویر ہو گیا
وہ طالب فنا ہوں بنا جب کوئی محل — سمجھا یہ میں کہ مقبرہ تعمیر ہو گیا
عالم تمام اپنا جوانی سے تھا جوان — ہم پیر کیا ہوئے کہ جہاں پیر ہو گیا
آئینہ جمال سے سکتہ ہوا مجھے — تصویر یار دیکھ کے تصویر ہو گیا
زاہد ہوا بہشت میں محبوس دائمی — تو بے گناہ مورد تعزیر ہو گیا
اُس حور کی گلی میں ہوا آنسوؤں کا ڈھیر — موتی محل بہشت میں تعمیر ہو گیا
ہم کو پھنسا کے زلف بڑھی غیر کی طرف — عنقا کا دام دام ہمہ گیر ہو گیا
جب میں جوان تھا تو مری شاعری تھی پیر — اب شاعری جواں ہے تو میں پیر ہو گیا

بخت سیہ مرا جو ازل میں بنا امیر
صرف مداد خامۂ تقدیر ہو گیا

دل مرا کشتہ ہے یارب کس شہادت گاہ کا — ہر شگاف زخم دروازہ ہے بیت اللہ کا
حال روشن ہے ہمارے صدمۂ جانکاہ کا — شمع کے مانند دل پتلا ہے اشک و آہ کا

پائے استغنا سے تم ٹھکراؤ گے ہزارہا
سر نہ سجدے سے اُٹھیگا بندۂ درگاہ کا

رند مشرب کب کے پہنچے یار کے گھر زاہدا
تو پتا ہی پوچھتا ہے اب تک اُسکی راہ کا

عشق شیریں میں نہیں فرہاد بھی خسرو سے کم
ایک عالم ہے محبت میں گدا و شاہ کا

عرصۂ محشر سے واعظ کیا ڈراتا ہے مجھے
وہ بھی اک میدان ہے میری شہادت گاہ کا

کھل گیا جب یہ کہ دل بھی جلوہ گاہ یار ہے
کون چکر کھائے پھر دیر و حرم کی راہ کا

ضبط غم کاوش نے تیرے دل کو تودہ کر دیا
بن گیا پیکاں سمٹ کر تیر اپنی آہ کا

فکر رہتی ہے یہی دل میں کسیکے گھر کریں
تب جہاں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں گھر اللہ کا

منظر چشم اک تماشا گاہ ہے تیرا صنم
خلوتِ دل ایک حجرہ ہے تری درگاہ کا

کیا ہی موزوں ہے طبیعت عشق قد میں بعد مرگ
سرو بن کر قبر سے نکلا ہے مصرع آہ کا

دیر میں احسن کا طالب ہے تو اے زاہد اگر
بت ہی ہیں جو کچھ ہیں آگے نام ہے اللہ کا

ہم کہاں دنیا کہاں کچھ یونہی دل میں آ گئی
دیکھیئے چلئے تماشا اس تماشا گاہ کا

جانے بھی دو جان چھوٹی صدمۂ ہستی سے آج
چاک ہی ہونا ہے اچھا جامۂ کوتاہ کا

دل بھی حاضر جان بھی حاضر تکلف برطرف
مال اپنا جان ساقی اپنے دولت خواہ کا

آرزو اپنی نہ مطلب سے کبھی واقف ہوئی
اس دولھن نے منہ نہیں دیکھا کسی نوشاہ کا

اٹھ گئی دل سے دوئی وحدت کے عالم میں امیر
دیر میں جلوہ نظر آتا ہے بیت اللہ کا

حسن اس شوکت پہ مجرائی ہے اُس درگاہ کا
رتبہ دیکھو عشق کی سرکار عالی جاہ کا

بے طرح اٹھتا ہے شعلہ میرے دود آہ کا
خوف ہے گردوں کو جلجائے نہ خرمن ماہ کا

شیخ کعبے سے گیا اُس تک برہمن دیر سے
ایک ہی دونوں کی منزل پھیر تھا کچھ راہ کا

ہر مہینے ضعف پہنچاتا ہے کچھ زورِ تن
نوکری کب کی کہ دعویٰ ہے اسے تنخواہ کا

ہے مرے کلک میں اپنی یہ جاں بخشی کا فیض
پست آوازہ ہے جس سے قم باذن اللہ کا

جا پہنچا عرش تک اے ضعف کچھ مشکل نہیں — ہاتھ آ جائے ذرا مجھ کو سہارا آہ کا
ہر گلی اپنی نظر میں کوچۂ محبوب ہے — جیسے ہے آنکھوں میں سرمہ اسکی گرد راہ کا
اپنے در سے دور بیجا کر عبث کرتا ہے قتل — سر دہیں پہنچیں گا قاتل بندۂ درگاہ کا
کچھ نہ سمجھے ہو نہ بوجھے ہو کہ وہ کیا چیز ہے — نام تم نے سن لیا ہے زاہدو اللہ کا
اے معلم تیز ہے اس طفل کی تیغ نگاہ — دیکھ ہو جائے نہ بسمل مرغ بسم اللہ کا
میں اگر کانٹے دکھاتا ہوں زباں کے پیاس میں — دیکھتے ہی خشک ہو جاتا ہے پانی چاہ کا
آج سے کھینچوں تو آتے آتے مدت چاہیے — ضعف میں مشکل ہے دل سے لب تک آنا آہ کا
کیجئے عمر دو روزہ عشق ابرو میں بسر — قطع کرنا چاہیے شمشیر سے اس راہ کا
میرے دل کے آئینے میں منہ جو دیکھے برہمن — قشقہ ماتھے کا نظر آئے الف اللہ کا
مر گیا ہوں الفت قامت میں آہیں کھینچ کر — شامیانہ ہو مرے مرقد پہ دود آہ کا
رو دے قاتل زرد ہو جائے نہ کیونکر خوف سے — سرخ آندھی ہے غبار اپنی شہادت گاہ کا

ذکر حق میں سب حوادث سے ہوں محفوظ اے امیرؔ
ہے حصار امن گنبد مجھ کو بسم اللہ کا

نور وحدت سے یہ عالم ہے دل آگاہ کا — مہر ہے ایک ایک ذرہ میری گرد راہ کا
تالب دریا ہو دیدار ایک رشک ماہ کا — رزق ماہی کیجئے لکھ لکھ کے نام اللہ کا
خوب ہے مہندی رچی خوف شہید ناز کی — خنجر قاتل پہ عالم ہے کف نوشاہ کا
فی الحقیقت غوطۂ بحر فنا ہے لا الہ — ہے ابھرنا اس بھنور سے ذکر الا اللہ کا
مصر دل میں تجھ سے یوسف کو کیا ہو بادشاہ — اے پری پردیں تو دیوانہ ہوں اپنی چاہ کا
اسقدر دل پر تصرف کیا سبب یہ کون ہیں — بک گیا ہے کیا بتوں کے ہاتھ گھر اللہ کا
بسملوں کے رقص پر اس طفل کا ہے لوٹ دل — اب شہادت گاہ میں عالم ہے بازیگاہ کا
حق رسی چاہے تو ہفتاد و دو ملت سے گذر — منزلیں طے ہوں تو حج حاصل ہو بیت اللہ کا

دیکھ کر ناف و کمر اس بت کی آتا ہے خیال
رہرو راہ عدم کو بھی خطر ہے چاہ کا

ساکن مسجد ہوا جا کر جھکا جو سرو قد
یہ مثل مشہور ہے سیدھا ہے گھر اللہ کا

عشق عارض کر رہا ہے حسن عارض کو تباہ
لوٹتا ہے لشکر شاہی اثاثہ شاہ کا

صحبت احباب یا دربار یا سرکار ہو
بات وہ کہیے بھلا ہو جس میں خلق اللہ کا

پیاس شیدائے زنخداں کی بجھانا چاہیے
حیف ہے پیاسا جو رہ جائے کبوتر چاہ کا

آنسوؤں کا جوش یہ ذکر الٰہی میں ہوا
بن گیا سرو کنار جو الف اللہ کا

گوہر مقصد ملا بحر سخن میں ڈوب کر
تہ کو جب پہنچے تو مضمون ہاتھ آیا چاہ کا

نور ایسا دیدۂ دل کو خدا بخشے امیر
سامنے روضہ نظر آئے رسول اللہ کا

ہم چشم ابر کیوں مژہ تر سے ہو گیا
تھوڑی سی آبرو تھی سو وہ بھی ڈبو گیا

ہے کشور عدم میں خدا جانے سیر کیا
آیا نہ پھر کے منزل ہستی سے جو گیا

اب بلبلیں چمن میں کہاں آ گئی خزاں
تھی دھوم چار دن کی وہ ہنگامہ ہو گیا

آیا عرق تو اور بڑھائی صفائے جسم
اس گل کے بال بال میں موتی پرو گیا

آخر ہوئی خیال خط سبز میں جو عمر
سمجھا یہ میں خضر مری کشتی ڈبو گیا

بچتا شرار آتش گل سے نہ ایک خس
پر ابر آشیانہ بلبل بھگو گیا

پیری میں آئی موت جوانی گذر گئی
جاگا تمام شب میں دم صبح سو گیا

ماتم کیا کسی نے نہ میرا تو کیا ہوا
ابر آ کے خاک گور پہ ہر سال رو گیا

احوال جس میں تھا دل گم گشتہ کا امیر
رستے میں نامہ بر سے وہ مکتوب کھو گیا

وصل کی شب بھی خفا وہ بت مغرور رہا
حوصلہ دل کا جو تھا دل میں بدستور رہا

عمر رفتہ کے تلف ہونے کا آیا تو خیال
لیکن اُس دم کی تلافی کا نہ مقدور رہا

جمع کس دن نہ ہوئے موسمِ گل میں مئےکش — روز ہنگامہ تہِ سایۂ انگور رہا
گردشِ بخت کہاں سے ہمیں لائی کہاں — منزلوں وادیِ غربت سے وطن دور رہا
راستبازی کر اگر ناموری ہے درکار — دار سے خلق میں آوازۂ منصور رہا
وہ تو ہے چرخ چہارم پہ یہ پنچ محلے پر — پیچ ہے عیسے سے بھی بالاتر از دور رہا
فصلِ گل آئی گئے صحنِ چمن میں سو بار — اپنے سر میں تھا جو سودا وہ بدستور رہا
جلوۂ برقِ تجلی نظر آیا نہ کبھی — مدتوں جا کے میں زیرِ شجرِ طور رہا
زلف و رخ دونوں ہیں جانے سے جوانی کے خراب — مشک وہ مشک نہ کافور وہ کافور رہا
غولِ صحرا نے مرا ساتھ نہ چھوڑا شب بھر — لیکے مشعل کبھی نزدیک کبھی دور رہا

ہم بھی موجود تھے کل محفلِ جاناں میں امیر
رات کو دیر تلک آپ کا مذکور رہا

آسرا زیرِ زمیں اے تنِ بے جاں کسکا — شہر بیگانہ ہے یاں کون ہے پرساں کسکا
نہ تو یہ حور کا طالب نہ پری پر مائل — نہیں معلوم مرے دل کو ہے ارماں کس کا
حوصلہ قیس کا فرہاد کا دل پیدا کر — پھر تو یہ کوہ ہے کس کا یہ بیاباں کس کا
غیر کا حال سنوں میں یہ مجھے تاب بھی ہے — ذکر کرتے ہو مرے سامنے جاناں کس کا
دانت ہر وقت ہمارا بھی ہے اغیار کا بھی — دیکھیے حصہ ہے وہ سیبِ زنخداں کس کا
جامۂ گل کو جو کرتی ہے معطر ہر صبح — چھو کے آتی ہے صبا گوشۂ داماں کسکا
کنگھی چوٹی سے کسیدم انھیں فرصت ہی نہیں — کیا خبر ہے کہ ہوا حال پریشاں کسکا
غنچۂ گل جو چٹکتے ہیں یہ آتی ہے صدا — عندلیبوں کے سوا ہے یہ گلستاں کسکا
صورتِ گل جو شگفتہ ہیں میرے زخمِ جگر — یاد آیا ہے مجھے چہرۂ خنداں کسکا
منچلے کھول کے دل رکھ نہیں سکتے ہیں قدم — گوئے الفت میں ہے باندھا ہوا میداں کسکا
داغ حاصل نہ ہو کیونکر تجھے بدنامی کا — ماہِ مہتاب تو نے کیا اے مہ تاباں کسکا

منحرف ہیں رخ بلقیس سے پریاں کیسی
آج منہ دیکھ کے اٹھا ہے سلیماں کس کا

ہو رہی ہے تری رفتار سے پامال جو خلق
تو نے سیکھا چلن اے کبک خراماں کس کا

اہل آفاق جو کرتے ہیں فلک کا شکوہ
یہ تو سمجھیں کہ یہ ہو تابع فرماں کس کا

اس زمانے میں نہیں نام سخاوت کا امیر
کون محسن ہے اٹھائے کوئی احساں کس کا

جب تلک ہست تھی دشوار تھا پانا تیرا
مٹ گئے ہم تو ملا ہم کو ٹھکانا تیرا

نہ جہت تیرے لیئے ہے نہ کوئی جسم ہے تو
چشم ظاہر کو ہے مشکل نظر آنا تیرا

شش جہت چھان چکے ہم تو کھلا ہم پہ یہ حال
رگ گردن سے ہے نزدیک ٹھکانا تیرا

صاف اس جنگ میں آتی ہے ہمیں صلح کی بو
دل ملاتا ہے یہ آنکھوں کا لڑانا تیرا

دے سزا مجھ سے طلب کر نہ صفائی کے گواہ
کوئی میرا نہیں ہے سارا زمانہ تیرا

نہیں بچنے کا ترے تیر مژہ سے دل زار
بال باندھا ہے یہ اے ترک نشانا تیرا

دست نازک سے اٹھا تیغ نہ بھاری قاتل
ہاتھ چھوٹے گا اتر جائے گا شانا تیرا

اب جو پیری میں نہیں پوچھنے والا کوئی
کبھی اے حسن جوانی تھا زمانہ تیرا

اے صدف چاک کریگا یہی سینہ اک دن
تو یہ سمجھی ہے کہ گوہر ہے یگانہ تیرا

مہندی ملتی ہے جو مشاطہ تو کہتا ہے وہ شوخ
خوب ہم جانتے ہیں آگ لگانا تیرا

دل عاشق کبھی ہوتا نہیں مژگاں سے جدا
ہے ترے تیر کے نزدیک نشانا تیرا

درد سر ہونے لگا کیجیے نالے کب تک
مشکل اے طالع خفتہ ہے جگانا تیرا

کوئے قاتل کو تو ہوتا ہے رواں تو قاصد
جان لے دم بھی عدم کو ہے روانہ تیرا

اجل آئے گی تو لیجائے گی ہمراہ ضرور
پیش جائے گا نہیں کوئی بہانا تیرا

کیوں تجھے ہم سے عداوت نہو اے نفس شقی
ہم نے کہنا کبھی جھوٹوں بھی نہ مانا تیرا

دور اگلے شعرا کا تھا کبھی اور امیر
اب تو ہے ملک معانی میں زمانا تیرا

پکارتا ہے یہ نالہ اُس کی کبریائی کا | کہ رے اُڑا ہے مجھے شوق خود نمائی کا
قلق ہوا مجھے صیاد کی جدائی کا | یہ پیچھے نہیں افسوس ہے رہائی کا
عزیز کیوں نہ ہو داغ اُسکی بیوفائی کا | کہ ہے صلا یہی مدت کی آشنائی کا
میں طول روز قیامت کو سن کے ڈرتا ہوں | کہ دن نہ ہو وہ کہیں یار کی جدائی کا
بغیر پہنچے ہوئے یار تک نہیں رہتا | میں مٹ کے نام مٹا دوں گا نارسائی کا
ہٹاؤ آئینہ ہم کو بھی دیکھنے دو گے | کہ خود ہی دیکھو گے حسن اپنی خود نمائی کا
خدا کرے کہیں جلد آئے روز شادی وصل | لباس ماتمی اترے شب جدائی کا
تمام عمر ہوئی ڈھونڈھتے پتا نہ لگا | ترا دہن بھی ہے کیا حرف آشنائی کا
نہ پوچھ جام میں ساقی کے کیا ہے اے زاہد | بھرا ہے اس میں لہو تیری پارسائی کا
ابھی تو فیصلہ ہوتا ہے سارے جھگڑوں کا | زبان تیغ سے پیغام دو صفائی کا
ہزار بار قیامت جہاں میں آئے گی | پڑا ہے چار گھڑی دن ابھی جدائی کا
شناوران محبت تو سیکڑوں ہیں مگر | جو ڈوب جائے وہ پورا ہے آشنائی کا
جچے ہماری نگاہوں میں کیا درازی حشر | کہ طول دیکھے ہوئے ہیں شب جدائی کا
مرے نصیب یہ کہتے ہیں میرے نالوں سے | رہے خیال ہماری بھی نارسائی کا
خدا نے دل کو بنایا تھا جام استغنا | بتوں نے کاسہ اُسے کر دیا گدائی کا
رقیب طنز سے کہتا ہے آپ جائیں وہاں | یقین ہے یہ اُسے میری نارسائی کا
کھنچی وہ تیغ تو خوش ہو کے مجھ سے دل نے کہا | وہ دیکھو گھاٹ ہے دریائے آشنائی کا

بدن میں روح کو آنے سے کام کیا تھا امیر
چلن دکھانے کو آئی تھی بے وفائی کا

گلہ زباں پہ نہ لانا تھا بے وفائی کا | امیر ڈوب گیا نام آشنائی کا
فریفتہ ہوں اس انداز دلربائی کا | کہ دل لیا تو دیا ذوق آشنائی کا

ہوا وصال جو صدمہ ہوا جدائی کا — شکستگی نے کیا کام مومیائی کا
کسی گنہ پہ کوئی قتل ہو میں کہتا ہوں — کہ اس سے جرم ہوا ہوگا آشنائی کا
میں آفتاب قیامت کو دیکھ کر سمجھا — کہ ہے یہ کوئی ستارہ شب جدائی کا
بہار آئی ہے پھر خیر ہو خداوندا — جنوں کے ہاتھ میں دامن ہے پارسائی کا
بجنس آیت سجدہ ہوئی ہے پیشانی — اثر ہے یہ تری چوکھٹ پہ جبہہ سائی کا
پلٹ گیا سایۂ جاناں ہمارے دامن سے — لحاظ آ ہی گیا آخر آشنائی کا
وہ آزمائش شمشیر ناز کرتے ہیں — یہ خوب وقت ہے تقدیر آزمائی کا
ہمارے دل میں وہیں گدگدی ہوئی پیدا — جہاں کسی کو سنا ذوق دلربائی کا
اٹھا جو درد تو گھبرا کے میرے دل نے کہا — کہ تو بھی داغ مجھے دیگا کیا جدائی کا
گھر کے گرد بیٹھی ہے میرے دلکا ملال — غبار میں بھی ہے عالم وہی صفائی کا
حیا تو اس کو بٹھائے ہزار پردے میں — مگر جو بیٹھنے دے شوق خودنمائی کا
پہنچ سکا نہ وہاں نامہ بر تو دل نے کہا — کہ اور شکوہ لکھو خط میں نارسائی کا
یہاں ہے ذوق اسیری میں مجھ پہ چال چپد — وہ جانتا ہے کہ مشتاق ہے رہائی کا
کسی طرح نہ کٹا کوہ کن کے کاٹے سے — کہیں پہاڑ سے ہے سخت دل جدائی کا

اٹھو امیر نہیں ماننے کی وحشت دل
یہ عذر لنگ تمہاری شکستہ پائی کا

گیا تھا کس سے گلا میں نے کج ادائی کا — تجھے تو شوق ہے اے جنگجو لڑائی کا
دکھاؤ جلوہ جو دعویٰ ہے خودنمائی کا — مجھے یقین نہیں آتا سنی سنائی کا
کمال حسن نے بے پردہ کر دیا ان کو — نکل پڑے یہ ہوا ذوق خودنمائی کا
ہماری آہ رسا لامکاں میں دم لیتی — مگر نصیب میں تھا داغ نارسائی کا
خدا کے گھر میں کروں جا کے شکر کے سجدے — ملے جو اذن در بت پہ جبہہ سائی کا

عجب طرح کی در انداز ہے خرام ظالم
کہ رنگ و بو میں پڑا تفرقہ جدائی کا

سِنے جو زخم تو بولا بگڑ کے خنجر یار
ہوڑالے گا ہنسنا یہ بے حیائی کا

نقاب یار نے اُلٹی ہے حضرت ناصح
یقیں ہے فاش ہو اب پردہ پارسائی کا

تڑپ تڑپ کے گیا اس کے آستانے پر
کٹا جو سر تو بڑھا شوق جبہ سائی کا

چلی تو ہے ہمیں صحرا کو لیکے اے وحشت
مگر خیال ہے لازم شکستہ پائی کا

سنبھل کے دیکھو اگر دیکھتے ہو آئینہ
پھسل نہ جائے کہیں پانوں خودنمائی کا

میں درد دل بھی شب وصل کہہ نہیں سکتا
کہ ہاتھ آئے گا پہلو اسے جدائی کا

کہیں سے ہاتھ شراب آئی ہو کہیں سے گزک
مزہ ہے کوئے خرابات میں گدائی کا

چلوں وہ چال رہ عشق میں کہ خار تو کیا
سراغ پائیں نہ چھالے برہنہ پائی کا

وفا کے ذوق میں ہے بیخودی یہ ڈرتا ہوں
گلہ نہ منھ سے نکل جائے بے وفائی کا

گذر نہیں ہے حرم میں تو دیر کو چلیے
امیر کام کہیں بند ہے خدائی کا

نہ بے وفائی کا ڈر تھا نہ غم جدائی کا
مزہ میں کیا کہوں آغاز آشنائی کا

کہاں نہیں ہے تماشا تری خدائی کا
مگر جو دیکھنے دے رعب کبریائی کا

وہ ناتواں ہوں اگر نبض کو ہوئی جنبش
تو صاف جوڑ جدا ہو گیا کلائی کا

شب وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا

یہ جوش حسن سے تنگ آئی ہے قبا انکی
کہ بند بند ہے خواہاں گرہ کشائی کا

کمان ہاتھ سے رکھ صید گاہ عرفاں میں
کہ تیر صید ہے یاں دام نارسائی کا

وہ بدنصیب ہوں یار آئے میرے گھر تو بنے
سمٹ کے وصل کی شب تل رخ جدائی کا

ہزاروں کافر و مومن پڑے ہیں سجدے میں
بتوں کے گھر میں بھی ساماں ہے خدائی کا

تمام ہو گئے ہم پہلے ہی نگاہ میں حیف
نہ رات وصل کی دیکھی نہ دن جدائی کا

نہیں ہے مہر لفافہ پہ خط کے اے قاصد
یہ داغ ہے مری قسمت کی نارسائی کا

نقاب ڈال کے اے آفتاب حشر نکل
خدا سے ڈر یہ کہیں دن ہے خود نمائی کا

نہیں قرار گھڑی بھر کسی کے پہلو میں
یہ ذوق ہے ترے ناوک کو دلربائی کا

مری طرف سے کوئی جاکے کوہ کن سے کہے
نہیں نہیں یہ محل زور آزمائی کا

کہا جو میں نے کہ میں خاک راہ ہوں تیرا
تو بولے ہے ابھی پندار خود نمائی کا

جنوں جو میری طرف ہو وہ جست خیز کروں
کہ دل ہو ٹوٹ کے ٹکڑے شکستہ پائی کا

امیر روئیے اپنے نصیب کو ایسا
کہ ہو سپید سیہ ابر نارسائی کا

تنگی دل سے تری فرقت میں ایسا جبر تھا
ہر نفس کو میرے سینے پر گمان قبر تھا

کیوں ہوا عاشق جفا پر گر نہ تجھکو صبر تھا
اے دل بیتاب کیا تجھ پہ کسی کا جبر تھا

نازنیں کیونکر نہ جاتے میکشی کو باغ میں
ننھی ننھی بوندیاں تھیں ہلکا ہلکا ابر تھا

تابع بت تھا ہمیں دل نے بڑا دھوکا دیا
ہم مسلماں اسکو سمجھے تھے یہ کافر گبر تھا

گل رخانِ دہر پر سو سو جگہ مر مر گیا
جو کھلا گل باغ میں میرا چراغ قبر تھا

تجھکو بھی اک سنگدل محبوب سے پالا پڑا
یہ مرے دل کے پھپھولے تھے یہ میرا صبر تھا

بار بار اُس کی گلی میں کیوں نہ جاتا اے امیر
کیا کروں بے اختیاری تھی کہ دل بے صبر تھا

ظاہر یہ اتحاد سے رنگ اثر ہوا
اس گل نے پی شراب تو میں بے خبر ہوا

سرمے کی طرح چشم بتاں میں نہ گھر ہوا
میں مثل میل سرمہ عبث دربدر ہوا

اے ترک تیری تیغ ہمارا گلا کہاں
اک یہ بھی اتفاق قضا و قدر ہوا

راہ دراز کوچۂ جلاد قطع کی
قصہ ہماری زیست کا یوں مختصر ہوا

فرصت ملی نہ گردش پست و بلند سے
سوئے کبھی جو پاؤں تو دوران سر ہوا

اللہ ری نزاکت جاناں کہ شعر میں — مضموں بندھا کمر کا تو درد کمر ہوا

کچھ خاک ہو گئی جو مجھ آوارہ کی شریک — چاک اک طرف کلاں کو دوران سر ہوا

سختی سے کر جو ساز تو حاصل ہو سوز عشق — پتھر نے کھائی چوٹ تو پیدا شرر ہوا

پیسا کسی کی آنکھ کی گردش نے اس قدر — میں خاک ہو کے ذرہ گرد نظر ہوا

چلائیں بلبلیں جو چمن سے چلی بہار — نکلی دلہن جو گھر سے ہر اک نوحہ گر ہوا

نازک دلوں کو ہے سخن نرم بھی بہت — مینے کو قطرہ قطرۂ باراں شرر ہوا

شادی نے مثل گل ہمیں کھلائی شکل غم — ہنسنا ہمارا باعث زخم جگر ہوا

پیری میں ہے یہ ضعف کہ پلکیں بھی جھک گئیں — مرغ نگاہ طائر بے بال و پر ہوا

مضموں اگر رسا ہے تو آئیگا تازیاں — خود ہی ٹپک پڑے گا جو پختہ ثمر ہوا

ہوتی اگر نہ روح تو تھا خاک جسم میں — آئی دلہن جو گھر میں تو آباد گھر ہوا

کیا جانے نامہ بر نے کہا آ کے کیا امیر
ایسی خبر سنائی کہ میں بے خبر ہوا

دلمیں جب مہماں خیال زلف جاناں ہو گیا — آنکھ میں خواب پریشاں سنبلستاں ہو گیا

اسقدر شرمندہ پیش روئے جاناں ہو گیا — مہر گھٹ کر دامن شبنم میں پنہاں ہو گیا

دل کسیکا ہاتھ میں لانا ہے دولت کی دلیل — یہ نگینہ جس کو ہاتھ آیا سلیماں ہو گیا

کیا ہماری گور پہ ہے احتیاج روشنی — چار جگنو جب چمک نکلے چراغاں ہو گیا

دل نہ مجروحوں کے تڑپانے سے قاتل کا بھر — چٹکیاں رہ رہ گئیں خالی نمکداں ہو گیا

جا کے تنہا اور بھی صدمے اٹھائے باغ میں — پھول جو پھولا مجھے داغ عزیزاں ہو گیا

غیر نے اس گل کے بالوں میں کبھی کنگھی جو کی — مثل سنبل تار تار اپنا گریباں ہو گیا

ضبط غم سے طرفہ دولت سرخروئی کی ملی — خون ہو کر دل مرا لعل بدخشاں ہو گیا

عشق گیسو میں ہوا سامان غم سامان عیش — خواب آنکھوں میں اگر آیا پریشاں ہو گیا

اُس نے جب تیوری چڑھائی کر لیا مجھکو شکار
گوشۂ ابرو کمانِ تیر مژگاں ہو گیا

وجہ رسوائی نہ تھا دل میں نہ تھا جب تک کہ عشق
آگے مضموں لفظ کے جامے میں عریاں ہو گیا

ہوش میخواروں کا بھی شاید کوئی سیماب تھا
آتش تر سے جو اے ساقی گریزاں ہو گیا

اوج ہمت ہے بقدر بے سر و پائی یہاں
جسنے کی برباد خاک اپنی سلیماں ہو گیا

سوزِ غم میں کچھ نہ پوچھو جلد تن کا مجھے خیال
جلکے یہ کاغذ شراروں سے چراغاں ہو گیا

اے جنوں کہتے ہیں اسکو اتحادِ حسن و عشق
جب کھلا جوڑا وہاں یاں دل پریشاں ہو گیا

قید میں آنے لگے جب لخت دل اشکوں کے ساتھ
خانۂ زنجیر میں روشن چراغاں ہو گیا

تیر لاکھوں کھائے میدانِ محبت میں امیر
دل تو تھا ہی شیر سینہ اب نیستاں ہو گیا

اوجِ دولت اُس پری کا سوزِ ہجراں ہو گیا
داغ سر پر خاتمِ دستِ سلیماں ہو گیا

خط جو نکلا بوسۂ رخسار آساں ہو گیا
کارواں آنے سے گنجِ حسن ارزاں ہو گیا

اب کہاں تک میرے تڑپانے کو چھڑکیگا نمک
ہر دہانِ زخم لبِ قاتل نمکداں ہو گیا

میری چشم تر سے ہمچشمی کا رکھتا تھا خیال
پانی پانی یہ ہوا بادل کہ باراں ہو گیا

تم کھلے بالوں جو آنکلے کبھی گلگشت کو
تختۂ نرگس چمن میں سنبلستاں ہو گیا

جب بہار آئی جنوں کے ہاتھ سے مانندِ گل
ٹکڑے سے دامن ہو گیا پرزے گریباں ہو گیا

دیکھ قاتل اپنے دیوانے کا جذبِ شوقِ قتل
جب گلے سے مل گیا خنجر گریباں ہو گیا

وحشت گیسو میں جا نکلے سوئے صحرا جو ہم
پیچ کھا کر جادۂ رہ مارِ پیچاں ہو گیا

تھا مسلماں جب تلک مشتاق کافر تھا وہ
میں ہوا کافر تو وہ ضد سے مسلماں ہو گیا

سوزنی پر مجھکو کانٹوں نے بٹھایا دشت میں
شامیانہ سایۂ نخلِ مغیلاں ہو گیا

تنگئی اُن کی بناوٹ سے ہماری جان پر
پائنچوں میں گو کمر دشنا کا تو پیکاں ہو گیا

خوبرویوں سے نہیں خالی زمانہ ایکدم
مہر پیدا ہو گیا جب ماہ پنہاں ہو گیا

کیا اثر ہے جو بہایا در لب لعلیں میں اشک
گرتے گرتے آنکھ سے لعلِ بدخشاں ہو گیا

کیا تبسم نے ترے اے رشکِ گل چھڑکا نمک
صحنِ گلشن میں ہر اک غنچہ نمکداں ہو گیا

ٹکڑے ٹکڑے ہو کے اڑ جاتا ہے آتی ہے بہار
دامنِ گل بھی مگر میرا گریباں ہو گیا

عشقبازوں سے بھری رہتی ہے تو اے چشم ناز
تجھ سے برگشتہ بجا ہر موئے مژگاں ہو گیا

ضعف سے میں قید بو کی طرح ہل سکتا نہیں
قد پرخم حلقۂ زنجیر زنداں ہو گیا

حسرتیں خوں ہو گئیں دلمیں تو لایا عشق رنگ
داغِ دل کا لالۂ گنج شہیداں ہو گیا

جب نقاب الٹی نگاہوں کا ہوا ایسا ہجوم
پڑ گئے پردے وہ رخ آنکھوں سے پنہاں ہو گیا

او کماندار اسکو کہتے ہیں ہجوم دردِ غم
تنگیٔ دل سے سمٹ کر تیر پیکاں ہو گیا

گیا میں گلزار میں ہم وحشی نازک مزاج
نکہتِ گل سے دماغ اپنا پریشاں ہو گیا

گل ہوا غنچہ تو یہ اُس سے صدا آئی امیر
جمع پھر ہوتا نہیں جب دل پریشاں ہو گیا

گل بنا ہر ایک نقشِ پا سے خنداں ہو گیا
یار جس کوچے میں جا نکلا گلستاں ہو گیا

تشنگانِ عشق کے لب بھی نہ ہونے پائے تر
وائے قسمت خشک وہ چاہِ زنخداں ہو گیا

بوسۂ گیسو پر اُس نے ذبح کر ڈالا مجھے
ایک کافر کے لئے خونِ مسلماں ہو گیا

اے پری بل دیکے زلفوں میں غضب تو نے کیا
اور بھی ہم قیدیوں پہ تنگ زنداں ہو گیا

ہم نے دیواں میں یہ مضمونِ دل اک وہ لکھا
صفحہ صفحہ تختۂ گورِ غریباں ہو گیا

کوچہ گردی میں دکھائی تیغِ قاتل نے بہار
بسملوں سے اُسکے ہر کوچہ گلستاں ہو گیا

پڑ گئی جسکی نظر اوس پہ وہ دیوانہ ہوا
حسن سے انساں بلائے جانِ انساں ہو گیا

پنڈلیوں تک آبِ خجلت میں پری غرق ہو گیا
آفتاب چشمہ وہ رخسارِ تاباں ہو گیا

نخلہائے دل کی یہ کثرت ہے تیرے دور میں
کوڑیوں کے مول ہر لعلِ بدخشاں ہو گیا

وحشیوں کی بستی قسمت نے پھیلائے یہ پانوں
جب گریباں کو لگایا ہاتھ داماں ہو گیا

دیکھ کر رنگ خزاں میں باغ کے در سے پھرا　　ہر نہال خشک مجھ کو چوب درباں ہو گیا
آسیا ہے چشم لیلیٰ نے یہ پیسا دشت میں　　بخت مجنوں سرمۂ چشم غزالاں ہو گیا
مر گئے ایذائے فرقت سے ہوئی حاصل نجات　　رفتہ رفتہ داغ مرہم درد درماں ہو گیا
کعبۂ دل کی زیارت کو طہارت تھی ضرور　　تیر کو واجب وضوئے آب پیکاں ہو گیا
پیچ مجھ کو کیا مرے گھر تک کو قسمت نے دیئے　　ہر ستوں کھا کھا کے بل شاخ غزالاں ہو گیا

نامۂ اعمال ہے جبتک نہیں ملتا امیر
میرے ہاتھ آیا یہ اور میرا گریباں ہو گیا

بے نشانی کا میں اے چرخ سزاوار نہ تھا　　دہن یار نہ تھا کچھ کمر یار نہ تھا
فتنہ تھا قہر تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا　　جب تلک دلکو سنبھالو نہیں دل زار نہ تھا
جب کہا اُس سے شب غم کوئی غمخوار نہ تھا　　درد نے اٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا
کیا بلا تھی نگہ ہوش ربا ساقی کی　　اُٹھ گئی آنکھ تو کوسوں کوئی ہشیار نہ تھا
بات رکھ لی مری قاتل نے گنہگار و نہیں　　اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا
تاب جلوے کی نہ آئی جو کسیکو تو کہا　　خوب دیکھا تو کوئی قابل دیدار نہ تھا
جوش وحشت اسے کہتے ہیں کہ آتی ہی بہار　　ہاتھ ڈالا تو گریباں میں کوئی تار نہ تھا
صاف دو ہاتھ سرو ہی کے اگر چل جاتے　　پھر تمھیں تجھ سے مجھے تم سے سروکار نہ تھا
آنکھیں پتھرا گئیں موسیٰ کی نہیں تو بر طور　　کچھ تجلی کے سوا پردۂ رخسار نہ تھا
لاش پر میری جو آئے تو رہے کیوں خاموش　　دم اعجاز تو قفل دہن اے یار نہ تھا
وہ کھنچا گر تو کھنچا شان تھی معشوق کی　　ہمسے کھنچنا تجھے اے خنجر خونخوار نہ تھا
کیا مزہ تجھ کو ملا دیکے فلک مجھکو شکست　　عہد ساقی میں نہ تھا توبۂ میخوار نہ تھا
خون ناحق سے جمایا تھا غضب کا لاکھا　　لب معشوق سے کچھ کم لب سوفار نہ تھا
مجھکو کیوں پیچ میں لایا دم آرائش حسن　　کچھ تری زلف کا طرہ تو میں اے یار نہ تھا

دعوت بد میں نہ ہوا کوئی امیر آکے شریک
یار سمجھا تھا میں جس کو وہ مرا یار نہ تھا

سارے جہاں کا رنج مرے دل میں آگیا — کیا کوزہ تھا کہ جس میں یہ دریا سما گیا
کوثر کا جام بھی ترے مقتول نے پیا — پر آب تیغ کا نہ زباں سے مزا گیا
کھائے تھے داغ جسکی محبت میں سیکڑوں — وہ پھول بھی نہ وہ سر تربت چڑھا گیا
بسمل تڑپ رہے ہیں نکلتا نہیں ہے دم — ایک ہاتھ اور بھی نہ وہ قاتل لگا گیا
سامان عرس کا جو کیا یار نے تو غیر — چھپ کر نشان میری لحد کا مٹا گیا
سوجھی نئی طرح کی یہ گرمی کہ رات کو — صیاد آشیانۂ بلبل جلا گیا
جاتا ہے نامہ لے کے کوئی نامہ بر تو کب — جانیکو گر کہا تو کبوتر اڑا گیا
اس بت کا دل ہلانا عجب کا مقام ہے — نالہ کیا تو عرش خدا تھرتھرا گیا
توڑی تڑپ کے زخمی شمشیر عشق نے — ٹانکے جو آہنی بھی رفوگر لگا گیا
موسیٰ اسی پہ دعوئ دیدار تھا تمہیں — دیکھا جو کوہ طور پہ جلوہ غش آگیا
ہوش و حواس جانیکا اے دل گلہ نہ کر — تو رہ گیا بلا سے جو کچھ تھا گیا گیا
ابرو کا شوق کوچۂ قاتل میں لے گیا — کعبے کے حج کو میں طرف کربلا گیا
گرمی سے گور میں جو ہوئے ہم عرق عرق — پنکھا نسیم خلد کا جھونکا ہلا گیا

نکلا خیال رنج میں نہیں دل سے دود آہ
ابر سیہ امیر گلستاں میں چھا گیا

بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا — کرتا نہ میں گناہ تو گناہ عظیم تھا
باتیں بھی کیں خدا نے دکھایا جمال بھی — اللہ کیا نصیب جناب کلیم تھا
کیوں تیغ ناز بھول گئی مجھ کو وقت قتل — میں بھی تو اک نیاز گذار قدیم تھا
مانگا جو میرے دلکو در گوش یار نے — دیتے ہی بن پڑا کہ سوال یتیم تھا

کیا رنگ اُسکے جاتے ہی گھر کا بدل گیا
دوزخ ہے آجکل جو ریاضِ نعیم تھا

ہم سے جو وہ کھنچا یہ گلے سے لپٹ گیا
قاتل سے بڑھ کے خنجر قاتل کریم تھا

کیا کیا نہ آفتوں کے رہے ہم کو سامنے
یارب شباب تھا کہ بلائے عظیم تھا

دنیا میں کچھ قیام نہ سمجھو کرو خیال
اس گھر میں تم سے پہلے بھی کوئی مقیم تھا

اب کون ہے جو منزل الفت میں ساتھ دے
دل بھی چھٹا رفیق جو اپنا قدیم تھا

پہنچے تو ہم بھی جلوہ گہ یار میں مگر
دو اک قدم بڑھا ہوا پائے کلیم تھا

لاتی کبھی ہمارے قفس تک بھی بوئے گل
ٹوٹا ہوا نہ پانوں ترا اے نسیم تھا

ہوتا نصیب کے ہمیں نقد عیش کیا
زیر زمیں بھی دور سپہر لئیم تھا

کیا چاہتا میں فیض کر انجم سے آسماں
اک تودۂ بلند عظام رمیم تھا

جس دن تھا میں چمن میں ہوا خواہ گل امیر
نامِ صبا کہیں نہ نشانِ نسیم تھا

وہ دن گئے کہ بزم میں بھی فیضِ عمیم تھا
محفل میں شمع تھا میں چمن میں نسیم تھا

کچھ ان کو زیب گوش کی حاجت نہ تھی مگر
منظور پرورش تھی کہ گوہر یتیم تھا

آنکھیں تھیں اپنی نور تجلی سے آشنا
جس دن نہ طور تھا نہ وجود کلیم تھا

تیرے مریض غم کی نہیں آج کچھ خبر
سنتے ہیں کل تو حال نہایت سقیم تھا

دنیا کا حال اہل عدم ہے یہ مختصر
اک دو قدم کا کوچۂ امید و بیم تھا

ہم اپنی دھن میں مست تھے کیا جانیں حشر میں
کس سمت کو جناں تھا کدھر کو جحیم تھا

سامان عفو کیا میں کہوں مختصر یہ ہے
بندہ گناہ گار تھا خالق کریم تھا

آخر جو خم میں بیٹھ رہا شکل وید ہے
تھی کچھ تو مصلحت کہ فلاطوں حکیم تھا

واقف وہ حال سے ہو جو رکھتا ہو کچھ غرض
کیا جانیں ہم بخیل کہ حاتم کریم تھا

غش مجھکو وصل میں نہیں آیا تھا اے پری
سرمست بوئے گیسوئے عنبر شمیم تھا

گلگشت میں نقاب اُلٹتے وہ رخ سے کیا
شرم آتی تھی صبا سے لحاظ نسیم تھا

رنگ چمن بہار میں بلبل سے پوچھئے
گل کا زمیں پہ پاؤں نہ شل نسیم تھا

الفت کی دل جلوں کو وہاں نیند آگئی
خس خانہ تھا کہ طبقہ نار جحیم تھا

کرتا میں دردمند طبیبوں سے کیا رجوع
جس نے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا

دامان گل کو خود نہ چھوا ورنہ اے امیر
کچھ ڈر صبا کا ہم کو نہ خوف نسیم تھا

دل اپنا زیر سایۂ امید و بیم تھا
جس دن جحیم تھا نہ ریاض نعیم تھا

سوراخ کیوں ہو سینۂ گوہر میں اے فلک
بتلا تو ہم کو کون گناہ یتیم تھا

محشر میں لقمہ میں نہ ہوا کی خدا نے خیر
مدت سے ورنہ کھولے ہوئے منہ جحیم تھا

تیری دوا سے اور مرا درد بڑھ گیا
شاید مرض سے ساز تجھے اے حکیم تھا

کیا جانیں کس غریب کی آئی تھی در پہ لاش
ہنگامہ کل جوان کی گلی میں عظیم تھا

خود کہہ رہا تھا شوق میں گستاخ دل مرا
اصرار قوم سے جو کلام کلیم تھا

قاتل کے خط سے قتل کا ہوتا نہ کیوں یقیں
عنوان نامہ آیۂ ذبح عظیم تھا

کیسی شفا مرض میں کہ الٹی ہوئی دوا
سمجھے نہ ہم رقیب ہمارا حکیم تھا

تلخی زبان دوست سے دیتی ہے کیا مزہ
شیریں تھا فتنک جو کلام کلیم تھا

ہم راز تب مزار میں پہنچے کہ کچھ نہ تھے
دل کو جو خوف جمع عظام رمیم تھا

کیسا سوال دید جو ہم پہنچے طور پر
سوزاں کہیں شجر تو کہیں غش کلیم تھا

روشن ہے آفتاب سے اعجاز مصطفےٰ
انگلی اٹھی کہ ماہ فلک بر دو نیم تھا

کب مجھ سے شل سایہ چھپے پنجتن کے پاؤں
پانچوں سواروں میں میں بزیر گلیم تھا

اس گل کا وصف چشم سناتا میں کیا امیر
نرگس کا پھول باغ میں گوش صمیم تھا

ہر جگہ جوشِ محبت کا نیا عالم ہوا
آنکھ میں آنسو جگر میں داغ دل میں غم ہوا

میرے مرتے ہی زمانہ درہم و برہم ہوا
یہ خوشی پھیلی کہ شادی مرگ اک عالم ہوا

موت آئی درد فرقت سے ہمیں صحت ہوئی
بڑھتے بڑھتے زخم آخر زخم کا مرہم ہوا

آنسوؤں سے بیقراری میں ذرا تسکین تھی
بڑھ گیا اور اضطرابِ دل جو رونا کم ہوا

روز کی فریاد سے تنگ آگئے تھے اسقدر
خلق کو مژدہ ہمارا نالۂ ماتم ہوا

میں ترا ممنون ہوں اے گریۂ بے اختیار
جب پڑی مجھ پر مصیبت میں شریک غم ہوا

رازداریٔ محبت کا میں کیا دعویٰ کروں
جس قدر محرم ہوا اُتنا ہی نامحرم ہوا

وائے قسمت رہ گئی حسرت ہی لطف یار کی
بڑھ گئی شان تغافل کچھ جو غصہ کم ہوا

بستے اپنے حال ابتر کے جو محشر میں کھلے
دفتر اعمال مردم درہم و برہم ہوا

چارہ گر گو لائے ہیں احباب درماں کے لئے
لو مرا زخم جگر بھی قابل مرہم ہوا

کیا دوا کی بیٹھ کر پہلو میں اُسکے تیر نے
درد دل بھی گھٹ گیا درد جگر بھی کم ہوا

مار ڈالا روز اول کی نگاہ لطف نے
ایک دم کا عیش ظالم عمر بھر کا غم ہوا

شور محشر بھی ہوا اگر شریک تعزیت
دھوم سے میرے دلِ مرحوم کا ماتم ہوا

رات بھر رویا کیا بے یار میں گلزار میں
صبح کو پھولوں سے رخصت صورت شبنم ہوا

ہوش کی بھی اب تو کوئی بات کرتے ہیں اسیر
کچھ تو وحشت نے کمی کی کچھ تو سودا کم ہوا

ہو نہیں وہ غمدوست جب غم نے کمی کی غم ہوا
کی شکایت چرخ سے جس روز صدمہ کم ہوا

کس طرح مکنون دل اظہار کرتا پیش یار
آج تک میں خود نہ اپنے راز کا محرم ہوا

لذتِ شرم گنہ تھی کب فرشتوں کو نصیب
یہ مزا چکھنے کو پیدا خلق میں آدم ہوا

میرے زخموں کی ہنسی پر تم کو رونا آگیا
یہ خوشی بھی کچھ خوشی تھی جسکا ایسا غم ہوا

تیرا دیوانہ جو آیا یہ ملایک نے کہا
انتظام عرصۂ محشر بھی لو برہم ہوا

نوک خنجر ہو کہ اے سفاک پیکان تیر کا
جو مرے پہلو میں آ بیٹھا مرا ہمدم ہوا

اونچے اونچوں کی مرے گل نے مٹا دی آبرو
چشمۂ خورشید گھٹ کر قطرۂ شبنم ہوا

ذبح کرتے ہو مجھے ایجان ڈھیلے ہاتھ سے
واہ اچھے وقت میں غصہ تمہارا کم ہوا

تیغ زنگ آلود خنجر کند قاتل خردسال
کیا کہوں مقتل میں وقت قتل کیا عالم ہوا

تنگ آ آ کر دعا فرقت میں مانگی موت کی
حسرتیں بگڑیں مزاج آرزو درہم ہوا

جان قالب میں ہے مضطر دم خفا دل بیقرار
موت ہی آئی مزاج یار کیا برہم ہوا

دل جگر دونوں تھے میری جان کے دشمن مگر
جو گیا پہلو سے میرے مجھ کو اس کا غم ہوا

رہ گئے وہ دو قدم چل کر مری میت کیساتھ
پانوں میں پھندا اٹکا کر گیسوئے پرخم ہوا

روکنا فرقت میں اشکوں کا نہیں اچھا اسیر
چار دن کے ضبط میں دیکھو تو کیا عالم ہوا

وہ کون تھا جو خرابات میں خراب نہ تھا
ہم آج پیر ہوئے کیا کبھی شباب نہ تھا

شب فراق میں کیوں یارب انقلاب نہ تھا
یہ آسمان نہ تھا یا یہ آفتاب نہ تھا

لحاظ ہم سے نہ قاتل کا ہو سکا دم قتل
سنبھل سنبھل کے تڑپتے وہ اضطراب نہ تھا

اُسے جو شوق سزا ہے مجھے ضرور ہے جرم
کہ کوئی یہ نہ کہے قابل عذاب نہ تھا

شکایت اُن سے کوئی گالیوں کی کیا کرتا
کسی کا نام کسی کی طرف خطاب نہ تھا

نہ پوچھ عیش جوانی کا ہم سے پیری میں
ملی تھی خواب میں وہ سلطنت شباب نہ تھا

دماغ بحث تھا کس کو وگرنہ اے ناصح
دہن نہ تھا کہ دہن میں مرے جواب نہ تھا

وہ کہتے ہیں شب وعدہ میں کسکے پاس آتا
تجھے تو ہوش ہی اے خانماں خراب نہ تھا

ہزار بار گلا رکھ دیا تہ شمشیر
میں کیا کروں تری قسمت ہی میں ثواب نہ تھا

فلک نے افسر خورشید سر پہ کیوں رکھا
سبوئے بادہ نہ تھا ساغر شراب نہ تھا

غرض یہ ہے کہ ہو عیش تمام باعث مرگ
وگرنہ میں تو کبھی قابل خطاب نہ تھا

سوال وصل کیا یا سوال قتل کیا — وہاں نہیں کے سوا دوسرا جواب نہ تھا
ذرا سے صدمے کی تاب اب نہیں وہی ہم ہیں — کہ ٹکڑے ٹکڑے تھا دل اور اضطراب نہ تھا
کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا — ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا
یہ بار بار جو کرتا تھا ذکر مے واعظ — پئے ہوئے تو کہیں خانماں خراب نہ تھا

امیر اب ہیں یہ باتیں جب اٹھ گیا وہ شوخ
حضور یار کے منھ میں ترا جواب نہ تھا

کہا جو میں نے کہ یوسف کو یہ حجاب نہ تھا — تو ہنس کے بولے وہ منھ قابل نقاب نہ تھا
شب وصال بھی وہ شوخ بے حجاب نہ تھا — نقاب الٹ کے بھی دیکھا تو بے نقاب نہ تھا
لپٹ کے چوم لیا منھ مٹا دیا انکار — نہیں کا اُنکے سوا اسکے کچھ جواب نہ تھا
مرے جنازے پہ اب آتے شرم آتی ہے — حلال کرنے کو بیٹھے تھے جب حجاب نہ تھا
نصیب جاگ اُٹھے سو گئے جو پانوں مرے — تمہارے کوچے سے بہتر مقام خواب نہ تھا
غضب کیا کہ اسے تو نے محتسب توڑا — ارے یہ دل تھا مرا شیشۂ شراب نہ تھا
زمانہ وصل میں لیتا ہے کروٹیں کیا کیا — فراق یار کے دن ایک انقلاب نہ تھا
تمہیں نے قتل کیا ہے مجھے جو تنتے ہو — اکیلے تھے ملک الموت ہمرکاب نہ تھا
دعائے توبہ بھی ہم نے پڑھی تو مے پی کر — مزہ بھی ہم کو کسی شے کا بے شراب نہ تھا
میں روئے یار کا مشتاق ہو کے آیا تھا — ترے جمال کا شیدا تو اے نقاب نہ تھا
بیان کی جو شب غم کی بے کسی تو کہا — جگر میں درد نہ تھا دل میں اضطراب نہ تھا
وہ بیٹھے بیٹھے جو دے بیٹھے قتل عام کا حکم — ہنسی تھی اُنکی کسی پر کوئی عتاب نہ تھا
جو لاش بھیجی تھی قاصد کی بھیجتے خط بھی — رسید وہ تو مرے خط کی تھی جواب نہ تھا
سرور قتل سے تھی ہاتھ پانوں کو جنبش — وہ مجھ پہ وجد کا عالم تھا اضطراب نہ تھا
ثبات بحر جہاں میں نہیں کسی کو امیر — ادھر نمود ہوا اور اُدھر حباب نہ تھا

نامہ لیکر جو کوئی کوئے بتاں سے آیا
میں یہ سمجھا کہ ملک باغ جناں سے آیا

میرے گھر میں جو کوئی اسکے مکاں سے آیا
چیخ اٹھا کہ میں دوزخ میں جناں سے آیا

اے جرس تو تو نہیں قافلے والوں سے جدا
تیری آواز میں یہ درد کہاں سے آیا

جانتا ہوں وہ کماندار کشیدہ ہے بہت
کہ کبھی تیر بھی مجھ تک نہ کماں سے آیا

اب کوئی کعبے میں دم بھر میں ٹھہر سکتا ہوں
برہمن بہر طلب کوئے بتاں سے آیا

شغل رونے کا ازل میں بھی مجھے تھا ورنہ
نوح کے وقت میں طوفان کہاں سے آیا

خبر مرگ مری دیر و حرم میں تو گئی
نہ یہاں سے کوئی آیا نہ وہاں سے آیا

بولتا کب ہے وہ سفاک پکاروں میں ہزار
کاش خنجر ہی کہے اپنی زباں سے آیا

مفتیوں سے کہو للہ وہ اب کہتے ہیں کیا
غش اُٹھیں روزۂ ماہ رمضاں سے آیا

دیکھ کر اس رخ و گیسو کو میں حیراں ہوں اسیر
شب تاریک میں خورشید کہاں سے آیا

مثل موسی سامنے میرے جو تو ہو جائیگا
لن ترانی میں مقام گفتگو ہو جائیگا

عشق میں تازہ دماغ آرزو ہو جائیگا
رنگ اڑکر چہرۂ عاشق سے بو ہو جائیگا

ضبط گریہ میں نہیں کرتا کہ رہتا ہے خیال
سوکھ کر کانٹا نہال آرزو ہو جائے گا

ہے اُبل پڑنے کا ڈر کیا دوں ترے قد سے مثال
سرد فوارہ کنار آب جو ہو جائے گا

ہو یہی رنگ ستم اس خال عارض کا اگر
مشک کا دل ناف آہو میں لہو ہو جائیگا

ہو کمی بیشی جو یہ تاثیر حسن و عشق کی
ذرّے ہم ہو جائینگے خورشید تو ہو جائیگا

آرسی پر کچھ نہیں موقوف اے آئینہ رو
جو تجھے دیکھے گا وہ میرا عدو ہو جائیگا

اُف نہ کر اے دل زمانہ پیس ڈالیگا تجھے
کھا کے کوڑا اور ابلق تند خو ہو جائیگا

تم جو اٹھ جاؤ گے بزم عیش ہوگی بزم غم
بادۂ گلرنگ شیشوں میں لہو ہو جائیگا

دست قاتل سے بڑھیگا تیغ کا پانی ضرور
تا کمر ہے آج کل تک تا گلو ہو جائے گا

بعد مردن شرم عصیاں سے ہوں ایسا آب آب
خاک سے میری تیمم بھی وضو ہو جائیگا

میرے میخانے سے اے ساقی کہاں جائیگی عید
ماہ نو یاں ناخن دست سبو ہو جائیگا

محو آب و تاب رنداں ہوں پڑھوں کیونکر نماز
آب گوہر ہاتھ میں آپ وضو ہو جائیگا

چھا رہی ہے دلمیں میرے اسقدر اے یاس کرب
دیکھ ظالم مفت خون آرزو ہو جائیگا

چار سو ٹکراؤں گا سر دیکھکر ابرو امیر
فرض اس کعبے میں سجدہ چار سو ہو جائیگا

اک جہاں بسمل ترا اے تندخو ہو جائیگا
چار ہی ہاتھوں میں شہرہ چار سو ہو جائیگا

جذب پر آمادہ گر اے شوق تو ہو جائیگا
خنجر قاتل مرا طوق گلو ہو جائے گا

طاقت دیدار کا دعویٰ ہے اہل دید کو
فاش پردہ ہوگا بے پردہ جو تو ہو جائیگا

اے تصور مجھ سے بخت تیرہ جاتا ہے کہاں
دل میں عکس زلف آئینے میں مو ہو جائیگا

بھلا میرے محتسب خراباتی اگر توڑیگا جام
محتسب کا ہاتھ خود دست سبو ہو جائیگا

ہوں وہ میکش شیشۂ مے کو کرونگا جب میں یاد
ہچکیاں لے لیکے بسمل کا گلو ہو جائیگا

میرے قلب صاف کے منہ پر نہ آئینہ چڑھے
آبرو مٹ جائیگی بے آبرو ہو جائیگا

یاس و حرماں کے اگر جھونکے ہیں فرقت میں بھی
کوئی دم میں گل چراغ آرزو ہو جائیگا

جائے عیسے ہجر میں ہوگی ہوس جلاد کی
بڑھتے بڑھتے درد دل درد گلو ہو جائیگا

کون سنتا ہے یہاں اے بت مری تیرے حضور
ختم یہ جھگڑا خدا کے روبرو ہو جائے گا

ساتھ میرا تو نہ چھوڑ اے یاس ہجر یار میں
اور بھی ویران دل بے آرزو ہو جائیگا

پھول اے بلبل نہ پھولوں پر دو روزہ ہے بہار
ایک جھونکے میں ہوا سب رنگ و بو ہو جائیگا

بھول باتوں پر نہ بھول آج اس گل تر کے دلا
دیکھنا کل اور رنگ گفتگو ہو جائیگا

عیب اصلی عارضی زینت سے چھپتا ہے کوئی
غازہ مٹنے سے نہ زنگی خوبرو ہو جائیگا

فصل گل آنے تو دو فصد ونکا پھر کیا ہے شمار
ظرف بھر بھر جائینگے پانی لہو ہو جائیگا

خوب گلرویوں سے آتا ہے ہمارے دلکو ربط
رنگ ہیں یہ رنگ ہوگا بو ہیں بو ہو جائیگا

داغ حسرت گھر سے میں لیکر کہاں جاؤں امیر
جانتا ہوں گل چراغ آرزو ہو جائے گا

یہی جو سودا ہے تجھ حزیں کا پتا کہاں کوئے نازنیں کا
غبار ایسا نہیں کہیں کا نہ آسماں کا نہ ہی زمیں کا

یہ طرز وحشت نے رنگ باندھا کہ ہو گیا دو جہاں کو سودا
زمیں پہ جادہ فلک پہ جوزا نشانہ ہے چاک آستیں کا

ذرا جو کاتب کو رحم آتا تو بخت بنیاد ہی مٹاتا
درست لکھتا تو ٹوٹ جاتا قلم ہمارے خط جبیں کا

چمن ہے بلبل کے خون کا محضر گواہ ہیں برگ و بر سراسر
نہیں ہے یہ داغ لالۂ تر یہ نقش ہے مہر کی نگیں کا

یہ جتنے پتلے ہیں ماء و طیں کے نہ آسماں کے نہ ہیں زمیں کے
نشاں تک مٹ گئے جبیں کے کھلا نہ مطلب خط جبیں کا

غم محبت ہے جسکا مطلب کہے وہ ست اُس دل کی حیرت عیاں کب
کرے ہے جبتک ہے خم لبالب پتا کہاں درد تہ نشیں کا

کیا تھا کیوں دعائے باطل ہوا تھا اس دل سے کیوں مقابل
سزا ملی ہو گیا یہ دل جو مشک نافہ غزال چیں کا

بڑھے سلیماں سے جتنے رتبے تمہاری الفت کے تھے کرشمے
یہ نقش جس دل میں جمکے بیٹھے بلند ہو نام اس نگیں کا

کہاں کا نالہ کہاں کا شیون ثنائے قاتل ہو وقت مردن
قلم ہوئی ہے بدن سے گردن زباں پہ نعرہ ہے آفریں کا

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا قتل کیونکر
جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکاریگا آستیں کا

عجب مرقع ہے باغ دنیا کہ جسکا صانع نہیں ہویدا
ہزارہا صورتیں ہیں پیدا پتا نہیں صورت آفریں کا

ہوا نہ دشوار جسکو مرنا اسی گلی میں تھا اپنی دھرنا
نہ تھا مناسب عزیز کرنا ہوئے پہ دو چار گز زمیں کا

لکھا جو وصف ایک گلبدن کا تو رنگ پیدا ہوا چمن کا
جو صفحہ ہے برگ یاسمن کا تو خامہ ہے شاخ یاسمیں کا

کمال احباب سے ہے شکوہ کیا نہ عرس ایک دن ہمارا
سر لحد ہے ہجوم ہوتا کبھی حسینان مہ جبیں کا

اثر ہے گیسو کا یہ تمہارے کہ حرف اگیں ہیں حرف سارے
ورق ہے دیواں میں جو ہمارے وہ تختہ ہے عطر کی زمیں کا

نہیں ہے اب ذکر رسم ماضی گنہ کی تعذیر پر ہوں راضی
لگائے درہ جو مجھ کو قاضی کسیکے گیسوئے عنبریں کا

خدا سے جبتک نہ ہو شناسا حرم دلکا ہے شوق بیجا
مکان کا تب پتا ملیگا کہ جب پتا یاد ہو مکیں کا

کہاں ہیں ایسے نصیب اپنے کہ پڑھکے مضموں جواب لکھے
اڑائے نامے کے اُس نے پرزے کھلا لفافہ خط جبیں کا

ملا ہے جنکو دل مصفا بُرے کو بھی دیکھتے ہیں اچھا
پڑیگا عکس آئینے میں سیدھا ہزار اُلٹا ہو خط نگیں کا

جنونکا ہمپر ہے قطع جامہ قبا کہاں کی لباس کیسا
ہمارے بازو تلک نہ پہونچا کسی طرح ہاتھ آستیں کا

کس آستانے پہ جا پڑا ہوں کہاں الہٰی میں جبہہ سا ہوں
کہ سر نہ اٹھے ہزار چاہوں یہ ربط ہے سجدہ و زمیں کا

کہاں کا کعبہ ہے دیر کیسا بتاؤ کوچے کا اسکے رستا
میں پوچھتا ہوں پتا کہیں کا نشان دیتے ہو تم کہیں کا

امیر گھڑیوں رہی خموشی گلے سے آواز تاک نہ نکلی
خیال جس رات خواب میں بھی بندھا کسی چشم سرمگیں کا

ہوا جو پیوند میں زمیں کا تو دل ہوا شاد مجھ حزیں کا
بس اب ارادہ نہیں کہیں کا کہ رہنے والا ہوں میں یہیں کا

اگرچہ پیری میں ناتواں ہیں شباب کے کچھ اثر عیاں ہیں
نہیں یہ بازو میں جھریاں ہیں نشان ہے چین آستیں کا

فقط ہے تیرا خیال باطل کہ راستی میں ہو نام حاصل
درست اٹھے کبھی نہ اے دل جو نقش اُلٹا ہو نگیں کا

کہیں مکرر زباں سے کتنا کوئی مخاطب نہیں ہے اصلا
ہمارا اظہار غم ہے گویا سوال درویش رہ نشیں کا

کھلے ہیں یہ استخواں بپیکر کہ پوست ہی پوست ہے سراسر
کلاہ کا شک ہے میرے سر پہ گماں ہے بازو پر آستیں کا

جہاں میں ہیں داد رس بہت کم از آج پامال ہے یہ عالم
کہ لی فرشتوں نے خاک آدم بنا یہ شور ابتک بھی زمیں کا

ہوا نے مے میں ہو بل مچایا چمن میں گھر کر جو ابر آیا
سیاہ مستی میں میں یہ سمجھا جہاز ہے آب آتشیں کا

سفر مبارک ہو آخرت کا بخیر انجام ہو خدایا
جو گھر سے نکلے مرا جنازہ تو سامنا ہو کسی حسیں کا

جو شعلہ بالائے طور چمکا چھپا گئی جس کسے چشم موسے
بجھا ہوا تھا کوئی شرارہ تمہارے رخسار آتشیں کا

کیا ہے اس مست نے کنارا اب ورد خاک ہو گوارا
لہو پیو میکشو ہمارا جو نام لو آب آتشیں کا

لحد پہ میرے نہ آئے کہدو کوئی یہ دزد کفن سے یارو
برہنہ دیکھے نہ گور مجھکو میں کشتہ ہوں چشم سرمگیں کا

ہوئی ہے تقدیر سے رسائی ضرور ہے قسمت آزمائی
کرینگے اس در پہ جبہہ سائی نشان جبتک ہے یہ جبیں کا

جو دشت غربت میں کھینچی ایذا نہ تھا تصور کبھی وطن کا
بھری جو چشم غزال صحرا دکھا دیا رنگ شہر بیں کا

چمن میں غنچہ نہیں کھلا ہے وہ گل پہ ہے بار اکو ہا
یہ کوئی تعویذ کھل پڑا ہے اسی کے بازوئے نازنیں کا

اسیکا پھیلا ہے نور سارا کہاں کا خورشید عالم آرا
گرا ہوا ہے کوئی ستارہ لباس زرتار مہ جبیں کا

جبیں جو بیٹھی زبانسے مانگیں تو جان شیریں سے بلبلیں نذر دیں یہ
ہنسی خوشی سے جو زہر دیں وہ تو لے مجھکو انگبیں کا

جو دیکھی نرگس کی شرمساری جھڑی ہوئی آنسوؤں کی جاری
نگاہ میں پھر گیا ہماری حجاب اس چشم سرگیں کا

عجب ہے آئینے کا مقدر کہ عکس افگن ہے چشم دلبر
قدم نکالا نہ گھر سے باہر شکار کھیلا غزال چیں کا

جو تیغ ساعد ہوئی مقابل تڑپ گئی خلق مثل بسمل
الٹ گئی صف جو تو نے قاتل الٹ دیا گوشہ آستیں کا

امیر دیکھا جو اسکا نقشہ تو نقشہ یوسف کا دل سے اترا
کہ نقش ثانی کے آگے ہوتا فروغ کیا نقش اولیں کا

ردیف بای موحدہ

سیکھ کر مجھ نالہ کش سے طرز افغاں عندلیب
صحن گلشن میں ہوئی ایسی خوش الحاں عندلیب

ہوں وہ عاشق قد و عارض کا جو گلشن سے چلوں
فاختہ پکڑے مرا دامن گریباں عندلیب

رحم کر یوں پھول بیدردی سے اے گلچیں نہ توڑ
سر پہ نالوں سے اٹھا لیگی گلستاں عندلیب

فصل گل آنے تو وہ اڑ جائیگی لیکر قفس
خانۂ صیاد میں دو دن ہے مہماں عندلیب

برق آسا ہے فروزاں خندۂ گل باغ میں
چاہیے برسائے اب اشکوں کا باراں عندلیب

چھوڑ کر تیرے رخ رنگیں کو اے رشک چمن
گل پہ مرتی کس لیے ہوتی جو انساں عندلیب

فصل گل میں پھول دکھلائیں جو پریونکا جمال
کیوں نہ ہو پھر دم کش مرغ سلیماں عندلیب

عاشق کامل کو وصلت میں زیادہ ہے ملال
فصل گل میں بیشتر ہوتی ہے نالاں عندلیب

کون گل ہے جو رخ گلرنگ پر عاشق نہیں
تو وہ گل ہے جسپہ ہے سارا گلستاں عندلیب

جو پسند آجائے عاشق کو وہی معشوق ہے
سرو قمری پہ فدا ہے گل پہ قرباں عندلیب

اڑ کے گل خود شوق میں پہنچا ہے دستار تک
کس لیے گلچیں سے ہے دست و گریباں عندلیب

تو کرے چوڑی جو اپنے ہاتھ کی اے گل جدا
مول لے دیکر زر گل دستگرداں عندلیب

شوق میں لالوں کے جائے باغ میں وہ گل اگر
لال ابھی ہو خون گل میں ہو کے غلطاں عندلیب

قابوئے صیاد میں آتی کبھی ممکن نہ تھا
دام گو ابھی ترا گیسوئے پیچاں عندلیب

وہ بھی دن آئے کہ اُترے تیرے صدقے میں کبھی ۔ اے گل تر دلیں رکھتی ہے یہ ارماں عندلیب

فاتحہ خوانی کو جب وہ گلبدن آیا امیر
بن گئے سب ساکنِ شہرِ خموشاں عندلیب

کیا ہنسی ہے گریۂ عشاق مضطر کا جواب ۔ سوچ کر رکھو کچھ سوال روزِ محشر کا جواب
دردِ پا ہوگا شکستِ کاسۂ سر کا جواب ۔ غافلوں کو دیگی میری لاش ٹھوکر کا جواب
منہ چڑھاتا ہے مرا کیا آئینے میں دیکھ تو ۔ تجھ کو دیتا ہے دہن تیرا برابر کا جواب
شوق سے لکھیں مرے عصیاں فرشتے رات دن ۔ ایک آیۂ رحمت اسکی ہے اس سارے دفتر کا جواب
ایکدن وہ میرے گھر ہے ایکدن وہ اُسکے گھر ۔ غیر کی قسمت بھی ہے میرے مقدر کا جواب
جب میں کہتا ہوں کہو گے کیا خدا کے سامنے ۔ کہتے ہیں تم کو بتا دیں روزِ محشر کا جواب
نرم دل سے نرم دل ہیں سخت گو سے سخت گو ۔ شیشے کا شیشہ یہاں پتھر کے پتھر کا جواب
بے زباں ہے گوش یاروں کی کڑی کبتک سنے ۔ اے زباں تو اُسکے بدلے دے برابر کا جواب
اُس نے خط بھیجا جو مجھ کو ڈاک پر ڈاکا پڑا ۔ یار کیا کمتا نہ تھا میرے مقدر کا جواب
منہ چڑھاؤ اور کا تیوری چڑھاؤ اور پر ۔ آئینہ ہوں منہ پہ دونگا میں برابر کا جواب
کس لئے ڈرتے ہو ہنگامے سے آؤ تو سہی ۔ پانوں کی خلخال دیگی شورِ محشر کا جواب
پھینکدو خط لکھ کے قاصد سے جو تم بیزار ہو ۔ اُڑ کے آئیگا جو ہے میرے مقدر کا جواب
منہ کی کھائی سیکڑوں بال آئینے میں پڑ گئے ۔ لیکے آیا تھا تری زلفِ معنبر کا جواب

رہ گیا خاموش وہ بت بے دہانی سے امیر
یا نہ تھا کوئی سوال جانِ مضطر کا جواب

ہے خموشی ظلم چرخِ دیو پیکر کا جواب ۔ آدمی ہوتا تو ہم دیتے برابر کا جواب
جو بگولا دشتِ غربت میں اٹھا سمجھا یہ میں ۔ کرتی ہے تعمیر ویرانی مرے گھر کا جواب
ساتھ خنجر کے چلیگی وقتِ ذبح اپنی زباں ۔ جان دینے والے دیتے ہیں برابر کا جواب

سجدہ کرتا ہوں جو میں ٹھوکر لگاتا ہے وہ بت — پانوں اُس کا بڑھکے دیتا ہے مرے سر کا جواب
ابر کے لگے نہ آنکھیں میری موجِ اشک سے — خشک مضموں سے ہے مشکل مصرعِ تر کا جواب
وہ کھنچا تھا میں بھی کھنچ رہتا تو بنتی کسطرح — سر جھکا دینا تھا قاتل تیرے خنجر کا جواب
جیتے جی ممکن نہیں اس شوخ کا خط دیکھنا — بعد میرے آئیگا میرے مقدر کا جواب
شیخ کہتا ہے برہمن کو برہمن اُسکو سخت — کعبہ و بتخانہ میں پتھر ہے پتھر کا جواب
روز دکھلاتا ہے گردوں کیسی کیسی صورتیں — بت تراشی میں ہے یہ کافر بھی آذر کا جواب
ہر جگہ قبرِ گدا تکیے میں ہر جا گورِ شاہ — ایک گھر اس شہر میں ہے دوسرے گھر کا جواب

جلوہ گر ہے نورِ حق ہونے سے یکتائی امیر
سایہ بھی ہوتا اگر ہوتا پیمبر کا جواب

پلا ساقیا ارغوانی شراب — کہ پیری میں دے نوجوانی شراب
وہ شعلہ ہے ساقی کہ رنجک کی طرح — اُڑا دیتی ہے ناتوانی شراب
کہاں بادۂ عیش تقدیر میں — پیوں میں تو ہو جائے پانی شراب
نہ لایا ہے شیشہ نہ جام و سبو — پلاتا ہے ساقی زبانی شراب
کہاں عقلِ برنا کہاں عقلِ پیر — نئی سے ہے بہتر پرانی شراب
مرے چہرۂ زرد کے عکس سے — ہوئی ساقیا زعفرانی شراب
ہوئے مست دیکھا جو پھولوں کا رنگ — پیالوں میں تھی ارغوانی شراب
کہاں چشمۂ خضر کیسے خضر — خضر ہیں مری زندگانی شراب
خضر ہوں اگر میں تو جا کر پیوں — سرِ چشمۂ زندگانی شراب
گلستاں ہے پھولوں سے کیا لعل لعل — چلے ساقیا ارغوانی شراب
عجب ساقی گندمی رنگ ہے — کہ پرتو سے بنتی ہے دھانی شراب
رہے طاق پر پارسائی امیر — پلائے جو وہ یارِ جانی شراب

لائے گا رنگ خونِ دلِ داغدار کب
آئیگی اس چمن میں الٰہی بہار کب

رویا ہمارے حال پر ابرِ بہار کب
بیٹھا زمیں پر اٹھ کے ہمارا غبار کب

اُٹھے گا میری خاک سے یارب غبار کب
آئے گا ہاتھ گوشۂ دامانِ یار کب

مقتل سے وہ پھرے تو قضا نے یہ عرض کی
حاضر ہوا اب حضور میں یہ جاں نثار کب

داغوں سے دل چمن ہی کروں ضبط آہ کا
رکتی ہے روکنے سے نسیمِ بہار کب

ناصح خوشی سے کون اُٹھاتا ہے بارِ عشق
کرتا ہے کوئی آپ سے جبر اختیار کب

ٹھنڈی ہوا ہے ابر ہے ساقی ہے نہر ہے
کھیلو گے میکشو بطِ مے کا شکار کب

ہمکو ملا کے خاک میں بھی جب ہوئے نہ صاف
جائیگا پھر حضور کے دل سے غبار کب

کہتی ہے مرغِ دل سے یہ وہ چشمِ فتنہ گر
بچتا ہے زد پر آکے ہمارا شکار کب

کیا کیجئے گلہ کہ نہ آیا وہ دفن کو
مرنے کا میرے اُن کو ہوا اعتبار کب

میں خاک بھی ہوا تو ہوئی خاک گردباد
گردش مٹیگی اے مرے پروردگار کب

محشر میں ایک ایک سے ہم پوچھتے پھرے
آخر تمام ہوگا غمِ انتظار کب

آئے ہما کو بھی نہ مرے استخواں پسند
خوش ہوگا ان کو کھا کے سگِ کوئے یار کب

برہم نسیمِ کوچۂ جاناں ہے کس لیے
تعظیم کو اُٹھا نہ ہمارا غبار کب

جسکا دماغ ہے ترے جوڑے کی بو سے مست
سونگھے وہ بوئے نافۂ مشکِ تتار کب

ہم کیا سمجھ کے یار سے رکھیں امیدِ قتل
کرتا ہے عاشقوں میں وہ ہم کو شمار کب

یارب نگاہ پھیر کے وہ دیکھینگے کب ادھر
ہوگا یہ تیر میرے کلیجے کے پار کب

میں تو تڑپ تڑپ کے ہوا عشق میں تمام
آئے گا چین تجھ کو دلِ بے قرار کب

کیا بیکسی کا شکوہ کروں میں فراق میں
آتا نہیں ہے گریۂ بے اختیار کب

جو تجھ کو جانتے ہیں فلک کا شریکِ غم
کہتے ہیں شکوۂ ستمِ روزگار کب

مرنے کو منع ہم نہیں کرتے مگر امیر
سو مر گئے تو اُن کو ہوا اعتبار کب

ردیف تاء فوقانیہ

کیوں نہ کھٹکے مجھے جو خار ہے بر ہم زن دوست
دوست کے دوست کا دشمن ہے جو ہے دشمن دوست

دیکھ کر ربط گل و خار یہ امید ہوئی
شاید آجائے مرے ہاتھ میں بھی دامن دوست

مثل یعقوب مری آنکھیں بھی روشن ہو جائیں
لا کسی روز صبا نکہت پیراہن دوست

طرف کعبہ نہ جا حج کے لیئے ناداں ہے
غور کر دیکھ کہ ہے خانۂ دل مسکن دوست

ملک الموت سے کہدو کہ نہ تکلیف کریں
مرگ آسان ہے مگر کون سنے شیون دوست

شاخ صندل پہ ہوا مار سیہ کا دھوکا
دیکھ کر کاکل پر پیچ پس دشمن دوست

اے جنوں یاں کوئی بے کار رہا جاتا ہے
یا گریباں ہے مرے ہاتھ میں یا دامن دوست

ہم تو نظارے سے محروم خدا کی قدرت
آئینہ اور تماشائے رخ روشن دوست

رہ گیا شوق مری لاش کو پامالی کا
گرم جولاں نہ کسی روز ہوا توسن دوست

ہے وصیت کہ کفن مجھ کو اسی کا دینا
ہاتھ آجائے جو اترا ہوا پیراہن دوست

لیکے گردوں نے بنایا ہے اسی کو مہ نو
گر پڑا تھا جو کوئی نعل سم توسن دوست

عکس ہر عضو کا ہر عضو میں کیونکر نہ پڑے
کہیں آئینے سے بڑھ کر ہے صفائے تن دوست

کیوں نہ ملبوس پہ فانوس کا دھوکا ہو امیر
شمع روشن سے زیادہ ہے فروغ تن دوست

ایک ہے میرے حضر اور سفر کی صورت
گھر میں ہوں گھر سے نکلکر بھی نظر کی صورت

چشم عشاق سے پنہاں ہو نظر کی صورت
وصل سے جان چراتے ہو کمر کی صورت

ہوں وہ بلبل کہ جو صیاد نے کاٹے مرے پر
گر گئے پھول ہر اک شاخ سے پر کی صورت

جھانک کر روزن دیوار سے وہ تو بھاگے
رہ گیا کھول کے آغوش میں در کی صورت

تیغ گردن پہ کہ ہے سنگ پہ آہیں دم ذبح
خون کے قطرے نکلتے ہیں شرر کی صورت

کون کہتا ہے ملے خاک میں آنسو میرے
چھپ رہے گرد یتیمی میں گہر کی صورت

نہیں آتا ہے نظر المدد اے خضر اجل
جادۂ راہ عدم موئے کمر کی صورت

پڑ گئیں کچھ جو مرے گرم لہو کی چھینٹیں
اڑ گیا جوہر شمشیر شرر کی صورت

تیری وادی غربت میں بنے گی اک دن
اور کوئی نظر آتی نہیں گھر کی صورت

خشک سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرع تر کی صورت

آفت آغاز جوانی ہی میں آئی مجھ پر
بجھ گیا شام سے دل شمع سحر کی صورت

جلوہ گر بام پہ وہ مہر لقا ہے شاید
آج خورشید سے ملتی ہے قمر کی صورت

دہن یار کی توصیف کڑی منزل ہے
چست مضمون کی بندش ہو کمر کی صورت

نو بہار چمن غم ہے عجب روز افزوں
بڑھتی جاتی ہے گرہ دل کی ثمر کی صورت

ہوں بگولے کی طرح سے میں سراپا گردش
رات دن پانوں بھی چکر میں ہیں سر کی صورت

بارش سنگ حوادث ہو نہ کس طرح امیر
آہ ہے شکل شجر اشک ثمر کی صورت

رنگ فق صبح کو کیوں ہو نہ سحر کی صورت
پھرتے ہیں شام سے شب بھر وہ قمر کی صورت

دل شکستہ میں وہ ہوں خط جو کبوتر کو دیا
گر پڑا اڑتے ہی ٹوٹے ہوئے پر کی صورت

ہوش اڑے تھے تو اڑے تھے خبر وصلت سے
نیند کیوں اڑ گئی آنکھوں سے خبر کی صورت

چمن دہر سے کیوں قطع نہ ہو نخل مراد
پتا پتا نظر آتا ہے تبر کی صورت

جھک گیا بار محبت کے اٹھانے کے لئے
ابھی کھنچ بھی نہ چکی تھی مرے سر کی صورت

دیکھتے ہی مجھے جو رنگ کیا قاتل نے
تیغ ابرو بھی چلی تیر نظر کی صورت

سایہ آسا ترے کوچہ میں ہے سب سے مجھے رسم
راہ دیوار بھی دیگی مجھے در کی صورت

باندھ رکھ کسکے گرہ میں کہ بہت تھوڑی ہے
آبرو ہے جو خداداد گہر کی صورت

رات دن کعبۂ دل میں ہے بتوں کا مجمع
کیا سے کیا ہو گئی اللہ کے گھر کی صورت

شکوہ کس کس کا الٰہی میں شبِ ہجر کروں — منہ چھپایا ہے اجل نے بھی سحر کی صورت
اس نزاکت پہ ہیں سو جان سے صدقے قاتل — ہاتھ بھی تیغ لچکتی ہے کمر کی صورت
وہ تہیدست ہوں مذکور تمتع کا ہے کیا — صورتِ گل بھی نہ دیکھی کبھی زر کی صورت
طرفہ آنکھوں کو دکھاتی ہے تماشا تری بزم — پتلیاں دوڑتی پھرتی ہیں نظر کی صورت
عمر گذری ہے مری وادیٔ غربت میں مگر — اب تلک یاد ہے کچھ کچھ مجھے گھر کی صورت
شہپرِ شوق ہی کافی ہے کبوتر کیسا — اڑ کے نامہ مرا پہونچیگا خبر کی صورت
سینچ اے دیدۂ تر مزرعِ دل کوالیا — نخلِ ماتم بھی پھلے پھولے شجر کی صورت

قبر میں چین سے یاروں کی گذرتی ہے امیر
پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں گھر کی صورت

بات کرنے میں تو جاتی ہے ملاقات کی رات — کیا بڑی بات ہے رہ جاؤ یہیں رات کی رات
ذرے افشاں کے نہیں کرمکِ شب تاب سے کم — ہے وہ زلفِ عرق آلود کہ برسات کی رات
زاہد اس زلف میں پھنس جائے تو اتنا پوچھوں — کہیئے کس طرح کٹی قبلۂ حاجات کی رات
شام سے صبح تلک چلتے ہیں جامِ مئے عیش — خوب ہوتی ہے بسر اہلِ خرابات کی رات
وصل چاہا شبِ معراج تو یہ عذر کیا — ہے یہ اللہ و پیمبر کی ملاقات کی رات
ہم مسافر ہیں یہ دنیا ہے حقیقت میں سرا — ہے توقف ہمیں اس جا تو فقط رات کی رات
چپکے اب سو رہو باتیں نہ بناؤ صاحب — وصل کی شب ہے نہیں حرف و حکایات کی رات

لیلۃ القدر ہے وصلت کی دعا مانگ امیر
اس سے بہتر ہے کہاں کوئی مناجات کی رات

بڑھکے کچھ کعبے سے بھی ہے عز و شانِ کوئے دوست — ہیں غزالانِ حرم صیدِ سگانِ کوئے دوست
کیا زمیں پکڑی ہے ظالم نے میانِ کوئے دوست — پھٹ پڑے دشمن پہ یارب آسمانِ کوئے دوست
دور سے آئے ہیں ہم اے ساکنانِ کوئے دوست — دو جگہ ہمکو بھی تھوڑی سی میانِ کوئے دوست

کی مشقت جسنے پہنچا وہ میان کوئے دوست — معتکف چلہ نشیں ہیں ساکنان کوئے دوست

باغ جنت پر بھی دیتا ہوں اسے ترجیح میں — کون ہے مجھ سے زیادہ درمیان کوئے دوست

رہتے ہیں تسبیح میں تقدیس میں تہلیل میں — قدسیوں سے کم نہیں ہیں سالکان کوئے دوست

الفلک وا مثل نرگس دیر سے ہے چشم شوق — جلد دکھلا دے بہار بجزان کوئے دوست

جھک گئی گردن گریباں کیطرف جب وقت فکر — نحن واقرب سے ملا ہمکو نشان کوئے دوست

ہے یقیں ہو رجعت خورشید سے جلدی سحر — حکم حیدر ہے صدائے پاسبان کوئے دوست

گلشن جنت کی کیا پروا ہے اے رضواں ہمیں — ہیں جو مشتاق بہشت جاودان کوئے دوست

بلبلوں کے چہچہے جب باغ میں جاکر سنے — یاد آئے ہمکو کیا کیا پاسبان کوئے دوست

اے ہما بیفائدہ تو نے قدم رنجہ کیا — مستحق ان ہڈیوں کے ہیں سگان کوئے دوست

دیکھوں اے واعظ کسے سنتے ہیں دل سے سامعیں — وصف تو فردوس کا کر میں بیان کوئے دوست

جب کھلا تفسیر سے مضمون جنات نعیم — میں یہ سمجھا ہے یہ قرآں میں بیان کوئے دوست

میرے اشکوں سے جو دریا موجزن ہے رات دن — مردم آبی بنے ہیں رہروان کوئے دوست

ہے نیا عالم ہی اس عالم سے وہ عالم جدا — اور ہی کچھ ہیں زمین و آسمان کوئے دوست

جب قدم رکھا زمیں پر آسماں پر جا پڑا — بارہا ہم نے کیا ہے امتحان کوئے دوست

نامہ بر میں جانتا ہوں پر بتا سکتا نہیں — دل میں ہے لب تک نہیں آتا نشان کوئے دوست

چاہتے ہو داب لو اس کو بغل میں اے امیر
بوستاں سعدی کی ٹھہرا بوستان کوئے دوست

ردیف ثائے مثلثہ

گریہ بے سود ہے نالے دل ناشاد عبث — دادرس کوئی نہیں شکوۂ بیداد عبث

کھنچ گئی روح بدن سے تری شمشیر کیساتھ — حوصلہ وار لگانے کا ہے جلاد عبث

ایک رنگ آتا ہے یاں ضعف سے اک جاتا ہے
رنگ بھرنا مرے نقشے میں ہے بہزاد عبث

بندہ ہوں تیری محبت کا میں جاؤنگا کہاں
بند کرتا ہے قفس میں مجھے صیاد عبث

ایک مشتاق شہادت بھی تو جوہر نہ ہوا
تجھ میں جوہر ہیں یہ اے خنجر فولاد عبث

وہ گل آیا ہے نہ آئیگا کبھی گلشن میں
سرو قد اٹھتے ہیں تعظیم کو شمشاد عبث

داد بھی دیگا وہی جس نے یہ کی ہے بیداد
دوڑتی پھرتی ہے ہر سو مری فریاد عبث

لاکھوں گھر اور ہیں دل میں مرے کیا رکھا ہے
کرتی ہے خانہ خرابی اسے برباد عبث

عمر رفتہ پہ تاسف سے نہیں کچھ حاصل
وہ ہمیں بھول گئے کرتے ہیں ہم یاد عبث

سنکے دردِ دل عشاق یہ کہتا ہے وہ بت
بندے اللہ کے ہو مجھسے ہے فریاد عبث

بال بال اسکا گرفتار بلا ہوتا ہے
بندۂ عشق کو سب کہتے ہیں آزاد عبث

جان دی کام میں معشوق کے سب کچھ پایا
کون کہتا ہے کہ تھی محنت فرہاد عبث

انتہا تک رہے پابند شریعت کے امیر
ظاہری قید سے گھبراتے ہیں آزاد عبث

ردیف جیم

کہنے سے تیرے یاس ہوئی مجھکو یار آج
کل تک تو قیامت کا ہے انتظار آج

مجنوں کی قبر سے جو اٹھا پھر غبار آج
گذرا ادھر سے کیا کوئی محمل سوار آج

تم بھی بناؤ کر کے چلو سیر باغ کو
نکھرا ہوا ہے رنگ عروس بہار آج

قاتل جو یوں ہی روز ترقی ہے حسن کی
کل سو ہوئے تھے قتل مریں گے ہزار آج

ہاں سچ ہے قید بوسۂ گیسو کی ہے سزا
کل کا نکالتے ہیں وہ مجھ سے غبار آج

کل تک تو میرے سایے سے تم بھاگتے تھے روز
بیٹھے ہو پاس آ کے کہو کیا ہے یار آج

حسرت سے بعد مرگ بھی آنکھیں کھلی رہیں
سمجھے تھے ہم تمام ہوا انتظار آج

بد نظر بتوں کو مرا امتحاں ہے اب
رہ جائے آبرو مری پروردگار آج

قاضی برہنہ سر ہے تو زخمی ہے محتسب
شاید کہ پی گئے ہیں بہت بادہ خوار آج

مشتاقِ قتل کون ہوا رات کو شمار
کھدتا ہے تیرے کوچے میں کس کا مزار آج

ہمدم دراز ہے شبِ فرقت تو غم نہیں
شب بھر رہے فسانۂ گیسوئے یار آج

کھینچے ہوئے ہیں تیغ وہ بڑھ بڑھ کے رکھ قدم
اے دل یہی تو وقت ہے ہمت نہ ہار آج

روتا ہے باغبان درِ گلشن پہ زار زار
شاید چمن سے ہوتی ہے رخصت بہار آج

کانٹوں میں لے چلا ہے جنوں مجھ کو کھینچتا
باقی رہے گا ایک نہ دامن میں تار آج

کل تک انھیں بھی صاف مٹا دیگا آسماں
باقی کہیں کہیں ہیں جو نقش و نگار آج

قاتل نے ہاتھ روک لیا کیا غضب کیا
مایوس ہو گیا دلِ امیدوار آج

رہ رہ کے ہچکیاں مجھے آتی ہیں کیوں امیر
کرتے ہیں یاد کیا وہ مجھے بار بار آج

گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلعذار آج
پھرتی ہے باغ باغ نسیمِ بہار آج

پھولیگا خوں سے دشت میں پھر لالہ زار آج
چھالوں سے چھیڑ کرتی ہے پھر نوکِ خار آج

بولے وہ عکس دیکھ کے چشمِ سیاہ کا
آئینہ کھیلتا ہے ہرن کا شکار آج

تڑپا رہی ہے ہجر میں لذت وصال کی
کل پی تھی جو شراب ہے اسکا خمار آج

جاگا ہوں عمر بھر کا ذرا اب تو سو رہوں
کہہ دو رہے خموش چراغِ مزار آج

میری تڑپ کو دیکھ کے ایسی ہے بے قرار
مشتاقِ صبح خود ہے شبِ انتظار آج

جھنجھلا کے بوسۂ لبِ جاں بخش پر کہا
کچھ موت تو نہیں ترے سر پہ سوار آج

حوریں جناں میں بیٹھی ہیں دامن سمیٹ کر
اٹھا ہے کسکی خاک سے یارب غبار آج

گرمِ خرام رات کو ہوگا محلہ پہ یار
ہر نقشِ پا بنے گا چراغِ مزار آج

بسمل نظر سے راہ میں لاکھوں ہیں باغِ دل
گھر بیٹھے آپ کھیل رہے ہیں شکار آج

منظور کس کا قتل ہے تیغ نگاہ سے — پھر پھر کے دیکھتے ہو کسے بار بار آج

میکش ہیں زیر سایۂ انگور نالہ کش — ساقی چمن میں تیری پڑی ہے پکار آج

وہ کیا شب فراق میں کوئی نہ آئے گا — بیفائدہ ہے موت کا بھی انتظار آج

پہلو میں غیر کے ہے مقرر وہ جان جاں — دل کو کسی طرح نہیں آتا قرار آج

کل تک سواری آئے یقیں ہے بہار کی — نکلا ہے پیش خیمۂ ابر بہار آج

سر پر ہے ابر ساقی و مطرب ہیں سامنے — اللہ رے جوش رحمت پروردگار آج

قدموں پہ اُسکے ہمکو تڑپ کر گرا دیا — کیا کام آگیا ہے دل بے قرار آج

کل تک جو کچھ دکھایا ہے دیکھا ہے دیکھئے — دکھلائے کیا مشیت پروردگار آج

روتے ہیں پھوٹ پھوٹ کے کیوں آبلے امیر
دیکھو تو ٹوٹی ہے کوئی کیا نوک خار آج

جلے تمہارے رخ آتشیں سے دامن موج — یہ شعلہ وہ ہے جو بنجائے برق خرمن موج

یہ انتظار ہے ساحل کس کے آئینگا — سر حباب ہے اونچا بلند گردن موج

خیال زلف میں کرتے ہیں ہم تری کا سفر — لپٹ نہ جائے کہیں اُڑ کے مار رہزن موج

یہ خوف ہے تری ابرو کی تیغ کا قائل — کہ آج تک نہیں جاتا ہے رعشۂ تن موج

عبث ہے مجھ کو فریبوں سے چشم دادرسی — سنے نہ بحر میں گوش حباب شیون موج

ہمارے رونے پہ آتی نہیں کسے رقت — حباب روتے ہیں آنکھ پہ رکھکے دامن موج

یہ خوف ہے تری تیغ نگہ کا دریا میں — کہ چشم مردم آبی ہے زیر جوشن موج

فقط نہ دیدۂ تر سے نگوں ہے چشم حباب — خمیدہ شرم مژہ سے ہوئی ہے گردن موج

ڈبو رہا ہے مجھے بحر کس خطا پہ امیر
حباب کا نہ مخالف ہوں میں نہ دشمن موج

دینار کی نہ ہم کو درم کی ہے احتیاج — بس تیری اک نگاہ کرم کی ہے احتیاج

خط عذار یار رقم بے رقم ہوا
اس خط کو کیا دوات و قلم کی ہے احتیاج

دل انکے کیف مے میں ہیں جام جہاں نما
کب میکشوں کو ساغر جم کی ہے احتیاج

اشکوں کیساتھ عشق میں لازم ہے آہ بھی
جو ہے سیاہ اُسکو علم کی ہے احتیاج

ہم سینچتے ہیں آنسوؤں سے اپنی کشت کو
اے ابر کسکو تیرے کرم کی ہے احتیاج

بے احتیاج کوئی نہیں اس جہان میں
ناوک کو پر کی تیغ کو دم کی ہے احتیاج

ہر سنگ سجدہ گاہ ہے شوق سجود میں
ساجد کو دیر کی نہ حرم کی ہے احتیاج

کب بھوک میں ہوں طالب نان تجھسے اے فلک
ہاں ہے اگر تو سنگ شکم کی ہے احتیاج

وعدہ کیا ہے اس نے تو آئے گا وہ امیر
کچھ اُس سے قول کی نہ قسم کی ہے احتیاج

ردیف حائے حطی

آزماؤ دل کو صاحب آزمانے کی طرح
کروٹیں تم تو بدلتے ہو زمانے کی طرح

دیدۂ دلمیں مرے رکھا ہے کیا اے تخم اشک
رنگ پیدا کر زمیں میں گر کے دانے کیطرح

صورتِ آئینہ اے دل تا کجا دیدار رخ
خاک چھان اب کوچۂ گیسو میں شانے کیطرح

درد دل اول تو وہ عاشق کا سنتے ہی نہیں
اور جو سنتے ہیں تو سنتے ہیں فسانے کیطرح

ناوک انداز نگہ اچھی نہیں یہ تاک جھانک
اڑ نہ جائے دیکھنا کوئی نشانے کیطرح

بادہ خوار و تمکو کیا خورشید محشر کا ہے خوف
چھا رہا ہے ابر رحمت شامیانے کی طرح

جب کبھی آتا ہے دلمیں تیری چوٹی کا خیال
چوٹ پڑتی ہے جگر پر تازیانے کی طرح

چشم فتاں اُنسے کہتی ہے اگر ارشاد ہو
ہم بھی کچھ نیرنگ دکھلائیں زمانے کیطرح

ایکبار اے برق تکلیف اور کر جھگڑا مٹے
پھونک دے مجکو بھی میرے آشیانے کیطرح

تم تو آتے ہی قیامت کرتے ہو صاحب بپا
دلمیں آتے ہو تو آؤ گھر میں آنیکی طرح

اے جنوں اب اور ہی دکھلا کوئی عالم وسیع
تنگ ہے مجھ پر یہ عالم قید خانے کی طرح

در سے کعبے کے نہیں اٹھتا ہے اپنا اس لئے
اسمیں بھی کچھ کچھ ہے تیرے آستانے کی طرح

چار دن کو کیسی طرح آشیاں اے عندلیب
ڈالیوں پر کاٹ دیں دن آشیانے کی طرح

او کماں ابرو ادھر بھی سرسری کوئی نگاہ
تیر کے مشتاق ہم بھی ہیں نشانے کی طرح

دلکو آجاتا ہے یاد سوزنِ مژگاں سے چین
زخم میں اچھی ہے یہ ٹانکے لگانے کی طرح

کتنے بیدرد اس زمانے کے اطبا ہیں امیر
حال بیماروں کا سنتے ہیں فسانے کیطرح

جبدن وہ رشک مہر چھپے منھ دکھا کے صبح
تا روز حشر شام نہو اے خدائے صبح

پیر مغاں کی بزم میں نجب سے کہاں
جنت میں جیسے شام نہیں ہے سوائے صبح

ہنگامہ میکشی کا مناسب ہے گرم ہو
کیا سرد سرد چلتی ہے ساقی ہوائے صبح

ایسا کیا ہے چرخ نے کوتاہ روز وصل
کیا دور ہے جو شام ہویدا ہوجائے صبح

اہلِ جہاں بخیل ہیں ممسک ہیں نحس ہیں
اللہ ہو سے زشت نہ انکا دکھائے صبح

ایسا شبِ فراق کیا ہم نے انتظار
آنکھیں سفید ہوگئیں اپنی برائے صبح

پوچھو نہ کچھ جوانی و پیری کی سرگذشت
یہ ماجرائے شام ہے وہ ماجرائے صبح

صبح شبِ وصال یہ روتا ہوں میں لہو
مثلِ شفق ہے سرخ سراپا ردائے صبح

شادی کی رکھ امید جو غم کا ہو سامنا
بعد سوادِ شب ہے ظہورِ ضیائے صبح

مشکل سے ہوتی ہے شبِ فرقت اگر تمام
ڈرتا ہوں کوئی اور نہ فتنہ جگائے صبح

صورت شبِ وصال کی آتی ہے کب نظر
تاثیر ایک دن نہیں کرتی دعائے صبح

ہوتے ہی صبح گھر سے سدھارا وہ مہروش
کیوں آتشِ شفق سے نہ مجھکو جلائے صبح

میرے جنوں کا بخیہ خورشید میں ہے رنگ
کرتا ہے چاک چاک بخیہ قبائے صبح

بیجا ہے دخل غیر شبِ وصل اے امیر
دروازہ بند کیجے آنے نہ پائے صبح

ردیف خائے معجمہ

کیا کیا جلا ہے دیکھ کے رنگ شراب سرخ
غصے سے ہو گیا ہے رخ آفتاب سرخ

ہم رنگ اصل فرع نہ ہوگی کسی طرح
گل ہو ہزار سرخ نہ ہوگا گلاب سرخ

کشتہ جو تھا میں ایک بت سرخ پوش کا
ہاتھ آئی حشر میں مجھے فرد حساب سرخ

ہم دل جلوں کا سینہ ہے میخانے کا جواب
واں ہے شراب سرخ یہاں ہے کباب سرخ

رہتا ہے دل میں بادۂ گلرنگ کا خیال
ساقی رہے نہ کیوں مری چشم پرآب سرخ

غازہ جو اسنے رات کو منھ پر لگا لیا
مانند آفتاب ہوا ماہتاب سرخ

فرقت میں یاد وہ رخ گلگوں جو آگیا
خون روئے اسقدر کہ ہوا فرش خواب سرخ

قاصد سمجھ گیا میں یہ ایما ہے قتل کا
شنجرف سے لکھا مجھے اُسنے جواب سرخ

چھوئے جو اپنے دست نگاریں سے وہ نگار
یاقوت کیطرح سے ہو دُر خوشاب سرخ

چھنتا ہے نور عارض گلگوں سے اسقدر
ہو جاتی ہے سفید بھی اُسکی نقاب سرخ

اُبھرا جو اُس نگار کا جوبن شباب میں
دریائے حسن میں نظر آئے حباب سرخ

پرتو سے تیرے شان جمال و جلال کی
ہے روئے مہ سفید رخ آفتاب سرخ

مخمور آنکھیں یہ نہیں ساقی کی میکشو
بلور کی پیالیوں میں ہے شراب سرخ

خونریزیاں ٹپکتی ہیں قاتل کی وضع سے
جوڑا گلے میں سرخ کمر میں ہے داب سرخ

مہندی لگا کے ہاتھ جو دھوئے وہ گلبدن
پانی ہو کیوں نہ طشت میں مثل شہاب سرخ

مطلب نہیں امیر کو حور و قصور سے
ساقی ہو سبز رنگ الٰہی شراب سرخ

ردیف دال مہملہ

کون اُٹھائیگا تمہاری یہ جفا میرے بعد
یاد آئیگی بہت میری وفا میرے بعد

ہوں وہ نالاں کہ بجا ہے لئے مرنیکی خوشی
چین سے سوئیگی سب خلق خدا میرے بعد

جتنا جی چاہے بلاؤں میں پھنسالو مجھکو
کوئی پاؤگے نہ مشتاق بلا میرے بعد

ہے وصیت مری مرقد پہ یہ لکھدیں احباب
کہ کرے کوئی کسی سے نہ وفا میرے بعد

شاکر ہو کچھ تو محبت میں ہوا رنگ اثر
تین دن اُسنے لگائی نہ حنا میرے بعد

کون ماتم میں ہے یوں دل کا جلانیوالا
گل ہوئی شمع مزار شہدا میرے بعد

ضعف میں ہے تنِ مجنوں بھی مہِ نو لیکن
ہے وہ عالم میں تو انگشت نما میرے بعد

مرگیا ہوں میں صنم تیری فراموشی پر
یاد کرنا نہ مجھے بہر خدا میرے بعد

تھا وہ بلبل کہ جگر میں مرے کانٹا کھٹکا
چمنِ حسن میں جو پھول کھلا میرے بعد

خون مرا کرکے بہت ہاتھ ملے قاتل نے
نہ جما پر نہ جما رنگ حنا میرے بعد

تھی مرے دم سے فقط اس کے ستم کی تیزی
نہ رہے جوہر شمشیر جفا میرے بعد

میرے مرتے ہی ملا خاک میں یہ اوج جنوں
دشت میں کوئی بگولا نہ اٹھا میرے بعد

نگہ ناز سے مارا نہ کسی کو اُس نے
یار سے کھنچ نہ سکی تیغ ادا میرے بعد

خوشخطوں نے نہ کسیکو بھی کیا زیر و زبر
یک قلم چھوٹ گئی مشق جفا میرے بعد

زینتِ محفل ارباب سخن تھا میں امیر
نہ رہی رونق بزم شعرا میرے بعد

سوت پھر جاتی ہے آنکھوں میں اگر آتی ہے نیند
رات بھر پردے ہی پردے مجھکو دکھلاتی ہے نیند

ہجر میں مجھ تک جو آتی ہے تو گھبراتی ہے نیند
مانگ کر پلکوں نے پر آنکھوں سے اُڑ جاتی ہے نیند

دیکھتا ہوں اُنکی پلکوں کو جو آجاتی ہے نیند
جان کر دیوانہ مجھسے تنکے چنواتی ہے نیند

ہجر کی شب ایک تو یوں ہیں نہیں آتی ہے نیند
اور یک بات سے ترے ناصح اڑ جاتی ہے نیند

درد دل کہتا ہوں میں جب انکو کہتے ہیں وہ
ختم کیجے یہ کہانی اب ہمیں آتی ہے نیند

تیرے جگنو کا اگر آنکھوں کو بندھتا ہے خیال
کر یک شب تاب بنکر صاف اڑ جاتی ہے نیند

ایکدم کو تو کرم فرما اگر ہو ہجر میں
اے اجل دیکھوں تو پھر کیونکر نہیں آتی ہے نیند

جاگتے میں جو فرشتوں کو نہیں آتا نظر
وہ تماشا خواب میں انساں کو دکھلاتی ہے نیند

جانتے ہو بند کیوں ہوتی ہیں آنکھیں وقت خواب
اہل بینش چشم پوشی تم کو سکھلاتی ہے نیند

لیٹتا ہوں روز یہ کہکر میں مشتاق جمال
آج دیکھوں سیر کیا کیا مجھکو دکھلاتی ہے نیند

غفلت پیری ہے اب تھی نوجوانی تک ترنگ
رات کے جاگے ہوئے کو جیسے آجاتی ہے نیند

غافلوں کو اور غافل میری صحبت نے کیا
آگئی غفلت کو غفلت نیند کی ماتی ہے نیند

ڈرتی ہے میرے سیہ خانے میں جو آتی ہوئی
موت کو ہمراہ لے لیتی ہے تب آتی ہے نیند

خواب میں ہر شب نظر آتے ہیں کیا کیا ماہرو
اختر طالع کو میرے روز چمکاتی ہے نیند

چشم وا ہے شام سے ہر چند دروازے کیطرح
کیا ہجوم رنج ہے آنے نہیں پاتی ہے نیند

عین غفلت میں ہیں خوش اسطرح یہ اہل جہاں
جیسے ہنس پڑتے ہیں لڑکو جو آجاتی ہے نیند

سخت جاں ہوں ہجر میں پڑتی ہے گر تیغ اجل
یوں اُچٹ جاتی ہے وہ جیسے اُچٹ جاتی ہے نیند

میں تو کیا محفل میں انکی جاکے سو جاتے ہیں شمع و لگن
نرم بستر پاکے کیسے پانوں پھیلاتی ہے نیند

ہجر میں آرام کیسا ہم بھی شب بیدار ہیں
کام کیا راحت کا کیوں تکلیف فرماتی ہے نیند

ہجر جاناں میں جو سوز غم دل سے آتی ہے امیر
خفتگان خاک کی صورت سلا جاتی ہے نیند

چشم موسیٰ کو رہے برق سر طور پسند
ہم کو اُس چہرۂ پرنور کا ہے نور پسند

جتنے میوے ہیں چمن دہر میں ہیں ان سب میں
تیرے مجروح کو ہے زخم کا انگور پسند

شکل ملتی ہے تری زلف سیہ سے کچھ کچھ
کیوں نہ ہو ہم کو سواد شب دیجور پسند

اور نغموں سے نہیں بزم جہاں میں کچھ کام
اپنے کانوں کو تو ہے نغمۂ منصور پسند

کاش جراح چھڑک دے کہیں تھوڑا سا نمک
میرے زخموں کو نہیں مرہم کافور پسند

تیری تعریف کے ہیں کان ہمارے مشتاق
ذکر لیلیٰ کا نہ شیریں کا ہے مذکور پسند

تیرہ دل چاہیں نہ کیوں سارے جہاں میں اندھیر
شپرہ کو ہے سواد شب دیجور پسند

ہوں میں شاعر ہے مجھے شعر سے رغبت ایسی
جسطرح مست کو ہو بادۂ انگور پسند

کیوں کہی بات جو کہنے کی سزاوار نہ تھی
خود ہوا دار پہ رہنا تجھے منصور پسند

اک نظر میرے دل صاف کو دیکھے جو کبھی
آئینے کو نہ کرے وہ بت مغرور پسند

کاٹ کر راہ مرے گھر کی چلے اور طرف
یہ طریقہ نہیں مجھ کو کسی دستور پسند

تنگ آیا ہوں بہت اہل وطن سے میں امیر
کیوں نہ ہو دل کو وطن سے سفر دور پسند

آفت ہے یوں جہاں میں اہل ہوس کے گرد
ہو عنکبوت گھات میں جیسے مگس کے گرد

پھولوں کا ڈھیر روز لگاتے ہیں گلفروش
رہتا ہے پھول والوں کا میلا قفس کے گرد

گھیرے ہیں درد و غم دل نالاں کو عشق میں
یہ قافلے کا قافلہ ہے اس جرس کے گرد

ساقی وہ بادہ خوار ملامت پسند ہوں
ساغر بکف پھرا ہوں میں برسوں عسس کے گرد

گھیرے ہیں تیغ یار کو ایذا کشان عشق
مظلوموں کا ہجوم ہے فریاد رس کے گرد

دوران سر میں الفت لب کا یہ حکم ہے
بیمار بن کے پھر لے مسیحا نفس کے گرد

سر پھر گیا کسی کی پلک یاد آگئی
دیکھا کبھی بھنور کو جو چکر میں خس کے گرد

عالم تمام بحث عقول عشر میں ہے
کیا سیر ہے کہ ایک زمانہ ہے دس کے گرد

سودائے زلف میں میں عزیز جہاں ہوا
الٹا ہوا کہ پھرا سانپ ڈس کے گرد

حسرت ہے دید گنبد مولا کی اے امیر
آنکھوں کی پتلیاں ہوں تصدق کلس کے گرد

پہونچا نہیں کوئے بت دلخواہ میں قاصد
کیا جانے کہاں بیٹھ رہا راہ میں قاصد

اک چاند سے مکھڑے کو لکھا میں نے خط شوق
لیجا مرے نالے کو شب ماہ میں قاصد

اس بت نے نکالا تھا اگر مجھ تلک آتا
کیوں بیٹھ رہا خانہ اللہ میں قاصد

مکتوب میں اس چاہ زنخداں کی ہے تعریف
ڈر ہے نہ کہیں ڈوب مرے چاہ میں قاصد

کیسا چمن کوچۂ جاناں میں گیا جلد
ٹھہرا نہ کہیں مثل صبا راہ میں قاصد

لے کر خبر یار پھرے جلد الٰہی
بھیجا ہے بڑے صدمۂ جانکاہ میں قاصد

خط لیکے گیا ہے کئی گذرے ہیں مہینے
آتا ہے ادھر دیکھئے کس ماہ میں قاصد

خط اس نے لکھا سچ ہے یہ کہنا تو قسم کو
چل حضرت عباس کی درگاہ میں قاصد

ڈھیلی ہو کر کس کے ذرا باندھ دوبارہ
گر جائے نہ خط کھل کے کہیں راہ میں قاصد

خط پڑھتے ہی ہوتے وہ ادھر آپ روانہ
ہوتا جو اثر کچھ بھی مری آہ میں قاصد

بھیجا تھا امیر اس کو تو اک بت کی گلی میں
سیدھا گیا اللہ کی درگاہ میں قاصد

ردیف دال مہملہ

خنجر قاتل نہ کر اتنا روانی پر گھمنڈ
سخت کم ظرفی ہے اک دو بوند پانی پر گھمنڈ

شمع کے مانند کیا آتش زبانی پر گھمنڈ
صورت پروانہ کر سوز نہانی پر گھمنڈ

ہے اگر شمشیر قاتل کو روانی پر گھمنڈ
بسملوں کو بھی ہے اپنی سخت جانی پر گھمنڈ

ناز اٹھانیکا ہے اسکے حوصلا اے جان زار
اب تلک تجھکو ہے زور ناتوانی پر گھمنڈ

نوبت شاہی سے آتی ہے صدا شام و سحر
اور کرے چار دن اس دار فانی پر گھمنڈ

دیکھ او ناداں کہ پیری کا زمانہ ہے قریب
کیا لڑکپن ہے کہ کرتا ہے جوانی پر گھمنڈ

چار ہی نالے ہمارے سن کے چپکی لگ گئی
تھا بہت بلبل کو اپنی خوش بیانی پر گھمنڈ

عفو کے قابل مرے اعمال کب ہیں اے کریم / تیری کار رحمت پہ ہے تیری مہربانی پر گھمنڈ
شمع محفل شامت آئی ہے تری خاموش ہو / دل جلوں کے سامنے آتش زبانی پر گھمنڈ
طبع شاعر آ کے زوروں پر کرے کیونکر نہ ناز / سب کو ہوتا ہے جوانی میں جوانی پر گھمنڈ
چار موجوں میں ہماری چشم تر کے رہ گیا / ابر نیساں کو بھی تھا دُر فشانی پر گھمنڈ
دیکھنے والوں کی آنکھیں آپ نے دیکھی نہیں / حق بجانب ہے اگر ہے لن ترانی پر گھمنڈ
عاشق و معشوق اپنے اپنے عالم میں ہیں مست / واں نزاکت پہ تو یاں ہے ناتوانی پر گھمنڈ
تو بھی کلمہ ترا پڑھوا کے چھوڑوں اے صنم / زاہدوں کو ہے بہت تسبیح خوانی پر گھمنڈ
سبزہ خط جلد یارب رخ پر اُسکے ہو نمود / خضر کو ہے اپنی عمر جاودانی پر گھمنڈ
گور میں کہتی ہے عبرت قیصر و فغفور سے / کیوں نہیں کرتے ہو اب صاحب قرانی پر گھمنڈ
ہے یہی تاثیر آب خنجر جلاد میں / چشمۂ حیواں نہ کر تو اپنے پانی پر گھمنڈ

حال پر اجداد و آبا کے تفاخر کیا امیر
ہیں وہ ناداں جنکو ہے قصے کہانی پر گھمنڈ

ردیف ذال معجمہ

کیا رد کے قضا کے وار تعویذ / قلعہ ہے نہ کچھ حصار تعویذ
چوٹی میں ہے مشک بار تعویذ / یا فتنۂ روزگار تعویذ
دونوں نے نہ درد دل مٹایا / گنڈے کا ہو رشتہ دار تعویذ
کیا ناد علی میں بھی اثر ہے / چاروں ٹکڑے ہیں چار تعویذ
ڈرتا ہوں نہ صبح ہو شب وصل / ہے مہر وہ زر نگار تعویذ
ہم کو بھی ہو کچھ امید تسکیں / کھوئے جو تپ خیار تعویذ
پستاں کو جڑ ہماری پہنچی / گاڑا ہے تہ پائے یار تعویذ

حاجت نہیں ان کو نور تن کی — بازو یہ ہیں پانچ چار تعویذ
کھٹکے وہ نہ آئے فاتحے کو — دیکھا جو سر مزار تعویذ
پی جائیں گھول کر کے آپ — ہے نقش نہ خاکسار تعویذ
اے ترک ٹلیں بلائیں سر سے — اک تیغ کا خط ہزار تعویذ
ڈر ہے تمہیں گنگنوں سے لازم — لایا تو ہے سادہ کار تعویذ
اکسیر کا نسخہ اس کو سمجھوں — کھوئے جو ترا اعتبار تعویذ

مجمع ہے امیر کی لحد پر
میلے کا ہے اشتہار تعویذ

چوٹی میں اگر ہے بار تعویذ — لا میرے ہی سر سے مار تعویذ
یاں حب کے تو پانچ چار تعویذ — واں بغض کے ہیں ہزار تعویذ
ہے مار سیاہ اُس کی چوٹی — من سانپ کا زرنگار تعویذ
گھر ان کے گئے تو ہم نے گاڑے — چاروں کونوں میں چار تعویذ
لکھے مرے خون سے جو عامل — دکھلائے نئی بہار تعویذ
جاتی نہیں ہجر کی تپ حار — ناحق ہے گلے کا ہار تعویذ
قاتل نے لکھا جو کوئی پرزہ — سمجھا میں جگر فگار تعویذ
چاندی ہوئی اُس کی جب دیا حکم — سونے میں منڈھے سنار تعویذ
ہو ایک سپر نہ تیغ غم کی — ہیکل میں جو ہوں ہزار تعویذ
لو تار نظر مری اگر ہے — ڈورے کا امیدوار تعویذ
کیوں رشک سے دل جلے نہ میرا — ہو اُس سے جو ہمکنار تعویذ
چوٹی نے ترے جو سر چڑھایا — ہے صاحب افتخار تعویذ
بازوئے صنم کہاں کہاں تو — اللہ رے ترا وقار تعویذ

اللہ رے اثیرِ سوزِ فرقت
جل جاتا ہے برق دار تعویذ

ردیف رای مہملہ

دلِ پر داغ کا مسکن نہیں ہے اُسکے گیسو پر
اُگا ہے پھول لالے کا یہ گویا شاخِ شبو پر
ہجوم ایسا ہوا گلشن میں اُسکے قدِ دلجو پر
گرے سرو لب جو ٹوٹ کر سرو لب جو پر
الٰہی شکر رتبہ میرے خطِ شوق نے پایا
عوض تعویض کے باندھا ہے اُسنے اپنے بازو پر
کہاں جاتا ہے اپنی فکر سے اس چشم کا مضموں
یقیں ہے صید ہو ڈالا ہے گھوڑا ہم نے آہو پر
سنبھل سکتا نہیں ہے سر دفورِ ناتوانی سے
اگر تکیے سے اُٹھتا ہے تو آرہتا ہے زانو پر
امیدِ قتل ترکِ چشم سے کچھ کچھ تو پڑتی ہے
بڑھا کر دستِ مژگاں رکھدیا ہے تیغ ابرو پر
یہ شوقِ قتل تھا ہمکو کہ مقتل میں گلا رگڑا
کبھی شمشیر کے نیچے ۔ کبھی شمشیر کے اوپر
پرستش سے بت پندار کی انکو ہے کب فرصت
مسلماں کیا سمجھکر طعنہ زن ہوتے ہیں ہندو پر
مرے رونے نے فرقت میں رُلایا ایک عالم کو
بہائے ابر نے دریا مرے ایک ایک آنسو پر
چمک جاتا ہے دردِ دل زیادہ ہجرِ ساقی میں
اگر برسات میں شب کو نظر پڑتی ہے جگنو پر
اگر رخصت ہی ہے مدِ نظر اتنا ٹھہر جاؤ
کہ اپنے داغِ دل کی اشرفی باندھوں میں بازو پر
درِ جاناں پہ مطلب تھا یہ میرا لغزشِ پا سے
کہ اس حیلے سے رکھدوں ہاتھ دروازے کے بازو پر
خبر تجھکو نہیں ہے اے سگِ جاناں تعجب ہے
سگِ اصحابِ کہف آیا ہمارے لاش کے اوپر
پڑا خط بھی نہ میرے تن پہ میری سخت جانی سے
تفاخر تھا بہت قاتل کو اپنے زورِ بازو پر

امیر انجام کا کب دھیان رہتا ہے محبت میں
مسلماں ہو کے ہم عاشق ہوئے اک طفلِ ہندو پر

نقط کہتا نہیں میں شعر اُس مصرعِ گیسو پر
رباعی اک نئی ہوتی ہے موزوں چار ابرو پر

نہیں خال سیہ جو ہے نمایاں اُسکے ابرو پر
نشیمن زاغ نے آکر بنایا شاخ آہو پر

وہ شاہِ حسن تل بیٹھے تو یہ اوجِ شرف بخشے
کہ صدقے ہو ہما پھر پھر کے شاہین ترازو پر

مرض میں اُسکے گھر جا کر عیادت کا مزہ لوٹا
دعا ہمنے پڑھی جب ہاتھ رکھکر اُسکے بازو پر

معطر مغزِ جاں تک ہو جو تیرے داغِ دل سونگھیں
چمن میں مست ہیں کیا بلبلیں پھولوں کی خوشبو پر

سلام اُس ترک کا لینا ہے ایما قتل کا شاید
کہ رکھتا ہے وہ پیشانی کے بدلے ہاتھ ابرو پر

ہوا میں سینہ زن فرقت میں سینہ گر کے یاد اسکا
خیال آیا جو زانو کا تو مارا ہاتھ زانو پر

نئی وحشت ہے مجھکو وحشیوں سے انس ہے ایسا
کہ آنکھیں دشت میں ملتا ہوں نقشِ پائے آہو پر

خیالِ ناوکِ مژگاں نے یہ سو رخنے ڈالے ہیں
کہ تودے کا گماں ہوتا ہے مجھ کو اپنے پہلو پر

گرے تھے نہرِ گلشن میں کبھی دو اشک گرم اپنے
حباب انکو نہ سمجھو ہیں یہ تبخالے لبِ جو پر

نہایت تنگ ہے قاتل ہماری سخت جانی سے
کہ تن پر خط نہیں پڑتا کوئی اس دستِ بازو پر

کیا دلکو جلا کر خاک اپنی تبی وسمہ
بڑی مشکل سے پایا قبضہ اُسکی تیغ ابرو پر

ملے بازو اگر اس ترک نے دستِ حنائی سے
جمایا طائرِ رنگِ حنا نے رنگ بازو پر

بہت کرتا تھا رم جب سامنے آیا وہ صید افگن
نہ سوجھا کچھ پڑے حیرت کے پردے چشم بانو پر

صدف کی کیا حقیقت ہے اگر اسمیں نہو گوہر
نہ کیونکر آبرو ہو آنکھ کی موقوف آنسو پر

بسِ مردن یہ بخشی ہمکو رفعت بیقراری نے
چھپے ہم خاک کے نیچے گئے افلاک کے اوپر

بڑھا جاتا ہے تجھسے دیکھ کو سوں ناقہ لیلےٰ
سوار اے قیس تو بھی کیوں نہیں ہوتا ہے لیلو پر

سہی قد یاد آتے ہیں جو گلشن میں خراماں بھی
بھر آتی ہیں اسیر آنکھیں مری قمری کی کوکو پر

کیا قصد جب کچھ کہوں اُن کو جل کر
دبی بات ہونٹوں میں منھ سے نکل کر

گرا میں ضعیف اُسکے کوچے کو چل کر
زمیں رحم کر تو ہی پہنچا دے ٹل کر

نئی سیر دیکھو سوئے قاف چل کر
سرِ راہ بیٹھی ہیں پریاں نکل کر

ادھر کی نہ ہو جائے دنیا اُدھر کو — زمانے کو بدلو نہ آنکھیں بدل کر
وہ کرتے ہیں باتیں عجب چکنی چکنی — یہ مطلب کہ چوٹ ہو کوئی پھسل کر
وہ مضطر ہوئیں کیا مرے ساتھ گھڑیوں — تڑپتا ہے سایہ بھی کروٹ بدل کر
یہ کہتی ہے وہ زلف عمر خضر سے — کہ مجھ سے کہاں جائے گی تو نکل کر
گلستاں نہیں ہے یہ بزم سخن ہے — کہو شاعروں سے کہ پھولیں نہ پھل کر
غضب اوج پر ہے مری بے قراری — زمیں آسماں بن گئی ہے اُچھل کر
پڑا تیر دل پر جو منہ تو نے پھیرا — نشانہ اُڑایا ہے کیا رخ بدل کر
نہ آئیں گے وہ آج کی شب بھی شاید — کہ تارے چھپے پھر فلک پر نکل کر
چلو وحشیو بزم گلزار مہکے — گل آئے ہیں پوشاک میں عطر مل کر
چھپا کب بہت خاک ظالم نے ڈالی — شفق بن گیا خون میرا اُچھل کر
کمر بال سی ہے نہ لچکے یہ ڈر ہے — جوانی پر اے ترک اتنا نہ بل کر
حضور اس کے باتیں جو کیں ڈرتے ڈرتے — کھڑا ہو رہا دور مطلب نکل کر
چھپے حرف گیری سے سب عیب میرے — ہوئی پردہ ہر بات میں نہ نکل کر
وہ ہوں لالہ ساں سوختہ بخت میکش — کہ میں ہو گئی داغ ساغر میں جل کر

کہے شعر امیرؔ اُس کمر کے ہزاروں
مگر رہ گئے کتنے پہلو نکل کر

یہی سوز دل ہے تو محشر میں جل کر — جہنم اُگل دے گا مجھ کو نگل کر
پڑی مجھ پہ اوچھی وہ تلوار چل کر — گئی ہائے کس طرف موت کمبخت ٹل کر
نہ وحدت سے مطلب نہ کثرت سے مطلب — نہ گھٹ کر رہوں قطرہ نہ دریا اُبل کر
تری بات بھی تیر ہے ناوک افگن — گڑی میرے دل میں زباں سے نکل کر
جو شام شب ہجر دیکھی تو سمجھے — قضا سر پہ آئی ہے صورت بدل کر

جہاں میں نہ کی قدر غم جب کسی نے — پشیماں ہوا میرے دل سے نکل کر
رخ اُس بت کا شاید نکلتا ہے چھپ کر — کہ قدموں پہ گرتی ہیں نظریں پھسل کر
جلا تھا مرا دل جو پروانہ آسا — کہا میں نے بھی شمع رو داں کو جل کر
جلانے کو دل داغ سینہ ہے حاضر — مگر تو بھی اے داغ پہلے پہل کر
جو کھینچے گا بھی تیر سینے سے ظالم — تو پیکان لے جائے گا دل بدل کر
انھیں آتے دیکھا تو دوڑیں نگاہیں — گئیں آنکھیں اُن سے بھی آگے نکل کر
یہ میری طرف پانوں محفل میں کیسے — ذرا آدمیت سے بیٹھو سنبھل کر
عزیز اِس قدر نقد جاں کیوں ہوا دل — خدا دے جو ہمت تو نذر اجل کر
بشر کیوں نہ ہووے وطن ہو کے مضطر — تڑپتی ہے دریا سے مچھلی نکل کر
وہ بسمل ہوں جب ہاتھ قاتل نے کھینچا — گلے پر مرے گر پڑی تیغ اُگل کر
مرا دل بھی آئینہ انجمن ہے — دکھاتا ہے سو رنگ صورت بدل کر
قدم جب خوشی نے در دل پہ رکھا — صدا غم نے دی دیکھ ظالم سنبھل کر

امیر اہل مسجد سے اظہار تقوے
ابھی آئے ہو مے کدے سے نکل کر

دکھائی ادا طرفہ ظالم نے چل کر — دوپٹہ گرا سر پہ شانے سے ڈھل کر
ارادہ ہے خود اُن سے پوچھوں میں چل کر — یہ خط تم نے پھاڑا کہ قاصد نے جل کر
جو برسات میں تا در یار پہنچے — بہانہ کیا خود گرے ہم پھسل کر
توقع ہے دھوکے میں اگر وہ پڑھ لیں — کہ لکھا ہے نامہ اُنھیں خط بدل کر
کہیں محتسب چونک اُٹھے نہ غش سے — نہ جا بوئے مے میکدے سے نکل کر
یہ ہر دور لالہ و گل نہ سمجھو — دکھاتے ہیں جلوے وہ شکلیں بدل کر
زمیں پر نہیں پانوں رکھتا ہے قاتل — کہو خون دامن پکڑ لے اُچھل کر

وہ نیرنگ پرواز ہے عمر انساں — دکھاتی ہے یہ تین شکلیں بدل کر
نکالا جو پیرِ مغاں نے تو کیا غم — بلائے گی پھر دخترِ رز مچل کر
کھنچے دل نہ کیونکر حسینوں کی جانب — جو پارہ بھی دوڑے کنوئیں سے نکل کر
دمِ فکر ہے دھیان کس خوبرو کا — کہ سانچے میں آتے ہیں مضمون ڈھل کر
پڑا ہے جو پے آب چاہِ زنخداں — ہوا کیا عرق تیرے رخ سے نکل کر
نفس دار کی ایک جا آمد و شد — کہ مقصود اپنا ٹھکانا تھا چل کر
حسیں کیوں نہ جوشِ جوانی کو روئیں — کہ جوبن مٹا اشک کی طرح ڈھل کر
وہ مقتل ہے تیرا کہ آتے ہیں قاتل — جواں دوڑ کر گھٹنیوں طفل چل کر
نہ جائے کبھی وار قاتل کا خالی — جگر دب رہا ہے روک لے دل اچھل کر
یہ خواہاں ہے مثلِ نگیں بے نشانی — نہ جائے کہیں نام ہم سے نکل کر
مرے قتل سے وہ مکر کب ہے منکر — خطر کیا ہے بیٹھی ہے کیوں بات ٹل کر
یہی سوزِ غم ہے تو اشکوں کی صورت — کسی روز یہ جائے گا دل پگھل کر

اسیر اپنے تن کی بڑھی یہ حرارت
کہ جی ہو گئی خاک ساقی سے جل کر

نہ جاتا تھا اُس تک کبوتر دہل کر — روانہ کیا روغنِ قاز مل کر
تھکے مدتوں راہ میں جن کے چل کر — وہ دو در تک بھی آئے نہ گھر سے نکل کر
شب تار ہو جائے گا روز روشن — زمانے کو بدلو نہ آنکھیں بدل کر
کرے وہ جو بندے کی اپنے حفاظت — تو یوسف جواں پھر کنوئیں میں ہو پل کر
ضعیفوں کو ہے باعثِ زیست بستر — کہ مٹتا ہے عکس آئینے سے نکل کر
ذرا گرم نظروں سے دیکھے جو ساقی — ابھی مے سے تیلا ہو شیشہ پگھل کر
لگا رہنے دو ور سے بیتاب دل کو — کہاں جائے بازو سے مچھلی نکل کر

گریں گرم آنسو جو دریا میں میرے ‌ ‌ ‌ صدف میں گہر پھر ہو قطرہ پگھل کر
عجب خاک تیرہ بھی ناگن ہے موذی ‌ ‌ ‌ کہ بے غم ہے بچوں کو اپنے نگل کر
مے گرم نے کر دیا گرم ساقی ‌ ‌ ‌ صراحی پلا کوئی شورے سے نکل کر
یقیں ہے کہ پھر جان ہی لیں یہ موذی ‌ ‌ ‌ جو بیٹھیں کبھی مثل چیچک نکل کر
جو وہ اُٹھ چلے اہل محفل تو کیسے ‌ ‌ ‌ پکڑ لے سپند اس کا دامن اُچھل کر
رقیبوں سے کیا راہ ہے ڈاکیوں کو ‌ ‌ ‌ کہ دیتے ہیں مجھ کو خط اُس کا بدل کر
وہ مجنوں ہوں شب کو جو صحرا میں بھٹکوں ‌ ‌ ‌ چراغ سر راہ ہو گھاس جل کر
ابھی جان دیدوں جو دے مجھکو مٹی ‌ ‌ ‌ غبار اُس ستمگر کے دل سے نکل کر
اُٹھا اے دل آنکھوں سے اتنا نہ طوفاں ‌ ‌ ‌ کنوئیں بیٹھ جاتے ہیں اکثر اُبل کر
نظر چشم دل کو وہ بے پردہ آئے ‌ ‌ ‌ جلایا جو پردوں کو آنکھوں نے جل کر
جھنکائی لحد گل رخوں کو فلک نے ‌ ‌ ‌ پڑے کس شکنجے میں نازوں سے پل کر
مرے آنسوؤں نے مجھے بخشوایا ‌ ‌ ‌ بڑے کام آئے یہ لڑکے مچل کر
کہو میرا مرنا نہ اُس گلبدن سے ‌ ‌ ‌ مٹا دے نہ رنگ حنا ہاتھ مل کر
وہ لاغر تھا میں ہفت قلزم میں ڈوبا ‌ ‌ ‌ گرا آنکھ سے ایک آنسو جو ڈھل کر

امیر آسماں بھی کھلاڑی ہے شاطر
دکھاتا ہے کیا کیا یہ نقشے بدل کر

اُستیں سے جو ہوا دست ستمگر باہر ‌ ‌ ‌ میں یہ سمجھا کہ ہوا میاں سے خنجر باہر
ڈر سے آسکتے نہیں تیرے سیہ خانے میں ‌ ‌ ‌ ماہ و خورشید چلے جاتے باہر باہر
داغ الفت مرے دلمیں کوئی چھپ سکتا ہے ‌ ‌ ‌ شمع فانوس کا نور ایک ہے اندر باہر
غیر قاتل سے جدا ہو نہیں آتا ہے یقیں ‌ ‌ ‌ ہو گا سگ کوچۂ قصاب سے کیونکر باہر
کیا ہوا خط کا جو اُس چاہ ذقن پر ہے ہجوم ‌ ‌ ‌ مور روزن سے نکلتے ہیں برابر باہر

شوق ہوتا جو نہ اُس چاہ ذقن کا رہبر — کبھی ظلمات سے ہوتا نہ سکندر باہر
ایک گھر میں نہیں رہ سکتے ہیں یاں دو انساں — حشر کو ہوں گے ہر اک قبر سے سَتر باہر
ہوں وہ دیوانہ جو رکھتا ہوں نہ زنداں میں قدم — غل یہ زنجیر مچاتی ہے کہ باہر باہر
مجمرِ چشم سے کیوں دانۂ اشک آئے نہ تند — کہ سپند آگ سے آتا ہے چٹک کر باہر
ہوں وہ جانباز میں آیا تو پئے استقبال — تیر ترکش سے چلا میان سے خنجر باہر
چاہتا ہے کہ وہ بے پردہ ہو آنکھوں کے حضور — اتنا جامے سے نہ ہو ایدل مضطر باہر
قاصدی کیا جو خط اُس تیر فگن کو میں لکھوں — چاہ سے ڈر کے نہ ہو کوئی کبوتر باہر
شیخ صاحب نے جو رندوں کی سنی ہے آمد — کیسے گھبرائے پڑے پھرتے ہیں اندر باہر
بھوں چڑھاتا ہے عبث جان بھی دی سمجھ کے دیا — کب ہوا تجھ سے میں اے ترک ستمگر باہر
بادہ خواروں کا زمانے سے جدا ہے عالم — بھٹیاں ہوتی ہیں آبادی سے اکثر باہر

روح سے قدر ہے اس پیکر خاکی کی امیر
کیا حقیقت ہے صدف کی جو ہو گوہر باہر

موج وحشت نے ہزاروں کو پنہائی زنجیر — رنگ لائی تری گردن کی طلائی زنجیر
ہے ہمارے دلِ صد چاک کا حصہ وہ زلف — شانہ ہے کون جو چھوتا ہے پرائی زنجیر
آج منت ہوئی پوری ترے دیوانے کی — ملک الموت نے پانوں کی بڑھائی زنجیر
اے جنوں مان خدا کو نہ کڑی کر مجھ پر — عرش ہل جائیگا میں نے جو ہلائی زنجیر
ہے خوشی مجھکو جو زنداں سے رہائی کی تو یہ — تنگ ہے قید سے پائے گی رہائی زنجیر
تیری پابوسی پہ رو رو نہیں نالاں میں فقط — کھینچتی ہے مرے پانوں کی دہائی زنجیر
قید خانے کیطرح وادیِ وحشت میں ہو قید — ہو گئی مجھ کو مری آبلہ پائی زنجیر
یادِ گیسو نے دکھایا ہے تماشا کیسا — شیشۂ دل میں ہمارے اُتر آئی زنجیر
کس پری کے گل عارض کا میں دیوانہ تھا — کہ مرے پانوں میں پھولی نہ سمائی زنجیر

قید خانہ نظر آیا مجھے وحشت میں چمن / موج گل آئی تو سمجھا کہ یہ آئی زنجیر

اے پری دست حنائی کا میں دیوانہ ہوں / چاہیے ہو مری گردن میں طلائی زنجیر

پانوں پہ اُنکے گری ہو کے پریشاں کاکل / میری وحشت نے پری کو بھی پنھائی زنجیر

اپنے ابرو کا وہ دیوانہ جو سمجھا مجھ کو / یار نے توڑ کے شمشیر بنائی زنجیر

پچھلے یوں ترے وحشی کو قیامت میں ملک / ہتکڑی ہاتھ میں پانو میں پنھائی زنجیر

اک حسیں کا ہوں میں دیوانہ تکلف ہے ضرور / نقرئی طوق ہو زیبا تو طلائی زنجیر

تیرا وحشی جو کبھی جانب صحرا گذرا / طوق گرداب نے موجوں نے پنھائی زنجیر

ہر گھڑی نعل ور آتش ہوں جو اے آہنگر / آہن برق سے کیا تو نے بنائی زنجیر

اے جنوں پانوں ہیں مجروح تو گلے میں خوش آشنا / طوق گلرنگ لہو سے ہے حنائی زنجیر

اپنے دیوانے کے مدفن پہ جو آیا وہ امیر
چاہیے گل سایۂ گیسو سے چڑھائی زنجیر

تیغ قاتل بھی نہیں چلتی کبھی مجھ زار پر / وائے بے رحمی کہ پانی بند ہے بیمار پر

جا بجا سبزہ نہیں اے دل یہ قصرِ یار پر / بال کھولے پریاں پھرتی ہیں در و دیوار پر

ہوں وہ وحشی جب قدم رکھا در دلدار پر / چڑھ گیا سایہ پری بن کر سر دیوار پر

جور ہفت افلاک ہیں انساں کے جسم زار پر / بوجھ ان ساتوں چھتوں کا ہے اسی دیوار پر

یہ مرے بیت الحزن پر چھائی ہے بوسیدگی / ڈرتے ڈرتے سایہ رکھتا ہے قدم دیوار پر

کہہ گئی گل کر کے میری شمع بالیں کو صبا / کوئی او ناداں روتا ہے سر بیمار پر

بے نقاب آؤ چمن میں تم تو ہر برگ حنا / ہاتھ رکھ دے بڑھ کے چشم نرگس بیمار پر

ہوں وہ بلبل یہ کیا گلشن کو دو نغموں میں مست / دست گلچیں پڑ گیا اکثر نہال خار پر

دار کر دی نہ قاتل کو بھی گلشن میں بار / دوڑ کر خود رکھ دیا میں نے گلا تلوار پر

باغ سے پہنچا میں وحشی بے تکلف سوئے دشت / پانوں بھی رکھا نہ مثل بوئے گل دیوار پر

مے سے کپڑے زاہدانِ خشک نے کب تر کیے
چل کے ہم نے آگ رکھی ہی جبہ و دستار پر

وہ حسیں ہو تو ہوا زنداں میں جس دم جلوہ گر
کھنچ گئی تصویر یوسف ہر طرف دیوار پر

بیٹھتے ہی بیٹھتے ہر پر ہوا بال ہما
جو کبوتر اُڑ کے آ بیٹھا تری دیوار پر

گر دگل کانٹے نہیں ہوتے ہیں گلشن میں نمود
انگلیاں اُٹھنے لگی ہیں عندلیب زار پر

کی نظر قاتل نے جب میری طرف کی میں نے آہ
وار رد کے سیکڑوں تلوار کے تلوار پر

زیر و بالا یہ کیا مرغانِ گلشن نے ہجوم
اور اک دیوار اٹھی باغ کی دیوار پر

آنکھ اگر آئینہ وحدت نما سے ہو دوچار
ہے پرِ طوطی کا عالم سبزۂ زنگار پر

باغ سے باہر تو کیا جاؤں نگاہیں بے بال و پر
اُڑ کے پہنچوں بھی تو پہنچوں باغ کی دیوار پر

شمع ساں گریاں ہو قاتل میرے بالیں پر اسیر
موت کو روتے ہوئے دیکھا اسی بیمار پر

لڑتے ہیں عشاق کیا کیا ابروئے خمدار پر
روز یاروں کے گلے کٹتے ہیں اس تلوار پر

جلوہ گر ہو خود وہ اپنے طالب دیدار پر
دھوکے کی ٹٹی ہو پردہ یار کے رخسار پر

دیکھ کر چھپا ہے سراپا میرے جسمِ زار پر
کیسے جھنجلائے وہ اپنے موتیوں کے ہار پر

شان اُسکی ہو کوئی فارغ ہو کوئی زیر بار
چھت جو بنتی ہو تو کڑیاں پڑتی ہیں دیوار پر

سمجھے ہم پہنچی جو ابرو تک پلک اُس آنکھ کی
باڑھ دیکھی رکھ کے انگلی ترک نے تلوار پر

بند آنکھوں کی دکانیں ہو گئیں ہنگام مرگ
آخر شب کیا اُداسی چھا گئی بازار پر

اوج دولت میں بھی کیسے شاد ہیں کتنے حزیں
لالہ داغی کباب دیکھے خندہ زن کہسار پر

ہو نہیں وہ محرومِ راحت گر نہ پاؤں فرشِ خواب
گر پڑے دیوار پھٹ کر سایۂ دیوار پر

ہو بلند و پست کی کب تیغِ قاتل کو تمیز
سیل کی ہے چال یکساں راہِ ناہموار پر

ہوں وہ طائر لذتِ غم کب ہوئی پوری نصیب
نوچنے میں رہ گئے صیاد سے دو چار پر

اسلئے تا دور ہی سے دیکھنے والے ہوں مست
بوتلوں کے ٹکڑے ہیں میخانے کی دیوار پر

کرکے گلگشتِ چمن گھر کو چلا جب وہ گل | ابر کے بدلے اُداسی چھا گئی گلزار پر
ہے یہی باعث جو ہے رنگِ بدن طوطی کا سبز | زہر کھایا ہے تمہارے سبزۂ رخسار پر
نیزۂ قاتل سرِ بسمل پہ خنداں زخمِ تن | کیا اُگا ہے نخلِ ماتم قہقہہ دیوار پر
اے پری آتے سلیماں بھی عیادت کو اگر | سورۂ جن پڑھ کے دم کرتے ترے بیمار پر

تیز پڑتی ہے نظر اُس ترک کی مجھ پر امیر
تل رہا ہے باز کیا کنجشک کے آزار پر

ہو اگر ناز سے وہ بزم میں رقصاں جھک کر | چوم لے پاؤں سرِ گوشۂ داماں جھک کر
مرتبہ بیش خدا ہوتا ہے اُتنا ہی بلند | جسقدر ملتا ہے انساں سے انساں جھک کر
خاکسارانِ زمیں کا ہے یہ شوقِ پابوس | رہ گئی ہے کمرِ گنبدِ گرداں جھک کر
رفعتِ قصر تواضع سے اگر واقف ہوں | آئیں پھر خانۂ درویش میں سلطاں جھک کر
ہیں وہ عاشق ہوں صفا کیش پریزادوں کا | ہوتے ہیں مجھ سے بغل گیر سلیماں جھک کر
دیکھ پائے جو اسی ٹھاٹھ سے تجھ کو اے ترک | لے قدم دوڑ کے رستم سرِ میداں جھک کر
تم وہ لیلیٰ ہو جو آئے تو برائے تسلیم | بید مجنوں ہوئے شمشادِ گلستاں جھک کر
بیڑیاں بھی جو کٹیں ہوں وہ اسیرِ لاغر | پاؤں میں میرے پہنے طوقِ گریباں جھک کر
سرکشی اہلِ تواضع سے کوئی چلتی ہے | پست دروازے سے آتا ہے خود انساں جھک کر
تو وہ گل ہے اگر باغ میں رکھتا ہے قدم | چوم لیتی ہے قدم شاخِ گلستاں جھک کر
قدِ خم گشتہ پہ کس طرح نہ روئیں انساں | سب سمجھتے ہیں کہ گر جاتے ہیں ایواں جھک کر
آئی پیری تو ملی خاک میں تعمیرِ حیات | چار دیوارِ عناصر ہوئے ویراں جھک کر
ہے یہ ایماں کہ چلا چاہتے ہیں زیرِ زمیں | چلتے ہیں موسمِ پیری میں جو انساں جھک کر
کہہ دو صیاد سے کیا ہاتھ بڑھانے سے ہے کام | خود نہ یاد گی مجھے شاخِ گلستاں جھک کر
یاد رکھ مصرعِ اُستاد یہ ہر وقت امیر | دستِ دشمن سے ملے چاہیئے انساں جھک کر

دلکو رہتی ہے جو یادِ دردِ جاناں رات بھر
ہم بھی حافظ کی طرح پڑھتے ہیں قرآں رات بھر

یادِ زلفِ یار میں جمعیتِ خاطر کہاں
خواب آتے ہیں نظر ہمکو پریشاں رات بھر

اندنوں ہوتی ہیں یوں اپنی بسر لیل و نہار
یادِ رخ دن بھر خیالِ زلفِ پیچاں رات بھر

کچھ شبِ فرقت نہ پوچھو حال اشک و آہ کا
برق چمکی صبح تک برسا ہے باراں رات بھر

بندھ گیا ہے شام سے کس زلف کی افشاں کا دھیان
جگنوؤں سے ہے مرے گھر میں چراغاں رات بھر

باغباں ہوتا ہے مجھ گریاں سے کیوں چیں بر جبیں
مثلِ شبنم ہو نہیں اس گلشن میں مہماں رات بھر

نیت بد ہے تو کارِ نیک سے حاصل ہے کیا
جاگتے ہیں دزد بھی مثلِ نگہباں رات بھر

عالمِ اخلاص میں کیا دشمنی کی احتیاج
ہے چراغِ خانہ اپنا ماہِ تاباں رات بھر

اور بیماری میں ہوتا ہے شریکِ درد کون
شمع رہتی ہے مرے بالیں پہ گریاں رات بھر

تیرے وحشی کی سواری کا ملا کچھ تو پتا
پھونکتے ہیں مشعلیں غولِ بیاباں رات بھر

آتشِ شوق اور میرے قصہ خواں نے تیز کی
کیوں سنایا ذکرِ بلقیس و سلیماں رات بھر

کی عبادت صبح تک بیچا کیئے ہم بھی اسلام
حکمِ حیدر رہتی جو آوازِ نگہباں رات بھر

پوچھتے ہو کیا شبِ فرقت کی تاریکی کا حال
اپنی آنکھوں سے رہے ہم آپ پنہاں رات بھر

ذرہ پروانہ آسا گردشِ ایام سے
ہیں پریشاں حال دن بھر ہم تو سوزاں رات بھر

کشوروں میں لکھ کے خط احباب کو بھیجے اسیر
کیسے کیسے طے کیئے خامے نے میداں رات بھر

غنچہ ساں بیٹھ دلا سر در گریباں ہو کر
رخِ یار آئے گا آنکھوں میں گلستاں ہو کر

روحیں کشتوں کی گلے ملتی ہیں شاداں ہو کر
عید سے عید ہوئی یار پہ قرباں ہو کر

پتلیاں کب تری آنکھیں ہیں اے غیرتِ حور
دیکھنے آئی ہیں پریاں تجھے انساں ہو کر

عشقِ عارض میں مرے تارِ نظر جاتے ہیں
رہیں قرآن میں شیرازہ قرآں ہو کر

ناتوانی نے مری مجھکو بنایا کانٹا
چشمِ مردم میں کھٹکتا ہوں میں انساں ہو کر

ہو کے محمود ہیں ہوں بندۂ فرمانِ ایاز
نازِ پریوں کے اٹھاتا ہوں سلیماں ہو کر

ابھی اتنا ہی حجاب ان کو جو کچھ کہتا ہوں
نیچی کر لیتے ہیں آنکھیں وہ پشیماں ہو کر

جل گیا اُگتے ہی دانا جو مری قسمت کا
آسیا رہ گئی انگشت بدنداں ہو کر

ہو جدا تم سے تو کیا خاک رہے عاشق میں
جسم پیوندِ زمیں ہوتا ہے بے جاں ہو کر

ہوں وہ وحشی مجھے نظروں سے گرائے جو جہاں
چشمِ عالم میں پھروں خواب پریشاں ہو کر

دل ملا خاک میں ایسا کہ ملا پھر نہ پتا
سیکڑوں دانے اُگے خاک میں پنہاں ہو کر

گل ہوا غنچہ تو آواز یہ اُس سے آئی
جمع پھر دل نہیں ہوتا ہے پریشاں ہو کر

کچھ اٹھایا نہ تڑپنے کا مزہ تڑپا کر
جل دیا زخموں پہ قاتل نمک افشاں ہو کر

خونِ دل کوچۂ گیسوئے سیہ میں جو بہے
جلوہ گر ہو شفقِ شامِ غریباں ہو کر

ہو تماشا جو مرے داغ چمن میں چمکیں
جل اٹھیں شہپرِ طاؤس چراغاں ہو کر

چاہتے ہیں تری تلوار کے جوہر او ترک
دہنِ زخم میں جم بیٹھتے دنداں ہو کر

باغ سے ہم کو نکالا تو ہماری آنکھیں
رہ گئیں رخنۂ دیوارِ گلستاں ہو کر

موسمِ گل میں تقاضا ہے جنوں کا یہ اثیر
چاک ہو پیرہنِ زیست گریباں ہو کر

زار ایسا میں ہوا بادیہ پیما ہو کر
ذرہ چاہے تو تھکا دے مجھے صحرا ہو کر

اس قدر تھک گئے ہم بادیہ پیما ہو کر
کفِ پا اٹھ نہ سکے نقشِ کفِ پا ہو کر

ہم مریضوں سے یہ اغماض مسیحا ہو کر
کیسے نادان بنے جاتے ہو دانا ہو کر

لذتِ درد سے جینے کا مزہ ملتا ہے
چھیڑتا کیوں ہے مجھے زخمِ دل اچھا ہو کر

بعد مرنے کے بندھی ہے مرے نالوں کی ہوا
گنبدِ قبر اُڑے کیوں نہ بگولا ہو کر

سرو و گل سے تمہیں تشبیہ میں کب دیتا ہوں
لال آنکھیں نہ کرو آگ بگولا ہو کر

یاد کس ترک کی آئی کہ مرا زخمِ جگر
رہ گیا دیدۂ بسمل کی طرح وا ہو کر

ہالۂ ماہ کا دل شوق سے ایسا پھیلا
آرہا کان میں اس مہر کے ہالا ہوکر

اونچے اُڑتے ہیں کبوتر تری ٹکری کے غضب
جا لگے چرخ سے کیا عقد ثریا ہوکر

حسرتِ دستِ حنائی میں ہم ایسا روئے
بہہ گیا آنکھ سے دل خون تمنا ہوکر

دل حسینوں کی محبت میں لگا ہے رہنے
غرق کردے نہ یہ قطرہ مجھے دریا ہوکر

دیکھ لے وہ جو کڑی آنکھ سے گلشن کی طرف
چور ہر دانہ انگور ہو مینا ہوکر

بیچئے مال امیروں سے فقیروں کے لئے
لوٹیے دولت دیں طالب دنیا ہوکر

آکے وحشت میں جو کہتا ہوں نہیں سہا جاتا ہے
ناز مجنوں کے اٹھاتا ہے وہ لیلیٰ ہوکر

بے دہن بنتے ہو تا قسم سے جلانا نہ پڑے
خوب دم دیتے ہو مردوں کو مسیحا ہوکر

نہ محبت نہ تلطف نہ عنایت نہ وفا
تم ہی کہدو کہ رہے پھر کوئی کس کا ہوکر

لپکے وہ تیر کماں جاتے ہیں جب بہرِ شکار
قاف سے آتے ہیں جن آہوئے صحرا ہوکر

خرمن جان و جگر مزرع امید امیر
دل نے پھونکا شررِ آتش سودا ہوکر

کبھی تو بھول کے رکھدے قدم مرے سر پر
پڑا ہوں صورتِ نقشِ قدم ترے در پر

جو ذبح بھی ہو تو احسان نہ رکھ ستمگر پر
یہ ذکر خیر رہے گا زبانِ خنجر پر

وہ مست ہوں کہ رگڑتا ہوں سینہ خنجر پر
وہ خستہ ہوں کہ پٹکتا ہوں سر کو پتھر پر

وہ مست جب کبھی گذرا ہے میکدے کی طرف
بہک کے دست سبو جا پڑا ہے ساغر پر

دل شکستہ نے اس بت کے دل کو نرم کیا
کیا ہے ٹوٹ کے شیشے نے زور پتھر پر

برنگ سایہ رہا پائے مال ساری عمر
میں جھکے پانوں پڑا پانوں رکھدیا سر پر

لکھا جو خط میں سگِ یار کو سلام نیاز
ہما نے سایہ پروں سے کیا کبوتر پر

ہوائے بوسۂ لب ہے یہی تو مرگ کے بعد
حباب بن کے رہوں گا میں آبِ کوثر پر

ازل سے طبع ملاحت پسند رکھتا ہے دل
چھڑک لیا تھا نمک میں نے شیر مادر پر

پھڑک رہا ہے مرا مرغِ روح اے قاتل — کہ جوہروں نے بچھایا ہے جال خنجر پر
وہ نزار ہوں کہ جو لیٹوں تو شک یہ ہوتا ہے — پڑا ہوا ہے فقط رختِ خواب بستر پر
نگہ کو دیتے ہیں گردش جو آئینے میں یہ ترک — چھری کو کرتے ہیں در پردہ تیز پتھر پر
جو آبرو کا ہے خواہاں تو خاکساری کر — یہ قول گردِ یتیمی ہے روئے گوہر پر
صفِ مژہ کو بھی ہو تاک چشمِ ساقی کی — گرے ہیں سیکڑوں مے خوار ایک ساغر پر
چلا ہے نامہ مرا لے کے نامہ بر یارب — ترے حبیب کا سایہ مرے پیمبر پر

سوال سے ہو یہ نفرت نہ ہاتھ اٹھاؤں امیر
پڑھوں جو فاتحہ میں تربتِ تونگر پر

وہ ناتواں ہوں جو لیٹا کبھی میں بستر پر — گماں ہوا کہ شکن پڑ گئی ہے چادر پر
پھریں گے حشر میں کھولے ہوئے وہ زلف دراز — بڑی بلا تو پڑے گی یہ اہلِ محشر پر
کچھ اس میں شان نکلتی ہے تیرے مژگاں کی — نثار سو رگِ جاں ایک نوکِ نشتر پر
کیا عدو نے جو گیسوئے یار میں شانہ — ہوا یہ رشک کہ آرے چلے یہاں سر پر
پیا تھا جوش جنوں میں کبھی لہو میرا — وہی مزا ہے ابھی تک زبانِ خنجر پر
ہوا تلون اہلِ دول سے یہ ثابت — قدم ٹھہر نہیں سکتے ہیں آبِ گوہر پر
میں سخت جاں ہوں وہ کرتا ہے سنگسار مجھے — خطر ہے ضرب نہ آ جائے اس کی پتھر پر
لئے ہیں دفترِ عصیاں کو کاتبِ اعمال — مرے گناہوں کی گٹھری ہے غیر کے سر پر
یہ مجھ کو حسرتِ دیدارِ یار تھی دمِ قتل — پسِ فنا نہ چڑھا خون بھی مرا سر پر
جو ایک دم کو بھی غرفے میں آپ آ بیٹھے — ہجومِ خلق سے دیوار اٹھ گئی در پر
وہ ناتواں ہوں نکالے جو گھر سے یار مجھے — چلوں وہ چال کہ پہنچوں نہ حشر تک در پر
ہجومِ اشک سے دانتوں کے عشق میں یہ کھلا — بندھا ہے موتیوں کا پل یہ آبِ گوہر پر
وہ ناتواں ہوں کہ آئے جو نیند کا جھونکا — تو اڑ کے مثلِ پرِ کاہ جاؤں بستر پر

امیرؔ ظلمت عصیاں سے رہ گیا پردہ
عجب نقاب پڑی روئے اہل محشر پر

سنا کسی سے جو نام دوائے دردِ جگر / تڑپ کے دل نے صدا دی کہ ہائے دردِ جگر
رضا جو عشق کی ہو ہر طرح ہوں میں راضی / گھٹائے دردِ جگر یا بڑھائے دردِ جگر
نہ کوئی دوڑنے والا نہ مہرباں ہے طبیب / کہاں سے آئے الٰہی دوائے دردِ جگر
زباں رک نہیں سکتی ہے رنگ چہرہ ہے زرد / کہاں تلک کوئی یارب چھپائے دردِ جگر
تڑپ سے دل کے یہ ہوتا ہے اب مجھے ثابت / کہ جان جائے یہ ہو انتہائے دردِ جگر
دیا ہے قسمت بد نے عجب مرض میں مرض / کہ درد سینے میں بھی ہے سوائے دردِ جگر
ہوئی دوا بھی لکھے عاملوں نے بھی تعویذ / ٹلی نہ سر سے ہمارے بلائے دردِ جگر
اٹھا کے آنکھ بھی دیکھا نہیں کسیکی طرف / ہوا کہاں سے یہ بیٹھے بٹھائے دردِ جگر

ہمارے دل کا ہی درد امیرؔ یہ کچھ سمجھے
ہوا ہو عشق میں جو مبتلائے دردِ جگر

جلتا ہے دل فراق میں کیونکر خوش آئے ابر / بھڑکائے آگ کے ہیں مجھے لگہ ہائے ابر
بیکس وہ ہوں کہ میری لحد پر جو آئے ابر / رو رو کے چادر آبِ رواں کی چڑھائے ابر
ہیں کسکے غم میں نالۂ درد آشنائے رعد / ہے کسکے غم میں گریۂ بے انتہائے ابر
دریا بہاتی ہیں مری آنکھوں کی پتلیاں / آئی ہے ٹھیس ان کے بدن پر قبائے ابر
ساقی ہیں بادہ خوار ترے بادشاہ وقت / سر پر ہے ان کے سایۂ بالِ ہمائے ابر
سرسبز کیا ہو کشت وہ برگشتہ بخت ہوں / بجلی گرے تڑپ کے جو مانگوں دعائے ابر
میں ہجر یار میں نہ کروں نالے اے فلک / بلبل تو ہائے گل کہے طاؤس ہائے ابر
آئی خزاں بہار گئی رنگ وہ کہاں / چھائی ہے کیا چمن میں اداسی بجائے ابر
اک برق وش کی یاد میں رو رو کے مر گیا / کیونکر چڑھے نہ قبر پہ میری ردائے ابر

دل میں ہمارے آگ لگا کر فراق میں
پانی کو دوڑتے ہیں عبث لکہ ہائے ابر

ہر دامنِ مژہ میں سمندر بھرے ہوں جب
پھر کس طرح نظر میں ہماری سمائے ابر

خط اس طرح ہے روئے کتابی یار پر
کاغذ پہ کاغذی کوئی جیسے اٹھائے ابر

بے جا ہے میرے دیدۂ گریاں سے سامنا
کہہ دو کہ آبرو کو نہ اپنی مٹائے ابر

مجھ مست سے پھری ہوئی ہو یہ ہوائے باغ
شیشہ بھر دوں جو مے سے تو پتھر گرائے ابر

برسات میں یہی ہے اگر میکشی کا لطف
دامن پہ زاہدوں کے نہ دھبا لگائے ابر

ہم بیکسوں کا کون عزادار ہے امیرؔ
ہاں نیلگوں ہے دوش ہوا پر ردائے ابر

اے بتو لازم ہے چشم لطف دولت خواہ پر
بوسہ یا دشنام کچھ تو دو خدا کی راہ پر

جانور بھی ہوتے ہیں اقبال مندوں کے مطیع
سایہ کرتا ہے ہما شہپر سے فرقِ شاہ پر

پھنس گیا ہوں دام میں صیاد کا ہے اختیار
اب گلا میرا دبائے خواہ اڑائے خواہ پر

بیٹھنے دو پاس لینگے بوسۂ عارض نہ اب
شک اگر ہو مُہر ہم کر دیں کلام اللہ پر

چہرۂ روشن سے تیرے کس طرح تشبیہ دیں
چھائیاں ہم کو نظر آتی ہیں روئے ماہ پر

کاسۂ دریوزہ آنکھوں کو بناتا ہے عبث
چاہیئے ہر وقت انساں کی نظر اللہ پر

کی مشقت ہو گئے ہم خاک جس کی راہ میں
اے فلک وہ آج تک آتا نہیں ہے راہ پر

اڑ سکیگا کس طرح مجھ ناتواں سے کوہ ہجر
ڈالتے ہو کوہ کا تم بوجھ برگ کاہ پر

شکر ہے اتنا تو الفت نے کیا پیدا اثر
آہ کر اٹھتا ہے وہ بیدرد میری آہ پر

ہو وہ شاہ حسن ہیں افلاک بھی زیر نگیں
سکہ بٹھلاؤ زر خورشید و سیم ماہ پر

دیکھئے کیا ہو دل نالاں کو دیکھو رعد کو
کیا بڑی آواز ہے اس قامتِ کوتاہ پر

ہوں وہ بیمارِ محبت میں جو چاہونگا علاج
چرخ سے اترینگے عیسٰی سقف بیت اللہ پر

ہے تفاوت بوریا و تخت میں تا زندگی
موت کا قابو برابر ہے گدا و شاہ پر

شکر ہے آئے بھی میرے گھر میں مہماں بھی ہوئے ۔ یہ عنایت پر عنایت بندۂ درگاہ پر

دم میں مٹ جائیں گے یہ مثل حباب اب اے امیر
ہیں عبث مغرور منعم خیمہ خرگاہ پر

کون وحشت کا ہوا سلسلہ جنباں چل کر ۔ آرہا جو مرے دامن میں گریباں چل کر

تھا وہ دیوانہ کہ زنداں کی محبت نہ گئی ۔ رہ گیا چار قدم سوئے بیاباں چل کر

جمع عشاق ہیں نکلو کہ گرے لاش پہ لاش ۔ تیغ کی چال دکھاؤ سر میداں چل کر

ابر آیا ہے بہت بیٹھ چکے مسجد میں ۔ کیجیے بادہ کشی آج گلستاں چل کر

قصد اس بزم کا کیجے کہ ملے بوسۂ لب ۔ لیجیے مول کوئی لعل بدخشاں چل کر

جانتا ہوں کہ مجھے یاد دلاتا ہے وہ چال ۔ چال مجھ سے نہ کرا اے کبک خراماں چل کر

باغ باغ اس کی گلی میں ہے مرا غنچۂ دل ۔ کیا کروں میں طرف روضۂ رضواں چل کر

سخت جاں ایسے ہیں عاشق کہ نکلتا نہیں دم ۔ پانی پانی ہے ترا خنجر براں چل کر

تو خراماں ہو جو گلشن میں تو تیرے آگے ۔ کبک و طاؤس نہ کیونکر ہوں پشیماں چل کر

دل بھر آتا ہے احباب کی فرقت میں امیر
روئیے خوب سر گور غریباں چل کر

طرفہ دولت کا نشاں زلف رسا ہے سر پر ۔ توشۂ حسن ہے یہ ظل ہما ہے سر پر

سارے عالم میں پھرے ہم نہ ملی امن کی جا ۔ پہنچے جس شہر میں دیکھا کہ قضا ہے سر پر

واقعی کتنی ہے معشوقۂ دنیا بے شرم ۔ رخ پہ اس کے ہے نہ برقع نہ ردا ہے سر پر

شمع ساں سوزش غم سے نہیں دنیا کو نجات ۔ کیا تکلف ہے اگر تاج طلا ہے سر پر

دھوپ میں چلکے دکھایا ہے نیا تم نے فروغ ۔ آفتابی ہے کہ داماں قبا ہے سر پر

روبرو اس کے جھپکتی ہے یہ دوپہر کی آنکھ ۔ چاند سورج کی وہ چوٹی میں ضیا ہے سر پر

کہکشاں چرخ پہ دیکھی تو یہ سمجھے شب ہجر ۔ ترک کھینچے ہوئے شمشیر جفا ہے سر پر

سلطنت کو ترے درویش سمجھتے ہیں وبال　　سایۂ بال ہما ابر بلا ہے سر پر
سرخ ٹوپی نہیں پہنی ہے مرے قاتل نے　　خون ناحق کسی کشتے کا چڑھا ہے سر پر
حسب ارشاد نبی فقر حقیقت میں ہے فخر　　ابر رحمت کہ گلیم فقرا ہے سر پر
دشت میں گرمیٔ رفتار و بخار دل سے　　بجلیاں پانوں کے نیچے ہیں گھٹا ہے سر پر
حامل کوہ غم ہجر ہوں کیا راہ چلوں　　پانوں اٹھ سکتے نہیں بوجھ بڑا ہے سر پر
کوئے جاناں میں گرایا مجھے اے لغزش پا　　بارک اللہ یہ احسان ترا ہے سر پر
میکشو پانوں اٹھائے ہوئے گلشن کو چلو　　ساتھ چلتی ہے ہوا سرد گھٹا ہے سر پر
محتسب دل سے ہے شیشے کی پری کا دشمن　　سخت دیوانہ ہے جن اسکے چڑھا ہے سر پر
واعظ شہر بھی رکھتا ہے کنہیا کا مکٹ　　واہ عمامہ عجب جلوہ نما ہے سر پر

اہل دنیا ہیں غرض کے لیئے دیندار امیر
وقت سوگند کے قرآن کی جا ہے سر پر

اور بھی تیر لگا دل پہ مری جاں دو چار　　ساتھ پیکاں کے نکلجاتے ہیں ارماں دو چار
ذکر اس مصحف عارض کا بھی ہوتا ہے ضرور　　جمع ہوتے ہیں جہاں حافظ قرآں دو چار
ساکنان حرم و دیر کو ہم دیکھ آئے　　رخ کے حیراں ہیں تو گیسو کے پریشاں دو چار
جب نکلتے ہیں مکاں سے وہ بدل کر کپڑے　　چاک ہو جاتے ہیں رستے میں گریباں دو چار
مجلس گور غریباں نہیں رہتی خالی　　روز آ رہتے ہیں اسمیں نئے مہماں دو چار
جھانک کر روزن دیوار سے دیکھو تو ذرا　　در پہ ہیں خاک نشیں بے سر و ساماں دو چار
عاشق عارض و لب قید سے چھوٹے جسدم　　گئے دس بیس حلب کو تو بدخشاں دو چار
ہوں وہ وحشی کہ ٹھہرتا نہیں دل روز مرا　　جب تلک طے نہیں کرتا ہوں بیاباں دو چار
رخ کے عشاق سے وابستہ گیسو ہیں سوا　　لاکھوں ہندو نظر آتے ہیں مسلماں دو چار
ہوں وہ بسمل مرے زخموں کو مزہ درد کا ہے　　نہ بھرے جی جو نہ خالی ہو نمکداں دو چار

امتحاں مردم دنیا کا کیا ہم نے امیر
دیو خصلت جو ہزاروں ہیں تو انساں دو چار

تمہیں کو جانا تمہیں کو سمجھے تمام عالم سے تنگ ہوکر — دوئی کا وحدت میں دخل کیسا ہے ہمیشہ اک رنگ ہوکر
ادا تو دیکھو کہ وقت زینت ہر ایک پیکان نگاہ اسکے — چبھا رگ جاں میں مثل نشتر جگر پہ بیٹھا خدنگ ہوکر
ٹھہر گیا ہے ہمارے دلمیں ہزار منت سے درد الفت — مگر یہ ڈر ہے کہ اٹھ نہ جائے مکاں کی تنگی سے تنگ ہوکر
قدم جو اسکے مکاں میں رکھوں نہیں یہ ممکن کہ میں ہوں زخمی — لگائے دروں کے مجھکو پتھر ہر ایک روزن تفنگ ہوکر
جو سخت دل گردشوں سے چھوٹے تو پہنچے اورونکو اس سے ایذا — بدنکو زخمی کرے مقرر جطرح فلاخن سے سنگ ہوکر
عبور دریا میں ساتھ میرے ہے میری تقدیر کی برائی — بچا ہو کشتی پہ دانت پیسے جو آرہ پشت نہنگ ہوکر
نہاں تھا آنا کہ ہو نہ ظاہر عیاں تھا جانا کہ سب ہوں باہر — وہ دلمیں آئے امنگ ہوکر گئے تو چہرے کا رنگ ہوکر
بہت فرنگی بچوں کی صحبت کا شوق اے حاجیو ہے ہمکو — حرم کو تم سیدھی راہ جاؤ ہم آرہیں گے فرنگ ہوکر
کہاں طریق جنوں میں ہمساہ کوئی آیا جگاد آفت — چبھا جو تلوے میں اپنے کانٹا وہ دل پہ بیٹھا خدنگ ہوکر
غضب ہے انساں دم مصیبت کرے جو انساں سے بیوفائی — کہ دیکھو چکی کے پاٹ کیسے ہمیں پیا گردش میں سنگ ہوکر
ہوئے تھے بند بچوں کے عاشق شہید ہونگی کیا خبر تھی — نہ جانتے تھے کہ خوں ہمارا اڑیگا ہولی کا رنگ ہوکر
اخر نہ جائے کسیطرح سے مرے مقدر کی کوتہی کا — فلک جو قصر رفیع بھی دے وہ قبر بنجائے تنگ ہوکر
گیا وہ موسم کشادگی کا کہ غنچہ ہوتا تھا ہاتھ میں گل — وہ فصل ہے اب اگر میں سونگھوں تو پھول غنچہ ہو تنگ ہوکر

جواب خط وہ ادھر سے آیا کہ دل کیا اے امیر زخمی
ہوا کی صورت گیا کبوتر پھرا وہاں خدنگ ہوکر

نہ کور باطن ہو اے برہمن ذرا تو چشم تمیز وا کر — خدا کا بندہ بتوں کو سجدہ خدا سے ڈر خدا خدا کر
جو اٹھ کے پہلو سے انجمن میں وہ دور بیٹھے ہیں مجھسے جا کر — تڑپ نے درد جگر کے دلکو پٹک دیا ہے اٹھا اٹھا کر
شرر سے کہدو کہ پست فطرت پھنسا ہے کیوں خس میں آکر — یہ کیا سمجھ پر پڑے ہیں پتھر ارادۂ منزل فنا کر
قدم کو لغزش زباں کو لکنت ہے رعشہ ہاتھوں کو سر کو جنبش — کدھر گئی ہائے نوجوانی ان آفتوں میں ہمیں پھنسا کر

جو آنکھ کھولی تو کچھ نہ دیکھا سحر کو سنسان سب سرا تھی ۔ ہوا نہ ہمراہیوں سے اتنا کہ ساتھ لیتے مجھے جگا کر
نہ بھول اس زندگی پہ غافل نہیں ہے کچھ اعتبار اسکا ۔ کہ راہ لیگی یہ اپنی اک دن عدم کا رستہ تجھے بتا کر
بپا ہے طوفان بے ثباتی رداردی میں ہیں گرم موجیں ۔ ہوا ہیں ناحق بھرا ہوا ہے حباب دلکے ہوا میں گھر بنا کر
چمن ہے کشتہ نگاہ تیرے ہے غم یہ لالہ و گل نہیں شگفتہ ۔ صبا نے گویا کہ تربتوں پر چراغ روشن کئے ہیں لا کر
نہیں ہے کوئی جہاں میں باقی یہ چلیگی اب تیغ ناز کس پر ۔ مگر ترے قتل گہ میں لائیں مسیح مردے جلا جلا کر
اسی کا ہے رنگ یاسمیں میں اسی کی بو باس نسترن میں ۔ جو کھڑکے پتا بھی اس چمن میں خیال آواز آشنا کر
بلا ہے حرص و ہوائے دنیا کہ جس کے چکر میں ہیں سب انساں ۔ کیا پریشان ان آندھیوں نے تمام ذروں کو خاک اڑا کر
جو آئینہ ہو تو ٹوٹ جائے جو آنکھ ہو وہ تو پھوٹ جائے ۔ خدا نہ منھ غیر کا دکھائے فروغ عارض ترا دکھا کر
سخنوروں سے معاملے میں سوائے ذلت حصول کیا ہے ۔ چمن میں بجتے جو کوئی ہم سے تو ہنس پڑے پھول کھلکھلا کر
یہ کسکی تیغ جفا کا یا رب ہر ایک دلیر پہ رعب غالب ۔ ہلال کی ہے خمیدہ گردن سپہر چلتا ہے سر جھکا کر
شبیہ مد نظر ہے کس کی کہ کوئی پوری نہیں اترتی ۔ مٹا دیئے صانع ازل نے ہزاروں نقشے بنا بنا کر
زمانہ ہے دل جلوں کی محفل سپند سے کم نہیں تو اے دل ۔ کوئی تو ہنگامہ تو بھی غافل اس انجمن میں کبھی بپا کر
ہے بزم جاناں میں حشر برپا تڑپ کا دل کے یہ تھا تقاضا ۔ مگر بڑی مشکلوں سے روکا ادب نے زانو دبا دبا کر
جواب رکھتی نہیں ہیں اپنا فسون گری میں تمہاری آنکھیں ۔ فریب دیتی ہیں اک جہاں کو نئے نئے شعبدے دکھا کر
ذرا سے کھٹکے نے نیند اڑائی کہ چوٹ تھی یہ عجب لگائی ۔ صدا یہ گوش شرر میں آئی کہ خواب سنگیں سے چشم وا کر

امیر میری رگ گلو کو یہ تیغ قاتل کی آرزو تھی
لے وہ آکر جو بعد مدت تو خوب رو دے گلے لگا کر

ہوا سودا ہمکو جوش وحشت چمن میں روز بہار جا کر ۔ گلوں نے ہنس ہنس کے ہار ڈالا اڑا لیا غنچوں نے مسکرا کر
دو مست ہیں ہم کہ پانوں اپنے ٹکے ہیں عرش بریں پہ جا کر ۔ کبھی جو چوکھٹ پہ میکدے کی گرے ہیں نشے میں لڑکھڑا کر
عبث ہے مغرور تجھکو نخوت نہیں غریبوں کو تیری پروا ۔ خدا ہے ہر مور ناتواں کا جو تو سلیماں ہے تو ہوا کر
یہ ظلم سارے ہیں چند روزہ ہے اک دن انتقام کا بھی ۔ امیر حمام گرم کر لیں فقیر کا جھونپڑا جلا کر

خیال گیسو میں دل ہمارا جو آجکی شب اُلجھ رہا ہے
کہاں سے لایا ہے یا الٰہی یہ گھر میں کالی بلا لگا کر

شبِ جدائی ہوئی یہ حالت رہی تپ دردِ غم کی شدت
جو ہوش آیا تو ہمنے ٹپکا زمیں پہ تکیے سے سر اٹھا کر

خدا ہی باندھے ہوا کچھ ایسی کہ دل ہوا اس گرم خو کا پانی
کیا ہے لوگوں نے آگ اسکو لگا لگا کر بجھا بجھا کر

عیاں جو سرخی شفق کی دیکھی ہمارے دلکو ہوا یہ دھوکا
ترے شہیدوں میں ترک گردوں ہوا ہے شامل لہو لگا کر

نکیر و منکر جو آئینگے اب تو راہ بھولینگے بے تامل
ہماری تربت پہ اقربا نے کیا ہے اندھیر خاک اُڑا کر

نبی نے چھوڑا جہاں میں قرآں نہ سمجھے کوئی تو خود ہے جاہل
قصور رہبر کہ ہے جو اندھا گئے خضر راستہ بتا کر

طبیب سے کوئی جا کے کہدے دوا کی ہے فکر تجھکو بیجا
یہ درد دل ہے علاج کیسا خبر ہے کچھ ہوش کی دوا کر

بجا ہے چاہِ ذقن کو تیرے کہے اگر خلق چاہِ زمزم
مریض اچھے ہوئے ہیں اکثر اسی کنوئیں میں نہا نہا کر

جدا ہے پہلو سے کسکا پہلو کہ سارے اعضا ہوئے ہیں دشمن
فشار دیتے ہیں زندگی میں ہمارے پہلو ہمیں دبا کر

رقیب نے تیرے گھر سے ہمکو صنم نکالا اگر نکالا
زمیں پر آئے جناں سے آدم فریب شیطاں سے داغ اٹھا کر

بہار آئی چمن میں ساقی ہمیں بھی کر دورِ جام سے خوش
نسیم گلشن لٹا رہی ہے گلوں کو کیا کیا ہنسا ہنسا کر

اسیر قسمت میں جو لکھا ہے اُسی کا ہر روز سامنا ہے
خدا ہے مالک خدا ہے رزاق کسی سے ہرگز نہ التجا کرنا

ردیف رائے ثقیلہ

منھ پھیر نہ کر وطن کیطرف یوں وطن کو چھوڑ
چھوٹے جو بوئے گل کیطرح سے وطن کو چھوڑ

اے روح کیا بدن میں پڑی ہے بدن کو چھوڑ
میلا بہت ہوا ہے اب اس پیرہن کو چھوڑ

کیا لطف اگر کجی پہ فلک ہم بھی آگئے
سیدھی طرح سے راہ پر آ اُس چلن کو چھوڑ

ہے روح کو ہوس کہ نہ چھوڑے بدن کا ساتھ
غربت پکارتی ہے کہ غافل وطن کو چھوڑ

کہتی ہے بوئے گل سے صبا آکے صبحدم
اب کچھ ادھر اُدھر کی ہوا کھا چمن کو چھوڑ

تلوار چل رہی ہے کہ یہ تیری چال ہے
اے بت خدا کیواسطے اس بانکپن کو چھوڑ

نقاش فکر یار کا رخ کھینچ زلف کھینچ
کھینچا نہ جائیگا کبھی اُسکے دہن کو چھوڑ

بندہ ترا ہوا ہے خدا کو وہ چھوڑ کر
اے بت امید خیر نہ رکھ برہمن کو چھوڑ

عریان نعش مجھکو نہ کر کچھ خدا سے ڈر
چادر تو اے فلک کوئی میرے کفن کو چھوڑ

ناداں سوائے حق ہے کسیکا کہاں وجود
باتیں خودی کی خوب نہیں ما و من کو چھوڑ

بیباک میرے سامنے پھرتا ہے چوکڑی
اے وحشت اب تھکا کے غزال ختن کو چھوڑ

بسمل کو تیری تیغ سے کرتی ہے کیا جدا
دولھا سے کہہ رہی ہے قضا اس دلہن کو چھوڑ

راحت سے بیٹھ کوچۂ محنت سے ہاتھ اٹھا
اے دل ہوائے زلف شکن در شکن کو چھوڑ

شاعر کو فکر شعر میں راحت کہاں امیر
آرام چاہتا ہے تو مشق سخن کو چھوڑ

ردیف زائے معجمہ

کیا ہوش ربا ہیں تری تلوار کے انداز
سیکھے ہے یہ شاید تری رفتار کے انداز

اک جلوہ میں غش کر گئے اے حضرت موسیٰ
ہوتے ہیں یہی طالب دیدار کے انداز

ہنگام غضب منھ میں زباں کرتی ہے لغزش
ہیں محتسب شہر میں مے خوار کے انداز

طوبیٰ کے تلے برسوں ہی فردوس میں بیٹھے
پائے نہ ترے سایۂ دیوار کے انداز

کیا ناز ہیں صاحب تمہیں یکتائے جہاں ہو
دیکھو تو ذرا اور بھی دو چار کے انداز

بوسہ کوئی مانگے تو نہیں کہتے ہیں ہنسکر
انکار میں بھی صاف ہیں اقرار کے انداز

کس شوق سے ملتا ہے گلے خنجر قاتل
ظالم کی کھنچاوٹ میں بھی ہیں پیار کے انداز

جب چوکڑیاں بھرتے ہوئے جاتے ہیں آہو
یاد آتے ہیں مجھکو تری رفتار کے انداز

انصاف تو فرمایئے کیونکر میں اٹھاؤں
ہر بار کے یہ ناز یہ ہر بار ستم انداز

آنکھیں تہ خنجر بھی ہیں دیدار کی طالب
دیکھو تو ذرا طالب دیدار کے انداز

ہر موج سے اک لغزشِ مستانہ ہویدا — ہیں آبِ رواں میں تری رفتار کے انداز
کن آنکھوں سے دیکھوں میں نزاکت رگِ گل کی — پھرتے ہیں نظر میں کمرِ یار کے انداز
عیسیٰ میں تری چال ترے ناز کہاں ہیں — ہاں باتوں میں البتہ ہیں گفتار کے انداز
گھبرا کے مسیحا جو چلا ہے سوئے گلشن — اچھے نہیں کچھ نرگسِ بیمار کے انداز

کہتی ہے امیر اس سے اجل میرے سرہانے
اچھے نہیں عیسیٰ ترے بیمار کے انداز

ہے یہ تیری کاکلِ پیچاں دراز — عمرِ خضر ایسی کہاں جاناں دراز
ہر مصیبت میں رہی میرے شریک — یا خدا عمرِ شبِ ہجراں دراز
سینہ خالی رہ گیا دل لے گئے — کر کے دستِ ظلم وہ مژگاں دراز
کیوں نہ دعویٰ تیرے قامت سے کرے — قدِ صنوبر کا ہے اے جاناں دراز

اہلِ دنیا کی ہوس ہے اے امیر
مثلِ موئے قیدیِ زنداں دراز

ردیف سین مہملہ

جاتا ہوں اس لیے صنمِ بے وفا کے پاس — پہنچا جو اُس کے پاس وہ پہنچا خدا کے پاس
یوں دل مرا ہے اس صنمِ بے وفا کے پاس — جس طرح آشنا کسی ناآشنا کے پاس
پہلو میں دل کے چاہیے تصویرِ یار کی — بتخانہ بھی بنے حرمِ کبریا کے پاس
بولا وہ بت سرہانے مرے آ کے وقتِ نزع — فریاد کو ہمارے چلے ہو خدا کے پاس
ثابت ہوا یہ گرم نگاہی سے یار کی — نکلی نہیں ہے ہو کے وہ چتون حیا کے پاس
تلوار کے تو دور سے کتنے لگائے وار — جلاد کوئی ہاتھ چھری کا بھی آ کے پاس
سنبل کو چھیڑ کر جو پریشان کر دیا — کیا بوئے زلفِ یار بھی تھی کچھ صبا کے پاس

توفیق اتنی دے مجھے افلاس میں خدا
حاجت نہ لیکے جاؤں کبھی اغنیا کے پاس

انصاف کر کہ ہجر میں کیونکر میں جان دوں
قاتل کہاں ہیں تیری ادائیں قضا کے پاس

مجروح لاکھوں جنبشِ مژگاں سے ہو گئے
کیا کیا کٹاریاں ہیں تمہاری ادا کے پاس

مرنے کی آس بھی نہ رہی عاشقوں کو اب
جب پوچھیے قضا کو ہے اُنکی ادا کے پاس

رہتے ہیں ہاتھ باندھے ہوئے گلرخانِ دہر
یارب ہے کس غضب کا فسوں اس حنا کے پاس

نظارہ چاہتے ہیں ہم حسن و عشق کا
آئینہ دیکھتے ہیں وہ مجھ کو بٹھا کے پاس

آئی قضا جو حسرتِ پابوس میں تو خیر
بنتا مزار کاش ترے نقشِ پا کے پاس

لٹکا کے مار رکھی ہے عشاق کو ترے
لٹکا عجب یہ ہے تری زلفِ رسا کے پاس

پیچھے پڑا ہے انکی گیسو کے دل امیر
جاتا ہے دوڑ دوڑ کے یہ خود قضا کے پاس

آئیں پہن پہن کے نئے گلبدن لباس
یارب ہزار رنگ کے بدلے چمن لباس

کرتے ہو کیا لباس سے آرائشِ بدن
اک روز فرشِ خاک ہے مسند کفن لباس

کیا کیا بتوں کو دہر میں آراستہ کرے
اترا ہوا جو پائے ترا برہمن لباس

پھاڑوں میں اپنا جامۂ ہستی تو دے کفن
پہنائے یوں حیا مجھے چرخِ کہن لباس

کہدو قریب آئی سواری بہار کی
پہنے نیا اُتارے پرانا چمن لباس

دزدِ کفن کا گور کی منزل میں خوف ہے
اس راہ میں بھی لوٹتے ہیں راہزن لباس

نافے لٹائیں قیمتِ مشکِ ختن بڑھے
پائیں ترا جو تاجرِ ملکِ ختن لباس

یاد آئے مجھ غریب کی عریاں تنی اگر
پہنیں کبھی نہ بھول کے اہلِ وطن لباس

زیبا ہو خاک عشق کا جامہ رقیب کو
کیونکر خوش آئے مرد کا پہنے جو زن لباس

ہے عید گاہ میں بھی تماشائے بوستاں
کیا لعل لعل پہنے ہیں گل پیرہن لباس

عریاں تنوں پہ تیرے ہے اللہ کا کرم
گزری ہیں مدتیں نہیں ہوتا کہن لباس

ہے ٹکڑے ٹکڑے یادِ وطن میں دلِ امیر
کیونکر کرے نہ چاک غریب الوطن لباس

بیتاب ہجرِ یار میں اپنا جگر ہے دل کے پاس
بسمل تڑپتا ہو کوئی جیسے کسی بسمل کے پاس

تعبیر ظاہر ہے کہ وہ جائینگے بزمِ غیر میں
دیکھا زحل کو خواب میں بیٹھے مہ کامل کے پاس

لیلیٰ حسین تم نازنیں وقتِ سفر اے مہ جبیں
ناقہ ہو ناقے کے قریں محمل رہے محمل کے پاس

ہوں وہ گدائے مجتمع گھر میں پھرے خلقِ خدا
گویا کہ نقشِ بوریا ہے نقش حب عامل کے پاس

کیونکر نہ ہو اس رخ پہ خط چاہِ ذقن سے خوشنما
سبزہ رہتا ہے بہت جو کھیت ہو ساحل کے پاس

پیری میں باقی ہے کہاں ہوش و خرد تاب و تواں
لوٹا گیا یہ کارواں پہنچے جو ہم منزل کے پاس

زاہد جو تنہائی میں تھا کچھ تجھکو باتوں کا مزہ
لازم تھا کنجِ انزوا منجوا رونکی منزل کے پاس

نزدیک وصلِ دلربا دل کو تسلی ہے بجا
لنگر سفینے کو ہوا پہنچا اگر ساحل کے پاس

یہ فوجِ غم آ کر گری اک دم میں ساری لٹ گئی
جتنی متاعِ صبر تھی مجھ خستہ جاں کی دل کے پاس

جیحوں سما جائیں اگر اس چشمِ تر کے سر بسر
دامن ورا ہے چشمِ تر ایسا کہاں ساحل کے پاس

بیمارِ ہجرِ یار ہوں عیسیٰ سے میں بیزار ہوں
دیوانہ ہشیار ہوں جاتا ہوں کب عامل کے پاس

ناوک فگن شکر خدا سینہ ہدف تو نے کیا
پیکانِ تیرِ بے خطا شامل جگر ہے دل کے پاس

جبتک کہ ہے سر دوش پر جائیگا کیونکر دردِ سر
صحت کہاں عیسیٰ کے گھر چلیے کسی قاتل کے پاس

آنکھیں تری سفاک ہیں خونریز ہیں چالاک ہیں
دو ساحرِ بیباک ہیں بیٹھے ہیں دونوں ملکے پاس

کیا ذکرِ اہلِ سیم و زر سلطاں گدا ہوں بیشتر
وہ بھیک دینے کو اگر آئیں کبھی سائل کے پاس

دنیا سے راحت دور ہے سرکش عبث مغرور ہے
تاجِ سرِ فغفور ہے کاسہ نہیں سائل کے پاس

محفل میں وہ زہرہ جبیں گرد اسکے سارے نازنیں
گویا کہ ہیں محفل نشیں انجم مہِ کامل کے پاس

کیا حسنِ فرخ فال ہے جادو کی وہ تمثال ہے
چاہِ ذقن پر خال ہے زہرہ چہ بابل کے پاس

مرتا ہوں خوابِ عیش پر بھولوں نہ میں ہوں قتل گر
پہنچے مقرر لوٹ کر سر زانوئے قاتل کے پاس

سُن جو امیرا دل کہے تا پھر نہ تو صدمے سہے
ناقص نہ پھر ناقص رہے بیٹھے اگر کامل کے پاس

ردیف شین معجمہ

رہی جو یوہیں مرے پیک آہ کی گردش
دہائی دے گی رسالت پناہ کی گردش
ازل میں کس نے دکھائی نگاہ کی گردش
کہ ساری خلق کو ہے ایک راہ کی گردش
کسی کا ساتھ زمانے میں کون دیتا ہے
پھرا جو سر تو نہ دیکھی کلاہ کی گردش
جو گردباد کو دیکھا یقیں ہوا دل کو
اسی طریق سے ہے چتر شاہ کی گردش
بجا ہے تیغ نگہ ہے جو آبدار اے ترک
کہ سان ہے تری چشم سیاہ کی گردش
ہزار بار ادھر کی اُدھر کرے دنیا
فلک نہ پائے گا تیری نگاہ کی گردش
گلی گلی اسے چکر ہے اس کو شہر بہ شہر
کہیں فقیر سے افزوں ہو شاہ کی گردش
پھنسیں گے حشر میں فریاد رس جو غافل ہیں
بنے گی طوق گلو داد خواہ کی گردش
صف مژہ کو وہ دیتا ہے جنبشیں ہر دم
پسند شاہ کو ہے خود سپاہ کی گردش
تمہاری گرمی رفتار سے یہ ہجر کی آگ
بنی ہے شعلہ جوالا راہ کی گردش
اٹھاؤ پردہ رخ کب سے دوڑتے ہیں غریب
کہیں ٹھکانے لگے مہر و ماہ کی گردش
دھوئیں اُڑائے زحل سے مقابلہ کر کے
بڑھی رہی مرے بخت سیاہ کی گردش
فلک نے جب کوئی چکر بڑا دیا مجھ کو
نظر میں پھر گئی تیری نگاہ کی گردش
بنیں گے نہ ورق چرخ پر دوائر داغ
رہی جو یوہیں مرے کلک آہ کی گردش

وہ لالہ رو در گلشن سے جا کے پھر آیا
امیر طالع مردم گیاہ کی گردش

پھنسائے گی طلب عز و جاہ کی گردش
بنے گی حلقۂ زنجیر راہ کی گردش

نہیں ہے چرخ پہ بے وجہ ماہ کی گردش
پھرا رہی ہے کسی کی نگاہ کی گردش

جو آئی حشر میں یاد اُس نگاہ کی گردش
زبان بھول گئی داد خواہ کی گردش

مکان یار میں تب دخل مہر نے پایا
جب اُسکے کوچے میں دو چار ماہ کی گردش

کسی کے ساتھ نہ سیدھا چلا یہ کج رفتار
زمانہ ہے کہ تمہاری نگاہ کی گردش

لگا کے سرمہ نظر اُس نے پھیر لی ہم سے
اثر دکھا گئی بخت سیاہ کی گردش

کسی کے کوچۂ گیسو میں دل ہے سرگرداں
گدا کے پانوں میں اور کوئے شاہ کی گردش

جو کچھ نصیب میں ہے اے ہوس وہ ملتا ہے
پھرا ہے سر جو اٹھاؤں میں راہ کی گردش

خدا کی شان کی نیرنگیاں دکھاتی ہے
بتوں کی چشم سفید و سیاہ کی گردش

یونہیں زمانہ ہے اندھیر میری آنکھوں میں
فلک بناتی ہے کیوں دود آہ کی گردش

تمہاری سیدھی نظر نے تو یہ دیے چکر
خدا دکھائے نہ ترچھی نگاہ کی گردش

برنگ جادۂ صحرا ازل سے اے وحشت
مرے نصیب میں لکھی ہے راہ کی گردش

جنوں میں ضعف سے یہ شکل بن گئی ہے امیر
لپٹ کے پانوں سے روتی ہے راہ کی گردش

حیوان کو بھی ہے وصل کی اوقات کی تلاش
طاؤس کو ہمیشہ ہے برسات کی تلاش

یہ ایک حسن لاکھ شرافت سے بڑھ کے ہے
ناداں ہے دیکھے دل جو کرے ذات کی تلاش

بوسے کی آرزو ہے ہمیں مفلسی میں یوں
جیسے گدا کو ہوتی ہے خیرات کی تلاش

پیری میں چاہئے نہ جوانی کی آرزو
بے عقل ہے جو دن کو کرے رات کی تلاش

جز ذات بے نیاز کوئی یاں غنی نہیں
عالم کو ہے کسی نہ کسی بات کی تلاش

کب بھولتی ہے یاد خط و زلف یار انھیں
دن رات عاشقوں کو ہے آفات کی تلاش

حضرت کو گر نہیں مری پروا تو غم نہیں
بندے کو کب ہے قبلۂ حاجات کی تلاش

ہے میکشی کا دھیان عبادت کے وقت میں
مسجد میں بیٹھ کر ہے خرابات کی تلاش

شہرے سے حسن کے ہوئے مشتاق یار ہم — سن کر صفات ہم کو ہوئی ذات کی تلاش
ہم اور بوسۂ لب محبوب سبزہ رنگ — کرتا ہے کون پردۂ ظلمات کی تلاش

اے شیخ ہے امیر تو دیدار کا فقیر
اس کو نہ کشف کی نہ کرامات کی تلاش

ردیف صاد مہملہ

دل کو ہے زلفِ پیچ خام کی حرص — ورنہ کس مرغ کو ہے دام کی حرص
میری آنکھوں کو مرے کانوں کو — ہے ترے نام و پیغام کی حرص
ذوقِ دل مست مجھے رکھتا ہے — جم نہیں ہوں جو کروں جام کی حرص
باغ عالم میں ہے عنقا کی طرح — بے نشانی میں مجھے نام کی حرص
ہے عجب دردِ محبت میں مزا — اس مرض میں نہیں آرام کی حرص
نام محبوب رہے وردِ زباں — کام کی ہے تو یہ ہے کام کی حرص
نظر آجائے جو وہ مصحفِ رخ — ہندوؤں کو بھی ہو اسلام کی حرص
عاشقِ خانہ خرابی ہیں ہم — کسکو ہے زیب در و بام کی حرص
خط کے لایا ہے وہاں سے پرزے — اس پہ قاصد کو ہے پیغام کی حرص
ابھی پختہ نہیں وہ سیبِ ذقن — کیجئے کیا طمعِ خام کی حرص
لب شیریں پہ ترے خط نکلا — اب نہ بوسے کی نہ دشنام کی حرص
عشق نے سب سے کیا بے پروا — ننگ کی ہے نہ مجھے نام کی حرص
ہجرِ جاناں میں نہانا کیسا — خاک مردے کو ہو حمام کی حرص
خوش ہیں ہم جامۂ عریانی میں — کس کو ہے جامۂ احرام کی حرص
پھول دیکھے ہیں جو چوٹی میں ترے — عندلیبوں کو ہے گلدام کی حرص

ہجو میکشی ہے لب واعظ پر　　دل میں پوشیدہ مے و جام کی حرص

لے گئی ہند سے تا شام امیر
ہم کو اس زلف سیاہ فام کی حرص

سیدھی نگاہ میں ہیں ترے تیر کے خواص　　ترچھی ذرا ہوئی تو ہیں شمشیر کے خواص
مشہور ہیں جہاں میں جو اکسیر کے خواص　　وہ سب ہیں خاک روضۂ شبیر کے خواص
حیرت مجھے ملی ہے جو تم کو ملا ہے حسن　　دونوں طرف ہیں ایک سی تصویر کے خواص
دنیا سے بے نیاز ترے خاکسار ہیں　　ہیں تیری خاک پا میں بھی اکسیر کے خواص
کرتی ہے یہ بھی اس کی طرح سے مخالفت　　تدبیر میں بھی ہیں مری تقدیر کے خواص
ابرو دکھا کے دل کو وہ کر لیتے ہیں شکار　　یہ طرفہ ہیں کمان میں بھی تیر کے خواص
ترکش میں تیر میان میں شمشیر مضطرب　　دیکھو تو بے قراری نخچیر کے خواص
اُترے نہ مر کے بھی ترے عاشق کے پاؤں سے　　زنجیر میں ہیں زلف گرہ گیر کے خواص
آتی ہے خاک گور غریباں سے یہ صدا　　غافل ہیں مجھ میں سرمۂ تسخیر کے خواص
بھیجا جو نامہ تو نے مسیحا میں جی اُٹھا　　تحریر میں بھی ہیں تری تقریر کے خواص
مشکل پڑی حضور کو گھر رات کاٹنی　　دیکھے ہمارے نالۂ شبگیر کے خواص
کہتا ہے شعر سن کے کوئی واہ کوئی آہ　　کچھ میرزا کے مجھ میں ہیں کچھ میر کے خواص

برزخ سے بڑھ کے شغل نہیں ہے کوئی امیر
آ جاتے ہیں مرید میں بھی پیر کے خواص

ردیف ضاد معجمہ

مکاں سے ہے نہ کچھ ہمکو لامکاں سے غرض　　جہاں حضور ملیں ہمکو ہے وہاں سے غرض
تمہارے جلوے کے مشتاق ہیں جہاں ہو نصیب　　زمیں سے کام نہ کچھ ہمکو آسماں سے غرض

تمہاری ذات سے مطلب ہے دین و دنیا میں ۔ نہ کچھ یہاں سے غرض ہے نہ کچھ وہاں سے غرض

ہر ایک فصل میں مانند سرو ایک ہے رنگ ۔ بہار سے ہے نہ مطلب نہ کچھ خزاں سے غرض

خیال ہے کہ جو برق آئے منفعل ہو پھرے ۔ نہیں کچھ اور خس و خار آشیاں سے غرض

پتا مکاں کا پوچھا تو اُسنے ہنس کے کہا ۔ کہ آپ کون ہیں کیا ہے مرے مکاں سے غرض

جو تو ہو پاس تو ناصح کی کون سنتا ہے ۔ شب وصال میں ہے کسکو قصہ خواں سے غرض

تمیز عشق و ہوس ہیں کہاں وہ کمسن ہیں ۔ نہ جھوٹ سچ پہ نظر ہے نہ امتحاں سے غرض

نہ پھولنے کی توقع یہاں نہ پھلنے کی ۔ نہال خشک ہوں کیا مجھکو باغباں سے غرض

زمین کوچۂ جاناں میں دفن ہو جاؤں ۔ اگر غرض ہے تو اتنی ہے آسماں سے غرض

ہجوم اشک سے جانِ عزیز کھنچتی ہے ۔ وہ یوسف اور تھے جنکو تھی کارواں سے غرض

حرم سے کام نہ مطلب ہے دیر سے ہمکو ۔ سر نیاز کو ہے تیرے آستاں سے غرض

کسے ہے فکر مضامین تازہ کی فرصت

امیر ہے مجھے شیرینئ زباں سے غرض

جلا دل عاشقوں نے کیونکر نہ وقت نظارہ تابِ عارض ۔ وہ روئے روشن ہے مہر محشر تو صبح محشر نقاب عارض

عیاں ہے اعجاز حسن سب پہ نہو زمانہ مطیع کیونکر ۔ جمال اُسکا ہے وہ پیمبر کہ جسپہ نازل کتاب عارض

بیان توصیف خال خط میں جو کوئی لکھے تو لیتی لکھے ۔ یہ خط گلزار صفحۂ رخ وہ نقطۂ انتخاب عارض

خدا نے نور و ضیا سے کیسے کئے ہیں پر نور دونوں عالم ۔ فلک پہ ہے آفتاب خاور زمیں پہ ہے آفتاب عارض

حسین کوئی کہاں ہے ایسا کہ ہوں متناسب تمام اعضا ۔ اسیکا گیسو جواب گیسو اسیکا عارض جواب عارض

ہزار خواہش کوئی جتائے وہ چہرہ بے پردہ کیا دکھائے ۔ جو خواب عاشق کو بھی نہ آئے کبھی الٹ کر نقاب عارض

کہوں بہشت بریں میں گلبن تو نا مناسب ہے یعنی کہنا ۔ ہزار و ہفتاد و یک عالم میں کیا ہے میرے حساب عارض

شراب پی کر وہ مہر طلعت گرے کا مستی میں تو جو طالب ۔ کباب ہائے کی مچھلیوں کو کرے دہن میں التہاب عارض

عرق جو رخ سے ٹپک رہا ہے یہ رشحہ ہے آب بار الٰہ ۔ غلط نہیں اب خط سیہ پر جو ہو گمانِ سحاب عارض

سے ہیں ہم محو حسن ایسے کہ علم ہے اور طاق نسیاں
بیاض اپنی بیاض گردن کتاب اپنی کتاب عارض

نہیں ہے ممکن میان فانوس ہو جو پوشیدہ شمع روشن
اگر پڑے نیگے ہزار پردے نہوں گے در حجاب عارض

برنگ ذرہ لبان شبنم ہزار امیدوار کے ہیں خطاب
دکھائیے آفتاب عارض دکھائیے آفتاب عارض

نمود خط یہ اگر ہے تو بوسہ عاشق کو ہو عنایت
ضرور ہے تم کو صدقہ دینا گہن میں ہے آفتاب عارض

کہیں مہ چاردہ اگر ہم تو ہے یہ تشبیہ محض بیجا
کہ مہر نصف النہار سب ہے سنا ہے ہم نے خطاب عارض

امیر کی احتیاط ہم نے وگرنہ ممکن تھا ہم بھی کہتے
شراب عارض کباب عارض ثواب عارض عذاب عارض

ردیف خ

آیا ہے بندھ کے تیر میں مجھ کو ادھر سے خط
لکھنا پڑا جواب میں خون جگر سے خط

کرتا ہوں میں تو روز روانہ ادھر سے خط
لکھا نصیب کا نہیں آتا ادھر سے خط

مضمون اس میں ہے کمر یار سے رقم
آتا نہ باندھ پیچ کے قاصد کمر سے خط

غربت میں کس طرح نہ پریشاں ہوں میں غریب
اک عمر ہو گئی نہیں آیا ہے گھر سے خط

مضمون شوق کچھ ہیں قلم سے نکل گئے
ڈر ہے نکل نہ جائے کبوتر کے پر سے خط

چڑھیے نہ ماہتابی پہ اٹھے ہوئے نقاب
لکھوائیے غلامی کا پہلے قمر سے خط

غربت نے نام اہل وطن کے بھلا دیئے
بھیجوں کسے میں لکھ کے الٰہی سفر سے خط

میں تھام لوں جگر کو بہت ہے یہ بیقرار
قاصد ٹھہر نہ کھول ابھی تو کمر سے خط

بہتے ہیں اشک آنکھ سے فرط سرور میں
اے دل نہ شاد ہو کے لگا چشم تر سے خط

ان کو غرور حسن ہے مجھ کو غرور عشق
آئے کبھی ادھر سے نہ جائے ادھر سے خط

آیا جو تیری روح نے قالب سے یہ کہا
میری طلب میں دیکھ یہ آیا ادھر سے خط

آنسو رواں نہیں دم تحریر خط شوق
تحریر کر رہا ہوں میں آب گہر سے خط

پڑھنے دیا نہ دل کی تڑپ نے مجھے امیر
ایسے ہجوم شوق میں آیا اُدھر سے خط

لکھتا ہوں فرط شوق میں میں بار بار خط
لکھتا نہیں ہے ایک مجھے وہ نگار خط

جھنجھلا کے ایک بھی نہ پڑھیگا یقین ہے وہ
لکھے ہیں ایک روز میں میں نے ہزار خط

کیا شوق ہے بنا کے کبوتر کو نامہ بر
ایک ایک پر میں باندھ دیئے چار چار خط

لکھوں ذرا کدورت دل کا اگر میں حال
خط غبار کیا ہو سراپا غبار خط

ممکن نہیں کسی کو کرے نامہ در رقم
جبتک نکالتا نہیں اس کا غدار خط

بھیجا جو یار تک نہیں پہنچا یہ کیا ہوا
ڈوبا کہ جل گیا مرے پروردگار خط

لکھا ہے اپنے ہاتھ سے اس نے یہ نامہ بر
آنکھوں سے کیوں لگاؤں نہ میں بار بار خط

لینے کے بدلے اُسکو پڑھو میرے سامنے
آجائے یار کا جو دم احتضار خط

وہ سخت جان ہوں پڑتی ہیں تیغیں ہزار ہا
پڑتا نہیں ہے تن پہ مرے زینہار خط

نقلیں مری رقیبوں نے کیں سیکڑوں امیر
لکھا جو اُس نے مجھ کو ہوا اشتہار خط

ردیف ظائے معجمہ

جان بزم ہے وہ معشوق غنیمت واعظ
خلد میں ہاتھ نہ آئیگی یہ صحبت واعظ

توبہ سو بار میں کر لوں گا کچھ انکار نہیں
مے کشی سے تو ذرا ہو مجھے فرصت واعظ

کانپتا خوف سے مستوں کا ہے رویاں رویاں
کچھ زباں سے نہیں توبہ کی ضرورت واعظ

دل جلوں سے نہ جہنم کا کیا کر مذکور
کہیں ان کو بھی نہ آجائے حرارت واعظ

حق بجانب ہے جو زہاد کی توصیف کرے
تو نے رندوں کی اٹھائی نہیں صحبت واعظ

درد دل کون سنے ذکر جو میں کرتا ہوں
اور اُلٹی مجھے کرتا ہے نصیحت واعظ

فیض ساقی سے یہاں پیر جواں ہوگئے ہیں
میخانہ نہیں ہے در جنت واعظ

ہم سے دیوانوں کے آگے یہ قیامت کا بیان
کہیں آجائے تجھی پر نہ قیامت واعظ

تو جو رندوں کی حقیقت نہیں سمجھا نہ سمجھ
رند سمجھے ہیں تری خوب حقیقت واعظ

جام مے دیکھ کے جامے سے ہوا تو باہر
پی لے دو گھونٹ تو کیا ہو تری صورت واعظ

بات کیا سیدھی نظر سے نہیں لیتا ہے سلام
گھر میں اللہ کے رہ کر یہ مشیخت واعظ

دیکھ میخانے پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے
سر پہ مستوں کے ہے اللہ کی رحمت واعظ

ایسے پڑھنے سے تو اچھا تھا کہ جاہل رہتا
نہ حیا تجھ میں ہے باقی نہ مروت واعظ

مست ہم دختر رز کے ہیں وہ حوروں کا اسیر
کبھی سمجھیگا نہ رندوں کی حقیقت واعظ

صبح کے وقت صبوحی کی ہے مذمت واعظ
کیا ہوا ہے تجھے کیوں آئی ہے شامت واعظ

فصل گل میں بھی ہے محروم مے گلگوں سے
دن تو اچھے ہیں بڑی ہے تری قسمت واعظ

اپنی کچھ کہہ مری کچھ سن تو مزہ بھی اٹھے
تا کجا تذکرۂ دوزخ و جنت واعظ

دو گھڑی بادۂ گلرنگ کا بھی چرچا ہو
ختم کر ختم کر اب وعظ کی صحبت واعظ

بے سبب آٹھ پہر ذکر مے و جام نہیں
کچھ تو ملتی ہے زباں کو ترے لذت واعظ

نشۂ بادۂ وحدت کے اٹھائے جو مزے
تو کرے پیر خرابات کی خدمت واعظ

ذوق پر اپنے ہے موقوف عذاب اور ثواب
ہے یہی میکدہ دوزخ یہی جنت واعظ

ذکر تو دختر رز کا ہو کسی رنگ سے ہو
وعظ میں تیرے بھی کچھ ملتی ہے لذت واعظ

قبر پر سنگ کی جا چاہیے خشت سر خم
کر اٹھا آج بہک کر یہ نصیحت واعظ

ایکدم ذکر سے اسکی نہیں تھمتی ہے زباں
دختر رز سے ہے تجھ کو بھی محبت واعظ

مسجد و خانہ کعبہ تو بہت دیکھ چکا
میکدے کی بھی مناسب ہے زیارت واعظ

دیکھتا ہے نہ سمجھتا ہے کہ ہے کیا چیز
نہ بصیرت ہے تجھے اور نہ بصارت واعظ

میکدہ چھوڑ کے جنت کی طرف جائے امیر
چڑھ کے منبر پہ یہ کی خوب عدالت واعظ

چپ بھی ہو بک رہا ہے کیا واعظ
مغز رندوں کا کھا گیا واعظ

تیرے کہنے سے رند جائیں گے
یہ تو ہے خانۂ خدا واعظ

اللہ اللہ یہ کبر اور یہ غرور
کیا خدا کا ہے دوسرا واعظ

بے خطا میکشوں پہ چشم غضب
حشر ہونے دے دیکھنا واعظ

ہم ہیں قحط شراب سے بیمار
کس مرض کی ہے تو دوا واعظ

رہ چکا بتکدے میں ساری عمر
کبھی میخانے میں بھی آ واعظ

ہجو مے کر رہا تھا منبر پہ
ہم جو پہنچے تو پی گیا واعظ

دختِ رز کو برا مرے آگے
پھر نہ کہنا کبھی سنا واعظ

آج کرتا ہوں وصف مے میں امیر
دیکھوں کہتا ہے اس میں کیا واعظ

ردیف عین مہملہ

پیش رخ پر نور ہے ہر دم سفری شمع
کیوں شام ہی سے ہو نہ چراغ سحری شمع

دن رات یہ روشن ہے وہ روشن ہے تو شب بھر
پائے ترے کانوں کی کہاں جلوہ گری شمع

کس مہر درخشاں کی طرف دیکھ رہی ہے
یہ وجہ نہیں ہے تری آنکھوں کی تری شمع

پروانوں سے ہوتا ہے جو رخصت تجھے ہوتے
آتی ہے کوئی دم میں نسیم سحری شمع

ظاہر میں ہے معشوق تو باطن میں ہے عاشق
سیرت میں ہے دیوانہ تو صورت میں پری شمع

وہ جل کے ہوا خاک خبر تک نہیں تجھکو
پروانے سے اچھی نہیں یہ بے خبری شمع

بیچارے پتنگوں کے پر و بال جو پھونکے
یہ بھی ہے کوئی شیوۂ بیدادگری شمع

سبزہ ترے کانوں کا اگر عکس نگن ہو — شمشاد کی صورت ابھی ہو جائے ہری شمع
کیا میری طرح تو بھی کسی مہ کی ہے عاشق — زردی ترے چہرے پہ ہے آنکھوں میں تری شمع
بلبل سے کہو آئے وہ پروانے کے بدلے — گل کر گئی محفل میں نسیم سحری شمع
پروانے کریں کس سے بیاں حال دل اپنا — سنتی ہی نہیں شکوۂ بے بال و پری شمع
معشوق کرے کیا جو مرے آپ ہی عاشق — پروانہ جلے خود تو خطا سے ہے بری شمع
محفل میں کھلے بالوں حسیں کیا کوئی آیا — ہے وجہ نہیں تیری پریشاں نظری شمع

بہتے ہیں امیر اشک جو اسکے تو اثر کیا
ہے سوز و گداز غم الفت سے بری شمع

میرے دل میں نہیں ہیں ارمان جمع — گھر میں اللہ کے ہیں مہمان جمع
سیکڑوں عشق کے ہیں سامان جمع — پر نہیں خاطر پریشان جمع
جوشش سودا خیال خط غم زلف — ہیں پریشانیوں کے سامان جمع
آرزو داغ بے کسی حسرت — کیسے کیسے ہیں دل میں مہمان جمع
ہم کوئی روکنے سے رکتے ہیں — در جاناں پہ کیوں ہیں دربان جمع
ایک دل کے ہزار دل ہو جائیں — اس لئے کر رہا ہوں پیکان جمع
ہنس پڑو تم ہمارے رونے پر — لطف دیں ہوں جو برق و باراں جمع
آرزوئیں تری ہیں دل میں بھری — یاں پری خانے میں ہیں پریاں جمع
اے جنوں کب سے دونوں ہیں مشتاق — آج ہو جائیں جیب و داماں جمع
آج اٹھیں گے زخمیوں کو مزے — ہو رہے ہیں وہاں نمک داں جمع
گر یہی طبع کی روانی ہے — چار دن میں ہے اپنا دیوان جمع

اب لے گی سخن کی داد امیر
آج محفل میں ہیں سخن داں جمع

ردیف غین معجمہ

دیکھنا ہمدم یہ بجلی ہے جو چمکاتی ہے تیغ
یا پری کہسار سے کھینچے ہوئے آتی ہے تیغ

جب گنہگاروں پہ تیرے رحم فرماتی ہے تیغ
ابر رحمت بنکے مقتل میں برس جاتی ہے تیغ

واہ رے شوق شہادت ایک پر گرتا ہے ایک
عمر گذری ہے کہ دم لینے نہیں پاتی ہے تیغ

چین پیشانی پہ ابرو پہ شکن اچھی نہیں
دیکھئے بیکار ہو جائیگی بل کھاتی ہے تیغ

روحیں قالب سے نکل آتی ہیں مارے شوق کے
میان سے اُسکے نکلنے بھی نہیں پاتی ہے تیغ

یہ لگاوٹ یہ کھنچاوٹ یہ چلن یہ بانکپن
قہر کی چالیں تجھے اے ترک سکھلاتی ہے تیغ

سخت جانی نے خجل کس کسکو مقتل میں کیا
اُس سے شرماتا ہے خنجر اور مجھ سے شرماتی ہے تیغ

بسملوں کا جذبۂ شوق شہادت دیکھنا
میان سے بیتاب ہو کر خود نکل آتی ہے تیغ

آبروئے الفت دنداں قاتل میں ملی
اپنا مالا اب گلے میں میرے پہناتی ہے تیغ

چاہتی ہے بے مشقت سرخرو ہو جائے
قتل ہو جائیگا بیڑا مجھ سے اٹھواتی ہے تیغ

ہے یہ بازار جزا اے تیغ زن اپنی خبر
دیکھ وہ تیری قضا کھینچے ہوئے آتی ہے تیغ

سخت عاجز ہے ہماری سخت جانی دیکھ کر
پیستی ہے دانت سر پتھر سے ٹکراتی ہے تیغ

حال سارا آبداری کا ابھی کھل جائیگا
منھ مرے زخموں کا کیوں ہنس ہنس کے کھلواتی ہے تیغ

کیا عروس مرگ کا دولھا بنائیگی اسے
سرخ جوڑا تیرے کشتے کو جو پہناتی ہے تیغ

ہے پری آنے میں بجلی سے سوا جانے میں ہے
ناز سے آتی ہے اور انداز سے جاتی ہے تیغ

خضر وہ بھی ہے فقط رہزن نہ اسکو جانیے
جان لیتی ہے تو منزل پر بھی پہنچاتی ہے تیغ

اور میری تشنہ کامی پر کسے آتا ہے رحم
حلق میں دو بوند پانی آ کے ٹپکاتی ہے تیغ

تشنۂ دیدار ہوں پیاسا نہ مجھ کو ذبح کر
دیکھ قاتل شرم سے پانی ہوئی جاتی ہے تیغ

مجرمانِ عشق کو کوئی دم میں بیڑا پار ہے
آجکل دریائے رحمت بن کے لہراتی ہے تیغ

بسملوں کے خون سے قاتل اسے سیراب کر　　دیکھ تو کب سے زبانِ خشک دکھلاتی ہے تیغ

رعب ایسا چھا گیا ہے سخت جانی کا امیرؔ
موت میری دور ہی سے مجھ کو دکھلاتی ہے تیغ

تیرے آگے کیا حسینوں کا جلے مہرو چراغ　　انجم و مہتاب پروانے ہیں تیرے تو چراغ
ہاتھ سے اپنے جلائے تو جو اسے گل رو چراغ　　گل بھی ہو جائے تو پھر پھولوں کی دے خوشبو چراغ
وقتِ گریہ یاد گیسو لختِ دل ہمراہ اشک　　رات کو برسات میں ہوں جسطرح جگنو چراغ
نورِ عرفاں کیلئے آنکھوں میں آنسو ہیں ضرور　　نور تب دیتا ہے جب روغن سے ہو مملو چراغ
قصرِ سلطاں خانۂ درویش پر ہے طعنہ زن　　لے یہ تاباں ہو گردوں پر نکلکر تو چراغ
فرقتِ محبوب میں کیسی بہار بزمِ عیش　　تیرہ آتا ہے نظر مثلِ گلِ شبو چراغ
جوشِ وحشت میں بیاباں مرگ قسمت نے کیا　　قبر پر راتوں کو ہوگا دیدۂ آہو چراغ
گل کے مہندی پانو میں جب وہ ہوئے گرمِ خرام　　نقشِ پا سے شب کو روشن ہو گئے ہر سو چراغ
نور کا پتلا بنایا کیا تجھے اللہ نے　　ساق ہیں شمعِ روشن کاسۂ زانو چراغ
چھڑکی افشاں زلف میں شب کو چراغاں ہو گیا　　ہو گئے روشن میانِ کوچۂ گیسو چراغ
صبح تک شب کو تصور کسکے عارض کا رہا　　گاہ اس پہلو تھا روشن گاہ اُس پہلو چراغ
ایک سے ہے ایک کو اس محفلِ عالم میں فیض　　شب کو ہے آنکھوں کے حق میں قوتِ بازو چراغ
کسکی زلفِ مشک سا کی لائی ہے خوشبو صبا　　مشکبو شمعیں سرِ محفل ہیں عنبر بو چراغ
صاف محرابِ حرم ہے ابروئے خمدارِ یار　　کیوں نہ کہیے خالِ روشن کو تہِ ابرو چراغ
روشنی اُسکی ہے شب بھر ہے یہ لختِ راتدن　　کیا چراغِ داغِ دل کا ہوگا ہم پہلو چراغ
شمعِ کافوری مبارک منعموں کی بزم کو　　ہیں ہمارے خانۂ تاریک میں جگنو چراغ

سینہ ہے پر داغ اشکوں میں ہیں لختِ دل امیرؔ
باغ میں گویا کہ روشن ہیں کنارِ جو چراغ

نہ آئے شب کو میسر اگر نہ آئے چراغ
کہ داغ سینے کے روشن ہیں یاں بجائے چراغ

گلہ نہیں ہے اگر اقربا نہ لائے چراغ
کہ جگنوؤں نے مری قبر پہ جلائے چراغ

نقاب ڈال کے آئے ہیں وہ تو کیا پروا
چھپے نہ پردۂ فانوس میں ضیائے چراغ

لنڈھے شراب کے ساغر جو محتسب آیا
ہوا غضب کی چلی یک قلم بجھائے چراغ

ہوئے جو ہم تو مرادیں بر آئیں عالم کی
بتوں نے خانۂ اللہ میں جلائے چراغ

یہ اپنی عمر کا عالم ہے عہد پیری میں
نسیم صبح سے جس طرح جھلملائے چراغ

تمیز ہو کہ نہ ہو شرط دل کا آنا ہے
خدا کی شان کہ پروانہ آشنائے چراغ

جہاں کو فیض ہو مجھسے میں قید کلفت میں
مکان میں نور اندھیرا ہے زیر پائے چراغ

وہ صاف دل تھا جلے بے فتیلہ و روغن
جو کاسہ گر نے مری خاک سے بنائے چراغ

عبث ہے سامنے جاہل کے شعر کا پڑھنا
وہ بے تمیز ہے اندھے کو جو دکھائے چراغ

جنوں رہا یہی تا صبح یاد عارض میں
کبھی جلائے کبھی رات کو بجھائے چراغ

خدا ہے دل جو بچے حادثوں کے جھونکوں سے
کہاں ملک تہ دامن کوئی چھپائے چراغ

رہے نہ داغ جوانی اثیر پیری میں
جلائے شب کو سحر ہو گئی بجھائے چراغ

ردیف فا

زلفیں آئی ہیں لٹک کر رخ جاناں کیطرف
پاؤں پھیلائے ہیں اس کافر نے قرآں کیطرف

گھر سے اٹھے تھے کہ جائینگے گلستاں کیطرف
وحشت دل لے چلی ہمکو بیاباں کی طرف

پھول مرجھا جائیں شاخوں پہ شجر ہو جائیں خشک
میں جگر تفتہ جو جاؤں گلستاں کیطرف

مل کے اک اک گور سے ہم دیر تک رو پائیے
لیگئی عبرت جو کل گور غریباں کی طرف

رہگیا ہے آسرا تیری عنایت کا مجھے
تو ہی اب اے یاس ہو جا میرے ارماں کیطرف

ہوں وہ زخمی دل کو میرے درد کا ہے یہ مزہ
دیکھتے ہیں زخم حسرت سے نمکداں کیطرف

ہو چکیں وہ دست وحشت کی جو تھیں چالاکیاں
ہاتھ اب برسوں نہیں اٹھتا گریباں کیطرف

حشر ہے شہر خموشاں میں جو برپا دیکھنا
کسکی میت آئی ہے گور غریباں کی طرف

کچھ تو تمکو چاہیئے اپنے اسیروں کا خیال
روز آ نکلا کرو دم بھر کو زنداں کیطرف

زاہدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال
یا برہمن کیطرف ہو یا مسلماں کیطرف

آپ سے جاتا نہیں ہر بار میں مجبور ہوں
دل کھنچا جاتا ہے میرا کوئے جاناں کیطرف

چاہتا ہوں وصل اس سے جو دو عالم میں نہیں
مجھکو دیکھو اور میرے دیکھے ارماں کی طرف

اب کہیں یاران رفتہ کا نشاں ملتا نہیں
شوق دل لے چل مجھے گور غریباں کیطرف

جا کے اب یاروں کی تنہائی میں دیکھوں گا امیر
لے چلی ہے بیکسی گور غریباں کی طرف

شوخیاں کہتی ہیں ہم ہیں اسکی چتون کیطرف
چتونیں کہتی ہیں ہم ہیں چشم پرفن کیطرف

سیر دیکھو دل بھی ہے اس شوخ پرفن کیطرف
دوست ہو کر بولتا ہے میرے دشمن کیطرف

دیکھ قاتل جذب شوق قتل کا منکر نہ ہو
وہ چلے تلوار تیری میری گردن کی طرف

اس رخ رنگیں پہ زلفیں دیکھکر کہتی ہے خلق
جھوم کر کالی گھٹا آئی ہے گلشن کی طرف

ہاتھ جب اسپر اٹھاتا ہے مرا دست جنوں
بڑھکے کہتا ہے گریباں میں ہوں دامن کیطرف

عارض گلگوں سے اٹھی ہے جو اس گل نے نقاب
بلبلیں اب رخ نہیں کرتی ہیں گلشن کیطرف

گر پڑا کیا کوئی لخت دل کا لعل اے چشم تر
ڈھونڈھنے کو اشک آتے ہیں جو دامن کیطرف

کھینچ لیتا ہے جو قاتل ہاتھ میرے قتل سے
دیکھتی ہے تیغ کس حسرت سے گردن کیطرف

کوئی گل توڑا کہ گلچیں نے کیا بلبل کو ذبح
اے صبا ہنگامہ کیسا ہے یہ گلشن کیطرف

دونوں آنکھوں سے ہے میری آبرو برسات کی
ایک بھادوں کی طرف ہے ایک ساون کیطرف

ناقبول خلق مجھسا کوئی عالم میں نہیں
برق بھی آتی نہیں ہے میرے خرمن کیطرف

میان سے کھینچا جو خنجر یار نے اللہ رے شوق
روح سارے جسم کی کھنچ آئی گردن کیطرف

میرے گھر آتے نہیں اچھا نہ آؤ خوش رہو
خاک اُڑاتے آؤ گے اک روز مدفن کیطرف

پھول مرجھا جائیں تو مجھ سے نہ کرنا کچھ گلہ
اے صبا چلنے کو میں چلتا ہوں گلشن کیطرف

آجتک خورشید کا منہ اس طرف ہوتا نہیں
دیکھنا آساں نہیں اُس روئے روشن کیطرف

جب میں کہتا ہوں دم آخر کوئی اپنا نہیں
تیغ کہتی ہے کہ میں ہوں تیری گردن کیطرف

جب بہت تعریف سنتا ہوں میں چشم حور کی
دیکھ لیتا ہوں ترے کمرے کے روزن کیطرف

تیغ ابرو تیر مژگاں دونوں حامی ہیں مرے
ایک سینے کیطرف ہے ایک گردن کیطرف

لاابالی جب نکل چلتے ہیں پھرا کرتے نہیں
بوئے گل کب دیکھتی ہے پھر کے گلشن کیطرف

لاکھ اُبھارے وحشت دل کوئے جاناں سے امیر
میں نہ صحرا کی طرف جاؤں نہ گلشن کیطرف

کیونکر نہ مرغ دل ہو ہمارا شکار زلف
رشتہ جو دام کا ہے وہ اک ایک تار زلف

افسوں پڑھو ہزار اترتا نہیں یہ زہر
ہے اُسکی موت ہی جسے ڈس جائے مار زلف

چوٹی میں اپنے پھول جو رکھے ہیں یار نے
دکھلا رہی ہے طرفہ تماشا بہار زلف

کرتا ہے پھنس کے گیسوؤں میں دل خدا کی یاد
مصروف ذکر میں ہے یہ شب زندہ دار زلف

حاضر ہے میری آنکھوں سے لو دامن مژہ
منظور جھاڑنا ہو جو تم کو غبار زلف

جاؤ گے تم جو کھولے ہوئے بال سوئے دشت
آہو کریں گے مشک کے نافے نثار زلف

سوداگر اپنا دل ہے ٹھکانے ہیں اسکے دو
یا سبزہ زار خط ہے وطن یا تتار زلف

گلزار روئے یار کی کیا بڑھ گئی ہے زیب
آیا ہے گھر کے اُس پہ جو ابر بہار زلف

چھٹ جائیں دل غریب کے اے شانہ کر کمک
گھبرا رہے ہیں قیدی زندان تار زلف

جاتا نہیں ہے دیدۂ دل اب کسی طرف
آیا پسند جب سے سواد دیار زلف

بڑھ جاتی اور چشم بصیرت کی روشنی
دیتا ذرا جو کحل جواہر غبار زلف

اے دل سمجھ کے کوچۂ الفت میں رکھ قدم — ڈر ہے نہ کاٹ کھائے کہیں اُڑ کے مارِ زلف

بہتر کہیں یہ قید رہائی سے ہے امیر
ہوں پائے بند سلسلۂ تابدارِ زلف

ردیف قاف

ہیں تری زلفِ رسا کے عاشق — ہم بھی ہیں یار بلا کے عاشق
تیرے معشوق خدا کے معشوق — تیرے عاشق ہیں خدا کے عاشق
غمزے حوروں کے اُٹھاتے ہیں کوئی — آپ کے ناز و ادا کے عاشق
منھ دکھاؤ نہ سناؤ آواز — کان اپنے ہیں صدا کے عاشق
پاؤں رکھتے نہیں بالائے زمیں — تیرے نقشِ کفِ پا کے عاشق
ان جفاؤں پہ وہی ذوقِ وفا — ہم تو ہیں اپنی وفا کے عاشق
تجھ سے رو بیٹھے نہیں اے تیغِ قضا — ناز کرتے ہیں ادا کے عاشق
شوخ چشمی نہ کر اتنی ظالم — گڑے جاتے ہیں حیا کے عاشق
مہندی ملواؤ نہ تم غیروں سے — رنگ لائیں گے حنا کے عاشق
دیکھیے حشر میں کیا ہوتا ہے — ہم ہیں محبوب خدا کے عاشق
رغبت اب دل کو ہے یوں جانبِ غم — جیسے معشوق کو تاکے عاشق

رات دن ہوتے ہیں اُس بت پہ امیر
سیکڑوں بندے خدا کے عاشق

ہیں نہ زندوں میں نہ مردوں میں کمر کے عاشق — نہ اِدھر کے ہوئے الٰہی نہ اُدھر کے عاشق
ہو وہی آنکھ جو مشتاق ترے دید کی ہو — کان وہ ہیں جو ہیں تیری خبر کے عاشق
جتنے ناوک ہیں کماندار ترے ترکش میں — کچھ مرے دل کے ہیں کچھ میرے جگر کے عاشق

برہمن دیر سے کعبے سے پھر آئے حاجی
تیرے در سے نہ سرکنا تھا نہ سرکے عاشق

آنکھ دکھلاؤ اُٹھیں گرتے ہوں جو آنکھوں پر
ہم تو ہیں یار محبت کی نظر کے عاشق

چھپ رہے ہونگے نظر سے کہیں عنقا کی طرح
توبہ کیجے کہیں مرتے ہیں کمر کے عاشق

بے جگر ہو کر عشق میں کیا ٹھہریں گے
کھاتے ہیں خنجر معشوق کے چرکے عاشق

بت کو کعبہ ہو مبارک دلِ ویراں ہم کو
ہم ہیں زاہد اسی اُجڑے ہوئے گھر کے عاشق

کیا ہوا ایسی ہیں پریاں جو بلائیں تیری
کہ پریزاد بھی ہوتے ہیں بشر کے عاشق

بیکسی درد الم داغ تمنا حسرت
چھوڑے جاتے ہیں پس مرگ یہ ترکے عاشق

بے سبب سیر شب ماہ نہیں ہے یہ امیر
ہو گئے تم بھی کسی رشک قمر کے عاشق

جادۂ راہ عدم ہے رہ کاشانۂ عشق
ملک الموت ہیں دربان درِ خانۂ عشق

مرکز خاک ہے دردِ تہِ پیمانۂ عشق
آسماں ظرف بر آوردۂ میخانۂ عشق

کم بلندی میں نہیں عرش سے کاشانۂ عشق
دونوں عالم ہیں دو مصراع درخانۂ عشق

ہے جو واللیل سراپردۂ کاشانۂ عشق
سورۂ شمس ہے قندیل درخانۂ عشق

دل مرا شیشہ ہو آنکھیں مری پیمانۂ عشق
جسم یا جوش محبت سے ہو میخانۂ عشق

ہم تھے اور پیش نظر جلوۂ مستانۂ عشق
جس زمانے میں نہ محرم تھا نہ بیگانۂ عشق

غرق ابھی بحر فنا میں یہ دو عالم ہو جائیں
ایک اشارہ جو کرے نرگس مستانۂ عشق

ہم وہ فرہاد تھے کاٹا نئی صورت سے پہاڑ
حسن کا گنج لیا کھود کے ویرانۂ عشق

کچھ گرہ میں نہیں گرمی کے سوا مثل سپند
برگ دو بر دو دو شرر ہوں جو اُگے دانۂ عشق

عین مستی میں ملے ہیں مجھے گوش شنوا
سن رہا ہوں میں صدائے لب پیمانۂ عشق

آئے باغ جناں سے جو زمیں پر آدم
فی الحقیقت تھی وہ اک لغزش مستانۂ عشق

معتقد کون نہیں کون نہیں اسکا مرید
پیر ہفتاد و دو ملت کا ہے دیوانۂ عشق

دل نے تسبیح بنا کر وہ کئے زیب گلو ہاتھ آئے جو کوئی گوہر یک دانۂ عشق
زلف معشوق نہ گھٹ جائے ادب کا ہے مقام بڑھ چلیں اتنے نہ موئے سر دیوانۂ عشق
سننے والوں کے یہ ڈر ہے نہ جلیں پردۂ گوش کیا سناؤں کہ بہت گرم ہے افسانۂ عشق
خاک در کا رہے وہ لوٹ خطا سے جو ہو پاک ورنہ سر خاک سے اگتا ہے کوئی دانۂ عشق
کہتے ہیں مرگ جوانی جسے سب اہل جہاں اپنے نزدیک ہے وہ بازی طفلانۂ عشق
آہ عاشق سے ہوئی غفلت معشوق نہ کم خواب تھا حسن فسوں ساز کو افسانۂ عشق
بخت برگشتہ ہوں تب بھی نہیں جاتا ہے مزہ نہ گرے بادہ جو الٹ دوں بھی ہو پیمانۂ عشق
طور پر کہتی ہے یہ شمع تجلی کی زباں سرمۂ حسن ہے خاکستر پروانۂ عشق
طالب درد ہے اس درجہ مرا طائر دل ٹوٹ پڑتا ہے یہ جس دام میں ہو دانۂ عشق
ہوں وہ دیوانہ کہ قدموں سے لگا ہے سر حسن ہے مرے پانوں میں زنجیر پری خانۂ عشق
مر کے دے روح کو میری یہ الٰہی قدرت ہنس بن بن کے چگے گوہر یکدانۂ عشق
کیا خلاطوں کو ہے نسبت ترے دیوانے سے آشنا ہے یہ محبت کا وہ بیگانۂ عشق

ہم تھے اور چہرۂ محبوب کا نظارہ امیر
شعلۂ حسن تھا جس روز نہ پروانۂ عشق

جلد آ جاؤ کہ ہیں گور کنارے مشتاق دم میں آ جائیں نہ حوروں کے تمہارے مشتاق
دل صد چاک بھی چلمن ہے کسی کمرے کی سر جھکاتے ہیں تو کرتے ہیں نظارے مشتاق
مست ہونے کا انہیں حکم ہے اے نرگس یار خوب پہچانتے ہیں تیرے اشارے مشتاق
تہ و بالا ترے دیدار کا طالب نہیں کون گل زمیں پر ہیں تو گردوں پہ ستارے مشتاق
استخواں تو کہیں جلد کہیں ہو بدن سے باہر ہیں ہما و سگ محبوب تمہارے مشتاق

بیخودی تابکجا آپ میں آؤ بھی امیر
دیر سے بیٹھے ہیں احباب تمہارے مشتاق

ردیف کاف تازی

آئی جو کھل کے زلف رسا سر سے پانوں تک
لپٹنے لگی بلائیں ادا سر سے پانوں تک

لاغر ہوں اس قدر مجھے پہچانتی نہیں
رہ رہ کے دیکھتی ہے قضا سر سے پانوں تک

رخ نور جبہہ نور شکم نور ساق نور
تھا اے صنم ہے نور خدا سر سے پانوں تک

کھائے ہیں ہم نے گل ترے چھلوں کے اسقدر
خالی نہیں ہے جسم میں جا سر سے پانوں تک

گنڈا نظر گذر کا چھپائے گی آپ کو
قد ناپتی ہے زلف رسا سر سے پانوں تک

دلکش ہے مجھ ضعیف کا ہر عضو جسم یار
میں کاہ ہوں وہ کاہ ربا سر سے پانوں تک

دوران سر کے ساتھ ہے چکر بھی پانوں میں
ہوں مبتلائے رنج و بلا سر سے پانوں تک

موقوف شمع پر نہیں کچھ سوزش دروں
جس پر گرے یہ برق جلا سر سے پانوں تک

اودی یہ خار وادی وحشت کی ہے خلش
ایک آبلہ ہے جسم مرا سر سے پانوں تک

میرے نگاہ شوق کی اللہ رے گرمیاں
وہ گل عرق میں ڈوب گیا سر سے پانوں تک

کچھ مجکو میرے طوق و سلاسل کی ہے خبر
زیور میں غرق رہتے ہو کیا سر سے پانوں تک

اچھی کسی کی آنکھ کسی کی نگاہ ہے
یکتا ہیں آپ نام خدا سر سے پانوں تک

گرمی سے حسن کے وہ ہوا ہے عرق عرق
دیکھو ٹپک رہی ہے ادا سر سے پانوں تک

زلف دوتا سے آپ ہیں الجھن میں انکا دل
گھیرے ہے دو طرف سے بلا سر سے پانوں تک

گریاں اگر میں نہر لبن سے گذر گیا
فوارہ آب آب ہوا سر سے پانوں تک

تڑپے شب وصال نہ کیونکر نگاہ شوق
گھیرے ہوئے ہے انکو ادا سر سے پانوں تک

جب میں نے فکر کی ترے دانتوں کے وصف میں
آب گہر میں ڈوب گیا سر سے پانوں تک

پہنچائے کربلا میں جو بخت رسا امیر
ملیے بدن میں خاک شفا سر سے پانوں تک

کروں ضبط نفس بہ دم کہاں تک — لگی ہے آگ اک دل سے زباں تک
دھواں دل سے مرے اٹھا ہے ایسا — اندھیرا ہے زمیں سے آسماں تک
کروں کس شوق سے ہر بار سجدہ — جو پہنچے سر تمہارے آستاں تک
تجھے ملتا نہیں گھر ان کا قاصد — گئے کیونکر پیمبر لامکاں تک
غش آیا ہے مجھے مسجد میں بے مے — چلو لے کر مجھے پیر مغاں تک
جو موت آئے تو پہچانے نہ مجھ کو — ہوا ہوں ہجر میں لاغر یہاں تک

امیر اب مہرباں ہے مجھ پہ صیاد
خبر پہنچے نہ اس کی باغباں تک

ردیف کاف فارسی

مرے ہر عضو کو ہے اس بت خونخوار سے لاگ — دل کو ہے تیر سے گردن کو ہے تلوار سے لاگ
اس دلآرام کو ہے میرے دل زار سے لاگ — مژدہ اے مرگ مسیحا کو ہے بیمار سے لاگ
رو بھی لیں کھو کے دل تو بھی کچھ آنسو بچ جائیں — ضبط غم تجھکو ہے کیوں دیدۂ خونبار سے لاگ
کن تلوار سے کرتا ہے جو عاشق کو حلال — دلمیں رکھتا ہے وہ جلاد گنہگار سے لاگ
جھانک کر دیکھ لیا کرتے ہیں چلمن سے کبھی — ہے جو در پردہ انھیں طالب دیدار سے لاگ
پھولنے پھلنے کی نوبت نہیں آنے پاتی — کیا خزاں کو ہے الٰہی مرے گلزار سے لاگ
شانے کیطرح سے صد چاک یہ ہا کرتا ہے — جیسے ہے دلکو ترے گیسوئے خمدار سے لاگ
دو قدم یار چلا اور قیامت آئی — فتنۂ حشر کو ہے یار کی رفتار سے لاگ
ہم نہ ہیں دوست کسی کے نہ کسی کے دشمن — یار سے ہمکو لگاوٹ ہے نہ اغیار سے لاگ
مدد اے پیر مغاں المدد اے پیر مغاں — بڑھ گئی ہے بہت اب چرخ ستمگار سے لاگ
تارے گن گن کے شب ہجر بسر کرتا ہوں — کیا کروں خواب کو ہے دیدۂ بیدار سے لاگ

کیوں حیا اُن کو نکلنے نہیں دیتی باہر
حسن یوسف کو ہے کیوں گرمیِ بازار سے لاگ

بندۂ عشق ہوں نہیں ایک سے دونوں ہیں مجھے
کچھ نہ کافر سے محبت ہے نہ اغیار سے لاگ

بے طرح حال تمہارا جو میں پاتا ہوں امیر
ہو گئی کیا کسی معشوق طرحدار سے لاگ

ردیف لام

سنتا نہیں وہ دل سے کبھی داستانِ دل
کس سے بیاں کرے کوئی دردِ نہانِ دل

کرتا ہے آب آب جگر کو بیانِ دل
افسانے کی طرح نہ سنو داستانِ دل

اے شاہ کشورِ دل و جانِ جہانِ دل
قربان ہر ادا پہ دل و جان و جانِ دل

کس بے نشان کی یاد نے ایسا مٹا دیا
سینے میں نام کو نہیں باقی نشانِ دل

ہمراہ دوڑتا ہوں میں اُس شہسوار کے
ہے دست اختیار سے باہر عنانِ دل

جب سے کہ تیر یار کی سینے میں ہے جگہ
خالی نہیں ہما سے مرا آشیانِ دل

حوا کا عشق قسمت آدم میں جو لکھا
پہلا تھا نقطۂ قلمِ امتحانِ دل

بے شبہ اس زمین سے جدا ہے زمینِ عشق
اس آسمان سے ہے الگ آسمانِ دل

بھونک جائے صورِ حشر جو ہونا ہو جلد ہو
کب تک کروں میں ہجر میں ضبطِ فغانِ دل

پھولے ہیں کیسے لالہ و گل فیضِ عشق کے
قابل ہے تیری سیر کے یہ بوستانِ دل

جیسے کہ دھیان ہے رخِ تابانِ یار کا
ہے آفتابِ حشر چراغِ مکانِ دل

جائے گا کیا تصورِ خالِ سیاہِ یار
آنکھوں میں مردمک ہے سویدا میانِ دل

حسرت وہی فروغ وہی ہے جلا وہی
کچھ کچھ تو آئینے سے ہے آئینہ سانِ دل

تو ہے وہ ماہ مصر کہ جاتا ہے جس طرف
رہتا ہے ساتھ ساتھ ترے کاروانِ دل

غصے میں آ کے ہاتھ سے پھینکا پٹک دیا
آئینے پہ ہوا انھیں شاید گمانِ دل

ممنون ضعف عالمِ پیری ہوا ہے امیر
جھکتا چلا ہے سر طرفِ آستانِ دل

داغوں سے گلرخوں کے دوبالا ہے شانِ دل
بے ماہ و آفتاب نہیں آسمانِ دل

عنقا سے ہے بلند کہیں آشیانِ دل
سنتے ہیں نام پر نہیں ملتا نشانِ دل

فیض قدم سے تیرے بڑھی ہے یہ شانِ دل
ہیں ساتوں آسمان تہِ آسمانِ دل

دوزخ شرارِ نالۂ آتش عنانِ دل
فردوس برگ ریزِ گلِ بوستانِ دل

کعبہ ادب سے آتا ہے میرے طواف کو
جیسے ہما ہیں گوشہ نشینِ مکانِ دل

غنچے کے توڑنے کو سمجھتا ہے معصیت
سونگھی ہے جس نے بوئے گلِ بے خزانِ دل

اتنے لیے پسند ہے مجھ کو چمن کی سیر
گل شکل داغِ دل ہو صنوبر بسانِ دل

رہتے ہیں ہر وقت فکرِ سکندر سے کم نہیں
کرتا ہوں سر جھکا کے میں سیرِ جہانِ دل

آئے نظر نہ عالمِ غم ہو اگر مکیں
خالق نے کیا وسیع بنایا مکانِ دل

سختی نہیں ہے اہلِ صفا کے خمیر میں
دیکھا کہاں کسی نے کبھی استخوانِ دل

کیا آنسوؤں نے پردۂ الفت کیا ہے فاش
آنکھوں سے آشکار ہے رازِ نہانِ دل

کریں گے یاد ہم دُرِ دندانِ یار کو
اس طرح موتیوں سے بھرینگے دہانِ دل

ممکن نہیں کہ وہم کسی کا پہنچ سکے
کوسوں ہے لامکاں سے بلند آستانِ دل

مانندِ شمع نطق کی طاقت نہیں مگر
روشن مری زبان سے ہے میرا بیانِ دل

دو ٹکڑے ہو ابھی جگرِ بوالہوس امیر
کھینچوں جو معرکے میں میں تیغِ زبانِ دل

گل وہ رخِ نازک ہے پسینا عرقِ گل
شبنم سے ہے لبریز گہر یا طبقِ گل

بلبل کا قفس چھائے کبھی ہو جو نہ صیاد
اس چرخ پہ بھی چاہیے ہولے شفقِ گل

تا زیست تھا مجھ زار کو عشقِ رخِ رنگیں
ہو غسل و کفن کو عرقِ گل ورقِ گل

اس روئے کتابی کا ہے ذکر اور دہن اپنا
بلبل کو ذرا خوش نہ ہوگا سبق گل

ہے فصل خزاں میں بھی وہی رنگ بہاراں
گل سینۂ بلبل میں ہے داغ قلق گل

کس کے رخ رنگیں کا سنا ہم نے فسانہ
گل کان ہوئے کان کے پردے ورق گل

کب خار الجھ سکتے ہیں دامان صبا سے
گلشن کی قلمرو میں ہے نظم و نسق گل

آہوں نے کیے تختۂ جگر برہم و درہم
کیا تند ہوا میں ہیں پریشاں ورق گل

آمد ہے یہ گلزار میں کس کی کہ صبا نے
صدقے کے لیے زر سے بھرے ہیں طبق گل

وہ رنگ کہاں اب کہ خزاں باغ میں آئے
بیکار ہے اب تذکرۂ ماسبق گل

تحریر کرے وصف رخ اسکا تو ہے لازم
پھولی ہے عجب موسم گل میں شفق گل

پائے گا امیر اس رخ گلرنگ کا بوسہ
بلبل کے سوا کوئی نہیں مستحق گل

بجا ہیں بلبل و گلچیں خراب خندۂ گل
دو آتشہ ہے چمن میں شراب خندۂ گل

گرائے برق اگر التہاب خندۂ گل
تو کیوں نہ ہو دل بلبل خراب خندۂ گل

ہنسی ہے اُس گل تر کی جواب خندۂ گل
تبسم نمکیں انتخاب خندۂ گل

کرے گی بلبل نالاں جو حشر میں فریاد
صبا سے ہوگا حساب و کتاب خندۂ گل

محال ہے کہ چڑھے عشق حسن کے منھ پر
کہاں ہے نالۂ بلبل جواب خندۂ گل

چمن میں نالہ کشی ہے قبول اے صیاد
پر اس چمن میں نہیں مجھکو تاب خندۂ گل

ابھی تو صورت شبنم ہوں اشک بلبل خشک
چمک دکھائے اگر آفتاب خندۂ گل

جو کاسۂ سر بلبل ملے وہ منصف ہوں
بھروں میں اُسمیں لبالب شراب خندۂ گل

شراب نغمۂ بلبل کو پی کے کیوں نہ ہو مست
ابھی تو نام خدا ہے شباب خندۂ گل

سمند ہوش ہو بلبل کا کیوں نہ برق خرام
جو تازیانہ ہو موج شراب خندۂ گل

دیا ہے وہ مجھے اللہ نے دل نازک
کہ آب آب کرے جسکو تاب خندۂ گل

نہ جانتی تھی صبا یہ کہ ہوگی غش بلبل
کھلا کے غنچہ اٹھائے نقاب خندۂ گل

ذرا نہیں کسی بلبل کو ہوش صوت مست
غضب کی تند بھی ہے شراب خندۂ گل

غش آگیا مجھے غنچوں کے مسکرانے سے
کسے ہے حوصلۂ انتخاب خندۂ گل

یہی ہے شام سے مضمون گریۂ بلبل
سحر کو دیکھئے گا اضطراب خندۂ گل

نظیر گریۂ بلبل ہے گریۂ مینا
ہنسی ہے جام کی ساقی شراب خندۂ گل

امیر خیر ہو گلشن میں جان بلبل کی
کھنچی ہے صبح سے تیغ خوشاب خندۂ گل

پرتو رخ سے ترے ہے جو منور محفل
ہے تجلی کدۂ طور سے بڑھ کر محفل

جذب دل کھینچ کے گل پیرہنوں کو لے آ
عطر مجموعہ سے ہو جائے معطر محفل

رشک پروانہ ہیں ہم تم ہو اگر غیرت شمع
امتحان کے لئے ہو جائے مقرر محفل

بت فراہم ہوئے اس درجہ سوم میں یا میرے
بن گئی غیرت بت خانۂ آذر محفل

ہجر میں یار ادھر یار ادھر روتے ہیں
جس طرح ماہ محرم میں ہو گھر گھر محفل

صاف فانوس خیالی کا گماں ہوتا ہے
کھا رہی ہے یہ ترے رقص سے چکر محفل

باغ کس کام کا جس میں گل و شمشاد نہ ہوں
لطف دیتی نہیں بے شیشہ و ساغر محفل

رقص کے وقت قیامت ہے تمہاری ٹھوکر
کیوں الٹ جائے نہ جیسے صف محشر محفل

لیکے نالوں کے علم ہم بھی ضرور آئینگے
ہوگی جس روز محرم میں ترے گھر محفل

جا چکا عہد جوانی کا چلیں سوئے عدم
شمع ساں دیکھ چکے دہر میں شب بھر محفل

شمع فانوس میں پھولی نہ سمائی اے گل
تیرے آتے ہی ہوئی جامے سے باہر محفل

ہل گیا یار کا ابرو جو ذرا رقص کے وقت
ایک ہم کیا کہ ہوئی کشتۂ خنجر محفل

گذر اس ماہ دو ہفتہ کا بھی شاید ہو امیر
کیجئے چودھویں تاریخ مقرر محفل

فرقت یار میں ماتم کدہ ہے ہر محفل
بلکہ ہنگامۂ محشر کے برابر محفل

ہو عجب شمع کی صورت دل قاتل نہ جلے
بسملوں کے ہو تہ سایۂ خنجر محفل

چاہیے آئینہ رویوں کا بھی قتل ہو جائے
کیجیے چل کے سر قبر سکندر محفل

ہم بغل مجھ سے ہو غیروں کو لگائے رکھو
گھر میں خلوت ہی رہے جمع ہو باہر محفل

کس پری رو کا تصور نہیں دل میں اپنے
جمع رہتی ہے اس آئینے کے اندر محفل

سب مکانوں سے جدا پیر مغاں کا ہو مکاں
میکشوں کی ہو الگ شہر سے باہر محفل

اے پری حسن سے تیرے ہے جہاں کی رونق
جس طرح شمع سے ہوتی ہے منور محفل

تمکو پروا ہے نہ افشا کی نہ اخفا کا خیال
گھر کے باہر کبھی خلوت کبھی اندر محفل

بہر دل سوختگاں روز الم ہے شب عیش
چشم پروانہ میں آتشکدہ ہے ہر محفل

دل کے جاتے ہی ہوئی انجمن چشم اداس
محفل آرا نہ ہو کوئی تو ہے ابتر محفل

شمع محفل میں ہے پروانے ہیں گرد سر شمع
کیا تکلف ہے کہ محفل کے ہے اندر محفل

ہم ہیں پروانہ دل سوختۂ بزم خیال
شمع رویوں سے یہاں گرم ہے شب بھر محفل

سرفروش آئے ہیں مشتاق شہادت اے ترک
جمع کرتا ہے ہمیشہ ترا خنجر محفل

اس کے بھڑکانے سے برہم ہوئی یہ غیر امیر
شمع کیا ہم پہ ہوئی دست بہ خنجر محفل

جب یار ہوا جفا کے قابل
تب ہم نہ رہے وفا کے قابل

ہے خوف سے سارے تن میں رعشہ
اب ہاتھ کہاں دعا کے قابل

آئے مجھے دیکھنے اطبا
جب میں نہ رہا دوا کے قابل

بولے مرے دل پہ پیس کر دانت
یہ دانہ ہے آسیا کے قابل

کلفت سے امیر صاف کر دل
یہ آئینہ ہے جلا کے قابل

ایلی مجھے پیش جہلا بات سے حاصل
خالی ہے مکاں حمق و حکایات سے حاصل

تسکین مجھے دیتے نہیں اے حضرت واعظ
کیا اور مجھے قبلہ حاجات سے حاصل

تیرے ہی ترا دل میں کہوں حالت دل کیا
کہتے ہیں اجابت ہو تو مناجات سے حاصل

ہے زیست کا حاصل تو فقط وصل کی لذت
جس رات کا وعدہ ہو وہ اس رات سے حاصل

روتا ہوں بہت بھی تو مجھے مے نہیں ملتی
کیا بندگی پیر خرابات سے حاصل

ظاہر میں دیا بوسہ تو کیا دل ہے مکدر
نیت ہی نہیں ٹھیک تو خیرات سے حاصل

تقدیر مری تو نہ بدل دے گا دعا سے
اے شیخ پھر اس کشف و کرامات سے حاصل

قسمت میں جو ہے وہ بہر کیف ملے گی
پھر قاضی و مفتی کی ملاقات سے حاصل

پہچانتے ہیں اہل سخن خوب سخن کو
خاموش امیر اپنی مباہات سے حاصل

ردیف میم

کیوں نالے کریں بلبل گلشن تو نہیں ہم
اے ضبط جنوں عقل کے دشمن تو نہیں ہم

دل کو جو بچاتا ہوں تو کہتی ہیں وہ آنکھیں
کیا لوٹ ہی لینگے کوئی رہزن تو نہیں ہم

خالق نے تمہیں مہر بنایا ہمیں شبنم
دکھلاؤ جو تم چہرۂ روشن تو نہیں ہم

خط دیکے تجھے کوچۂ جلاد میں بھیجیں
کچھ خیر ہے قاصد ترے دشمن تو نہیں ہم

ذلت سے کبھی لینگے نہ ہم بوسۂ گیسو
صدقہ کسے دیتے ہو برہمن تو نہیں ہم

کیا ضعف سے حاصل کہ ترے گھر میں نہ پہنچے
ذرے ہیں مگر ذرۂ روزن تو نہیں ہم

دل کھینچ لیئے جاتا ہے قاتل کی گلی میں
کچھ آپ روانہ سوئے مدفن تو نہیں ہم

رہجائینگے پیچھے نہ کبھی ساتھ سے تیرے
سایہ ہیں غبار سم توسن تو نہیں ہم

سو بار کہیں گے ارنی طور پہ جا کر
کیا تجھ سے ہیں موسیٰ نہیں الکن تو نہیں ہم

کرتا ہوں جو کنگھی تو یہ کہتے ہیں وہ گیسو — کانٹوں میں نہ کھینچو ہمیں دامن تو نہیں ہم
ظاہر ہے تو نرگس کی طرح پائی ہیں آنکھیں — پر قابل نظارۂ گلشن تو نہیں ہم
بخیے کا دیا حکم تو بولے دہن زخم — سلواتے ہو کیوں قابل سیون تو نہیں ہم
موسی سے یہ کہدو کہ بہت بڑھ کے نہ بولیں — کچھ نابلد وادی ایمن تو نہیں ہم
کہتا ہے حیا سے وہ دہاں آلود — کیا دیکھتے ہیں سب گل سوسن تو نہیں ہم
غیروں کے جو دشمن ہیں تو کیا تیری طرح سے — اے دوست کسی دوست کے دشمن تو نہیں ہم
کیا نالہ کشی کی ہمیں بت دیتے ہیں ترغیب — انسان ہیں ناقوس برہمن تو نہیں ہم
کرتی ہیں یہ طنز انکے خط سبز پر آنکھیں — کچھ پیرہن خضر میں رہبر تو نہیں ہم
کیا حوصلہ انکا ہے جو زنداں میں یہ سمجھیں — زندانی تاریکی مدفن تو نہیں ہم
بے منت احباب یہاں قبر ہے روشن — محتاج چراغ سر مدفن تو نہیں ہم

بوئے گل فردوس امیر اپنا ہے مردہ
سرکا جو ذرا تختۂ مدفن تو نہیں ہم

ہوئے جو رنگ وصل یار میں ہم — اچھے پھولے پھلے بہار میں ہم
ہو گئے مردہ ہجر یار میں ہم — گھر میں اپنے ہیں یا مزار میں ہم
اسکو لائینگے خاک قابو میں — کہ نہیں اپنے اختیار میں ہم
کون پوچھے گا ہم غریبوں کو — روز محشر ہیں کس شمار میں ہم
فرش سے عرش تک نشان نہیں — دور پہنچے ہوائے یار میں ہم
حضرت دل جو تم ہو پہلو میں — مر کے بھی رہ چکے مزار میں ہم
وصل میں بھی شکستہ خاطر ہیں — توبۂ مست ہیں بہار میں ہم
پیش رخسار یار خار ہیں گل — ایک دو کیا کہیں ہزار میں ہم
قاصد آیا ہے پر نہیں پاتا — گم ہوئے ایسے انتظار میں ہم

گھر میں ہیں لیکن اپنے نام کی طرح
ہیں ہر اک ملک ہر دیار میں ہم

زلف و رخسار کے تصور سے
ہیں حلب میں کبھی تتار میں ہم

جبر جو چاہیں ہم پہ وہ کر لیں
ہیں امیران کے اختیار میں ہم

ہوا کہ زندہ رہا نامہ بر نہیں معلوم
کچھ آج تک ہمیں اس کی خبر نہیں معلوم

مکان دل میں ہے کس کا گذر نہیں معلوم
یہ بیخودی ہے کہ گھر کی خبر نہیں معلوم

کیا ہے بے خبری نے جہان سے فارغ
فلک کہاں ہے زمیں ہے کدھر نہیں معلوم

میں جس کو دیتا ہوں اس فتنہ گر کے نام کا خط
وہ ٹالتا ہے کہ مجھ کو تو گھر نہیں معلوم

تری گلی ہے کہ میدان حشر ہے قاتل
یہاں کسی کو کسی کی خبر نہیں معلوم

ہوا شہید تبسم جگر کہ دل یارب
گری تڑپ کے یہ بجلی کدھر نہیں معلوم

کیا ہے ذوق شہادت نے محو یہ دم قتل
لگے ہیں زخم کہاں جسم پر نہیں معلوم

شب وصال ہوں بوس و کنار سے محروم
دہن کہاں ہے کدھر ہے کمر نہیں معلوم

پڑا ہے تیغ کے نیچے کہ پائے قاتل پر
کدھر کو اڑ کے گیا تن سے سر نہیں معلوم

شب وصال سر شام سے وہ کہتے ہیں
کہ آج کیوں نہیں ہوتی سحر نہیں معلوم

ادھر کو منہ جو نہیں پھیرتا کبھی خورشید
یہ کس کا گرم ہے بازار ادھر نہیں معلوم

جو کل تھے ساتھ گئے آج کس طرف یارب
کسی کا حال کسی کی خبر نہیں معلوم

خضر ہو راہبری کا ہے ثواب اے زاہد
کہ ہم کو بادہ فروشوں کا گھر نہیں معلوم

ہمیشہ نالۂ دل بے اثر ہے کیا باعث
یہ نخل کیوں نہیں لاتا ثمر نہیں معلوم

جہاں میں اب نظر آتا ہے رات دن اندھیر
فلک سے کیا ہوئے شمس و قمر نہیں معلوم

بھٹکتے پھرتے ہیں ہم مثل گرد راہ امیر
ہوا ہے قافلہ راہی کدھر نہیں معلوم

تیرے جور و ستم اٹھائیں ہم
یہ کلیجا کہاں سے لائیں ہم

جی میں ہے اب وہاں نہ جائیں ہم
دل کی طاقت بھی آزمائیں ہم

نالے کرتے نہیں یہ الفت میں
باندھتے ہیں تری ہوائیں ہم

اے لب یار کیا ترے ہوتے
لب ساغر کو منھ لگائیں ہم

دل میں تم دل ہو سینہ سے خود گم
کوئی پوچھے تو کیا بتائیں ہم

آب شمشیر یار اگر مل جائے
اپنے دل کی لگی بجھائیں ہم

اب جو منھ موڑیں بندگی سے تری
اے بت اپنے خدا سے پائیں ہم

زندگی میں ہے موت کا کھٹکا
قصر کیا مقبرہ بنائیں ہم

توبۂ مے سے کیا پشیماں ہیں
زاہدو دیکھکر گھٹائیں ہم

دل میں ہے مثل ہیزم و آتش
جو گھٹائے اسے بڑھائیں ہم

زار سے زار ہیں جہاں میں امیر
دل ہی بیٹھے جو لطف اٹھائیں ہم

ردیف نون

کیا دیر ہے امیر کے عفو گناہ میں
اللہ کیا کمی ہے تری بارگاہ میں

آئے ہو تیغ کھینچ کے تم قتل گاہ میں
تولو تو پہلے موئے کمر کو نگاہ میں

کانٹا ہوا ہوں سوکھ کے لیکن نہال ہوں
کھٹکوں گا اور اپنے عدو کی نگاہ میں

بیہوش کوئی بزم خرابات میں نہیں
مشہور یہ خبر ہے غلط خانقاہ میں

خالی شرارتوں سے نہیں ظلمت جہاں
لپٹی ہوئی ہے برق گلیم سیاہ میں

پیری میں قد نگوں جو ہوا دانت بھی چلے
بھاگڑ پڑی شکست علم سے سپاہ میں

مدت ہوئی پھرے ہوئے آنکھوں کی پتلیاں
صورت تمہاری پھرتی ہے اب تک نگاہ میں

نکلا نہیں ہے خط ترے عارض پہ حسن کے — کانٹے بچھائے ہیں یہ محبت کی راہ میں
کشتی ضرور ساتھ رہے تیرے اے فقیر — ڈوبے نہ قلزم کرم بادشاہ میں
بے قصد بد سے بھی کبھی ہوتا ہے کار نیک — شب کو چراغ غول جلاتے ہیں راہ میں
دعویٰ بہت تھا سنگدلی کا حضور کو — کیوں دل پکڑ کے بیٹھ گئے ایک آہ میں
اللہ رے جذب میری تڑپ کا کہ چرخ سے — تاثیریں دوڑی آتی ہیں آغوش آہ میں
اعلیٰ کو کیوں نہ صحبت ادنیٰ سے ہو حذر — دیکھا کبھی نہ پرتو خورشید چاہ میں
یوسف سے بھی سوا ہے مرے دلکا مرتبہ — ڈوبا ہوا ہے چاہ زنخداں کی چاہ میں
بے داغ عشق ارض سے تا آسماں ہے کون — ماہی میں فلس ہے تو کلف جرم ماہ میں

بے نقش دل پہ صورت توحید اے امیر
ہوں محو ذکر اشہد ان لا الہ میں

ہوں زار اس قدر کہ تری جلوہ گاہ میں — چھپ جاؤں نگاہیں پردہ گرد نگاہ میں
ہیں جلوہ گر شرار مرے دود آہ میں — یہ تخم چھپتے ہیں کوئی ابر سیاہ میں
وہ توڑا اے فلک ہے مرے تیر آہ میں — جا ہوں تو رخنے ہوں سپر مہر و ماہ میں
سمجھے سر و تاج کو کشکول دبو دیا — ہو فقر کا مزہ جو دل بادشاہ میں
آہ اس دہن سے نکلے تو کیونکر حسیں ہو — بنجائے ماہ سیم جو مل جائے آہ میں
سایہ پڑا اگر مرے بخت سیاہ کا — یہ تیرگی نہ تھی تری زلف سیاہ میں
افعال نیک کیلئے اچھی جگہ بھی ہو — مے پیجئے تو چل کے کسی خانقاہ میں
آنے نہ دے حیا کو یہ ہے رات وصل کی — کیا کام غیر کا ہے تری جلوہ گاہ میں
دیوانہ تیرا آتا ہے لرزاں ہیں اہل شہر — رستم کی دھاک سے ہے تزلزل سپاہ میں
کیوں شغل رخ نہ ہمکو خط سبز ہو پسند — پھولوں کی ہمکو آتی ہے خوشبو گیاہ میں
اہل زمانہ بنکے بگڑتے ہیں کیسے جلد — ہے ماہ کو زوال و کمال ایک راہ میں

ہم رہروانِ عشق کو محشر کا خوف کیا
پڑتے ہیں ایسے کتنے ہی میداں راہ میں

زلفوں کی آڑ میں نہیں کرتے وہ چشمکیں
بجلی تڑپ رہی ہے یہ ابر سیاہ میں

کیا سمجھے قدر ساغر جمشید کی وہ چشم
دنیا نہیں سماتی ہے جسکی نگاہ میں

تو نے تو اے سیاہی شبہائے تار ہجر
دھبا لگا دیا مرے بخت سیاہ میں

اترے جو نشہ توبہ کریں ہم شراب سے
لغزش نہ تازیاں کو ہو عذر گناہ میں

آئے وہ گور پر جو ہوئے دفن ہم امیر
جاگے نصیب ہوئے اگر خوابگاہ میں

کس کام کی ہے آنکھ ترے جلوہ گاہ میں
کیا احتیاج شمع تماشائے ماہ میں

ہیں شوخیاں یہی جو تمہاری نگاہ میں
بجلی گرے گی چار طرف جلوہ گاہ میں

محراب اسکی تیغ کو سمجھا پڑھی نماز
پہنچا میں قتل گاہ میں یا عیدگاہ میں

فریاد کس سے تیرے سوا اے اجل کریں
ساتھی ہمارے چھوڑ گئے ہمکو راہ میں

چہرہ دکھا جو حسن کا شاہد ہے آئینہ
قرآن ضرور چاہیئے دست گواہ میں

اس ترک کجکلہ پہ اٹھیں کیوں نہ انگلیاں
انداز ماہ نو کا ہے طرف کلاہ میں

دیکھو جما کے آنکھ تو دیکھو رقیب کو
چھریاں بھری ہوئی ہیں تمہاری نگاہ میں

برگشتہ بخت وہ ہوں جو منزل چلا کبھی
گھیرا ادھر ادھر سے بگولوں نے راہ میں

کوچے سے تیرے اٹھ گیا شاید ترا فقیر
کملی سی اک پڑی ہوئی دیکھی ہے راہ میں

اعضا تمام صوم میں رہتے ہیں روزہ دار
روزے ہزار رکھتے ہیں ہم ایک ماہ میں

پست و بلند دائرہ عشق میں نہیں
پائیں وصدر ایک ہے اس بارگاہ میں

ہے راست رو وہی جو ہے دین رسول پر
ہوتی ہے کوئی راہ غلط شاہراہ میں

غواص آئیں بحر سے موتی نکالنے
پرتو اگر پڑے ترے دانتوں کا چاہ میں

یوں روئے یار دیکھ کے مجروح دل ہوا
ہو جائے جیسے چاک کتاں نور ماہ میں

مقراض دونوں پانوں ہیں وحشت کے جوش میں
کچھ ماندگی سے کام نہیں قطع راہ میں

نشہ کے ڈورے یار کی آنکھوں میں ہیں امیر
یا چند سرخ پوش مکان سیاہ میں

وہ تو سنتا ہی نہیں میں دادخواہی کیا کروں
کس کے آگے جا کے سر پھوڑوں الٰہی کیا کروں

مجھ گدا کو دے نہ تکلیف حکومت اے ہوس
چار دن کی زندگی میں بادشاہی کیا کروں

رشک دیکھو غیر میرا محضر خوں دیکھ کر
سوچتا ہے اس پہ میں اپنی گواہی کیا کروں

دھوتے دھوتے آنسوؤں سے ہو گئیں آنکھیں سفید
بخت بد جاتی نہیں تیری سیاہی کیا کروں

مجھ کو ساحل تک خدا پہنچائیگا اے ناخدا
اپنی کشتی کی بیاں تجھ سے تباہی کیا کروں

نزع میں آنکھیں ملا کر یار نے مجھ سے کہا
اب تری آنکھوں میں دم ہے کم نگاہی کیا کروں

ترک لذت سے جدائی میں زباں ہے آشنا
بادۂ صاف و کباب مرغ و ماہی کیا کروں

شوق کہتا ہے پہنچ جاؤں گا میں کعبے میں جلد
راہ میں بتخانہ پڑتا ہے الٰہی کیا کروں

کل گیا تھا پیش زاہد سوچتا ہوں دل میں آج
خدمت پیر مغاں میں عذر خواہی کیا کروں

فرض کر دم آہ رک سکتی ہے تھم سکتے ہیں اشک
چھپ نہیں سکتا ہے لیکن رنگ کاہی کیا کروں

وہ مرے اعمال روز و شب سے واقف ہیں امیر
پیش خالق ادعائے بیگناہی کیا کروں

گلے میں ہاتھ تھے شب اس پری سے راہیں تھیں
سحر ہوئی تو وہ آنکھیں نہ وہ نگاہیں تھیں

نکل کے چہرے پہ میدان صاف خط نے کیا
کبھی وہ کوچہ تھا ایسا کہ بند راہیں تھیں

فراق میں ترے عاشق کو جا کے کل دیکھا
کہ وہ تو ہیچ تھا کچھ اشک تھے کچھ آہیں تھیں

بگولے اب ہیں یہ غربت ہے گور شاہاں پر
سروں پہ چتر جلو میں کبھی سپاہیں تھیں

ہزاروں لوٹ گئے گل اٹھی جو وہ چلمن
خدنگ موئے مژہ برچھیاں نگاہیں تھیں

کیا یہ شوق نے اندھا مجھے نہ سوجھا کچھ
وگرنہ ربط کی اس سے ہزار راہیں تھیں

یہ ضعف ہے کہ نکلتی نہیں ہیں اب دل سے
کبھی فلک سے بھی اونچیں ہماری آہیں تھیں

جگر میں ہجر کی گو چبھ رہی تھیں کچھ پھانسیں
مگر جو غور سے دیکھا تری نگاہیں تھیں

پہنچ گئے سرِ منزل چلے جو چال نئی
انھیں میں پھیر تھا دیکھی ہوئی جو راہیں تھیں

فلک کے دور سے دنیا بدل گئی ورنہ
جہاں بنے ہیں یہ میخانے خانقاہیں تھیں

یہ ضعف اب ہے کہ ہلنا گراں ہے قدموں کو
سبک روی میں کبھی انکو دستگاہیں تھیں

مشاعرے سے حسیں کیوں نہ چھین لیجاتے
رباعیاں مری جو گوشۂ کلاہیں تھیں

حسین زر کے ہیں طالب کہ اب ہیں گرد امیر
غریب ہم تھے تو یہ پیار تھا نہ چاہیں تھیں

جب کبھی اسکو نئی شان سے ہم دیکھتے ہیں
دل ہی واقف ہے جس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

داغ سے بڑھ کے نہیں دل میں کسی کا جلوہ
گھر کی رونق اسی مہمان سے ہم دیکھتے ہیں

ہے پری تو نہیں پریوں کی مگر خو تجھ میں
انس تجھ کو بہت انسان سے ہم دیکھتے ہیں

ضعف کا پاس کرے دستِ جنوں کے ہوتے
یہ بہت دور گریبان سے ہم دیکھتے ہیں

ہے اگر طالبِ مقصود تو مٹ جا اے دل
نفع تیرا ترے نقصان سے ہم دیکھتے ہیں

حشر میں ہاتھ سے رضوان کے اُسے بھی ہو نصیب
ذلتیں جو ترے دربان سے ہم دیکھتے ہیں

مظہرِ خاص تجھے حق نے بنایا ہے صنم
شان اس کی تری ہر شان سے ہم دیکھتے ہیں

گرد ابرو پہ ہے منھ لال ہے چتون ہے بھری
آج انھیں اور ہی سامان سے ہم دیکھتے ہیں

جب نظر بندہ نوازی پہ تری جاتی ہے
مور کو بڑھ کے سلیمان سے ہم دیکھتے ہیں

دل یہ کہتا ہے بدخشاں میں شفق پھولی ہے
سرخ جب ہونٹھ ترے پان سے ہم دیکھتے ہیں

خاک پر پاتے ہیں غلطاں اُسے حسرت کے سبب
جو گہر دور ترے کان سے ہم دیکھتے ہیں

بار بار آتی ہے زلف اُس رخِ روشن کی طرف
ربط کافر کو مسلمان سے ہم دیکھتے ہیں

ہو کہیں لالہ و گل اور کہیں شمس و قمر
ہر جگہ تم کو نئی شان سے ہم دیکھتے ہیں

کُنہ باری کو پہنچ جائے دلا فکر سے تو
یہ تو باہر ترے امکان سے ہم دیکھتے ہیں

ہر طرف اپنی ہی صورت ہمیں آتی ہے نظر
آئینہ خانہ میں حیران سے ہم دیکھتے ہیں

کیا سواری کسی قاتل کی پھری مقتل سے
لاشے آتے ہوئے میدان سے ہم دیکھتے ہیں

کچھ تمہیں سے نہیں کاوش ہے حسینوں کو امیر
چھیڑ پریوں کی ہر انسان سے ہم دیکھتے ہیں

تیغ جلاد کو ارمان سے ہم دیکھتے ہیں
موت کو اپنی عجب شان سے ہم دیکھتے ہیں

اب بھی قاتل تجھے ارمان سے ہم دیکھتے ہیں
زیر خنجر بھی اُسی آن سے ہم دیکھتے ہیں

دیکھتے تھے رخ امید کو جس حسرت سے
یاس کو بھی اُسی ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

سنکے حال دل عشاق کو اس کان سے وہ
صاف اُڑا دیتے ہیں اُس کان سے ہم دیکھتے ہیں

آنکھ آئینے سے کیوں اُنکی پھری رہتی ہے
کیا یہ سمجھے ہیں کہ حیران سے ہم دیکھتے ہیں

مدح کرتا ہے جو تو حیرکی دانائی کی
پھر دل منھ کو ترے نادان سے ہم دیکھتے ہیں

شکل آئینہ بنایا ہے ہمیں حیرت نے
دیکھتے ہیں جسے حیران سے ہم دیکھتے ہیں

شک یہ ہوتا ہے کہ حلقے میں ہے ناگنی کے پھنسا
زلف لپٹی جو ترے کان سے ہم دیکھتے ہیں

جان باقی نہیں گو دل میں ہماری لیکن
تجھ پہ قرباں اُسے سو جان سے ہم دیکھتے ہیں

خط نمایاں کبھی کرتا ہے کبھی خال وہ رخ
رونما کی معجزہ قرآن سے ہم دیکھتے ہیں

بھر گیا جی غم دلدار سے شاید اے دل
کچھ کشیدہ تجھے بہمان سے ہم دیکھتے ہیں

رشک ہوتا ہے کہ شاید ہے تمہارا عاشق
تنگ ایجان جسے جان سے ہم دیکھتے ہیں

ساغر بادہ بھی ہے جام جہاں بیں ساقی
سیر عالم ترے احسان سے ہم دیکھتے ہیں

جی میں آتا ہے کریں ہاتھ کلائی سے قلم
جب الگ اسکو گریبان سے ہم دیکھتے ہیں

ہو گیا میل کچھ آپسمیں کہ اب غیروں کو
جھانک کے ملتے ترے دربان سے ہم دیکھتے ہیں

لحن داؤد سے آہن جو ہوا موم تو کیا
دل کو پانی تری ہر تان سے ہم دیکھتے ہیں

عرش کا حال دل صاف سے آتا ہے نظر | رخنۂ بام کو دالان سے ہم دیکھتے ہیں

دوربینی کہیں کیا چشم بصیرت کی امیر
صاف سیر قدم امکان سے ہم دیکھتے ہیں

بخت یہ ہے گو کہ گلیم گدا ہوں میں | شاہوں کے سر پہ سایۂ بال ہما ہوں میں
صحرا میں مثل موج ہوا گم نما ہوں میں | دریا میں نقش آب کی صورت فنا ہوں میں
وا کردہ چشم دل صفت نقش پا ہوں میں | ہر رہگذر میں راہ تری دیکھتا ہوں میں
مطلب جو اپنے کہنے کا معشوق نے سنا | وہ بت بگڑ کے بول اٹھا کیا خدا ہوں میں
اے انقلاب دہر مٹاتا ہے کیوں مجھے | نقشے ہزاروں مٹ گئے ہیں تب بنا ہوں میں
وحشت میں گو کہ قیس سے بڑھ کر نہیں مگر | اتنا کہوں گا ایک وہ تھا دوسرا ہوں میں
افتادگی میں اس سے نہ سمجھو جدا مجھے | سایہ صفت قدم بقدم زیر پا ہوں میں
محنت یہ کی کہ فکر کا ناخن بھی گھس گیا | عقدہ یہ آجتک نہ کھلا مجھ پہ کیا ہوں میں
اس دل کا قبلہ ہوں جو رکھتا ہے داغ عشق | پروانۂ چراغ حریم خدا ہوں میں
کشتہ کیا ہے مجھ کو محبت کے جوش نے | مذبوح خنجر نگہ آشنا ہوں میں
اعضائے تن کو بسکہ ہے زخموں کا اشتیاق | آہن ہے تیغ یار تو آہن ربا ہوں میں
کہتی ہے ہر بلک تری زلف دراز سے | چھوٹے سے قد پہ میرے نہ جانا بلا ہوں میں
رسوا ہوئے جو آپ تو میرا قصور کیا | جو کچھ کیا وہ دل نے کیا بے خطا ہوں میں
زندہ کیے ہیں میں نے دل مردہ سیکڑوں | فیض سخن سے عیسیٰ معجز نما ہوں میں
مقتل ہے میری جان کو وہ جلوہ گاہ ناز | دل سے ادا یہ کہتی ہے تیری قضا ہوں میں
لذت ہے آب تیغ میں آب حیات کی | زندہ لسان خضر ہوں گو مر چکا ہوں میں

مانند سبزہ اس چمن دہر میں امیر
بیگانہ وار ایک کنارے پڑا ہوں میں

دامن سے لوگ اسکے اکثر لگے ہوئے ہیں — کوچے میں سیکڑوں کے بستر لگے ہوئے ہیں
کیونکر نہ ہوں نگاہیں قاتل کی تیز ایسی — تیلے کی سان پر یہ خنجر لگے ہوئے ہیں
نکلیں گے حشر کے دن ہم ناتوان کیونکر — قبروں کے منہ پہ بھاری پتھر لگے ہوئے ہیں
کیا دیکھیے عاشقوں کے وہ داغدار سینے — پھولوں کی کشتیوں میں زیور لگے ہوئے ہیں
یارب ہے کس کی آمد جو شہر میں ہے شادی — صندل کے آج چھاپے گھر گھر لگے ہوئے ہیں
چاہی جو میں نے عجلت بولا بگڑ کے قاصد — اڑ جاؤں کس طرح میں کیا پر لگے ہوئے ہیں
کیا حال دل چھپاؤں جاسوس اس پری کے — اندر لگے ہوئے ہیں باہر لگے ہوئے ہیں
نامے وہ باری باری عشاق کے پڑھینگے — عجلت سے کچھ نہ ہوگا نمبر لگے ہوئے ہیں
میں جانتا ہوں بلبل جو ہے تری حقیقت — اک مشت استخواں میں دو پر لگے ہوئے ہیں
کیا کیا اذیتیں ہیں مژگاں کی یاد میں بھی — ایک ایک رگ میں سو سو نشتر لگے ہوئے ہیں
بڑھتا ہے آبرو میں کیا آنسوؤں سے میرے — کون ایسے لعل تجھ میں گوہر لگے ہوئے ہیں
ہے حکم یار کوئی میری طرف نہ دیکھے — یہ اشتہار اب تو گھر گھر لگے ہوئے ہیں

مجھ بے نوا گدا کو پوچھے امیر وہ کیا
شاہوں کے اس گلی میں بستر لگے ہوئے ہیں

جب خوبرو چھپاتے ہیں عارض نقاب میں — کہتا ہے حسن میں نہ رہوں گا حجاب میں
بے قصد لکھ دیا ہے گلہ اضطراب میں — دیکھوں کہ کیا وہ لکھتے ہیں خط کے جواب میں
بجلی چمک رہی ہے فلک پر سحاب میں — اب دختِ رز کو چین کہاں ہے حجاب میں
اللہ رے میرے دل کی تڑپ اضطراب میں — گھبرا کے کروٹیں لگے لینے وہ خواب میں
مہمان اسکے ساتھ کھانیکا ہوتا نہیں حساب — ہم تم کباب کھائیں ڈبو کر شراب میں
اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی — یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں
ملنے کا وعدہ منہ سے تو انکے نکل گیا — پوچھی جگہ جو میں نے کہا ہنس کے خواب میں

دو کی جگہ دیئے مجھے بوسے بہک کے چار
تھے نیند میں پڑا انھیں دھوکا حساب میں

قاصد ہی قول و فعل کا کیا اُنکے اعتبار
پیغام کچھ کہا ہو لکھا کچھ جواب میں

ترغیب میرے قتل کی دو اُنکو بعد مو
ہو کار خیر تم بھی ہو داخل ثواب میں

سمجھے ہیں دل میں کیا جو یہ گرد ہوا میں ہیں
جہان چار دن کا ہے جو بن حساب میں

سمجھا ہے تو جو غیبتِ پیر مغاں حلال
واعظ بتا یہ مسئلہ ہے کس کتاب میں

خونخوار ہو وہ مست ملے گا بڑا مزہ
قیمہ مرے جگر کا ملا دو کباب میں

کام آئی کیسی ظلمتِ عصیاں بروز حشر
سایہ ہمارے سر پہ رہا آفتاب میں

دیکھا کیا جو دفترِ آفاق بعد جمع
ہم پہلے ہو گئے نظری انتخاب میں

منظور قید و قتل جو ہو حکم دیجئے
ہے یہ گناہگار بھی حاضر جواب میں

دامن میں اُنکے خون کی چھینٹیں پڑیں اسیر
بسمل سے پاس ہو نہ سکا اضطراب میں

قاضی بھی اب تو آئے ہیں بزم شراب میں
ساقی ہزار شکر خدا کی جناب میں

جا پائی خط نے اسکے رخِ بے نقاب میں
سورج گہن پڑا شرفِ آفتاب میں

دامن بھرا ہوا تھا جو اپنا شراب میں
محشر کے دن بٹھائے گئے آفتاب میں

رکھا یہ تم نے پائے حنائی رکاب میں
یا پھول بھر دیئے طبق آفتاب میں

تیر دعا نشانے پہ کیونکر نہ بیٹھتا
کچھ زور تھا کمان سے سوا اضطراب میں

وہ ناتواں ہوں قلعہ آہن ہو وہ مجھے
کردے جو کوئی بند مکانِ حباب میں

حاجت نہیں تو دولت دنیا سے کام کیا
بھٹکا ہے تشنہ دام فریب سراب میں

مثلِ نفس نہ آمد و شد سے ملا فراغ
جبتک رہی حیات رہے اضطراب میں

سرکش کا ہے جہاں میں دوران سر مآل
کیونکر نہ گرد باد رہے پیچ و تاب میں

چاہے جو حفظ جان تو نہ کر اقربا سے قطع
کب سوکھتے ہیں برگ شجر آفتاب میں

دل کو جلا تصور حسن ملیح سے
ہوتی ہے بے نمک کوئی لذت کباب میں

ڈالی ہیں نفس شوم نے کیا کیا خرابیاں
موذی کو پال کر ہیں پڑا کس عذاب میں

اللہ رے تیز دستی مژگان رخنہ گر
بیکار بند ہو گئے ان کی نقاب میں

چلتا نہیں ہے ظلم تو عادل کے سامنے
شیطاں ہے پردہ در کہ ہیں ہادی حجاب میں

کچھ ربط حسن و عشق سے جائے عجب نہیں
بلبل بنے جو بلبلہ اٹھے گلاب میں

چومے جو اس کا مصحف رخ زلف میں پھنسے
بار عذاب بھی ہے طریق ثواب میں

ساقی کچھ آجکل سے نہیں بادہ کش ہیں رند
اس خاک کا خمیر ہوا ہے شراب میں

فرقت میں میرے دل کے ڈرانے کے واسطے
مشغل ہو برق کی کف دیو سحاب میں

جب نامہ بر گیا ہے کبوتر کو اے امیر
اس نے کباب بھیجے ہیں خط کے جواب میں

راحت کہاں ہے اسکو جو ہے پیچ و تاب میں
دیکھا نہ پائے موج کو کفش حباب میں

ساقی مسیح وقت ہے بزم شراب میں
دیتا ہے بھر کے مے قدح آفتاب میں

دریا سے حل یہ مسئلہ ہے فہم چاہیئے
دیکھو ملا صدف میں خلا ہے حباب میں

دل صاف ہو تو کشمکش دہر کیا کرے
شعلہ ہے کب دھوئیں کیطرح پیچ و تاب میں

دنیا بھی دین ہے جو ہو لذت بشر سے ترک
کیوں ہو حرام نشہ نہ ہو جس شراب میں

مردہ جو اہل دل ہوں تو زندہ انہیں سمجھ
عارف کی آنکھ رہتی ہے بیدار خواب میں

دریا میں سو گیا ہے نہانے سے انکو عشق
شاہد ہے نقش حب کا اثر نقش آب میں

خط اس کے گرد روئے صاف پہ نکلا غضب ہوا
مانند ماہ داغ لگا آفتاب میں

رکھ دیکھ بعد مرگ بھی میرے گلے پہ تیغ
طاقت ہے جذب آب کی مردہ سحاب میں

دکھلاتے ہیں وہ وقت گزک معجزہ مسیح
ہونٹوں سے جان پڑتی ہے مرغ کباب میں

پروا نہیں ہے ہم کو اگر ہیں قفس میں بند
صیاد سیر باغ کی کرتے ہیں خواب میں

پیری میں یہ جھکی ہوئی پلکوں کا حال ہو — دیواریں جیسے ہوں مکانِ خراب میں
لکھا ہے میں نے دیدۂ گریاں کا اپنے حال — چند اب چاہیئے کوئی کاغذ کتاب میں
میخانے میں جو آئے تو ناصح رہے خموش — دم مارنے کی جا نہیں انسان کو آب میں
پیاسوں کو خاک سیر کریگا یہ آسمان — چشمہ تو ہے پر آب نہیں آفتاب میں

زاہد کو فیض صحبت رنداں سے کیا امیر
عالم کبھی نہ رہ کے ہو کیڑا کتاب میں

خنجر بکف جو اپنے قاتل کو دیکھتے ہیں — دل ہمکو دیکھتا ہو ہم دل کو دیکھتے ہیں
واماندہ دور سے یوں منزل کو دیکھتے ہیں — کشتی شکستہ جیسے ساحل کو دیکھتے ہیں
ہر چند ماندگی نے ہم کو بٹھا دیا ہے — صد شکر دور سے تو منزل کو دیکھتے ہیں
آنکھوں کو بند کریں خالق سے لو لگائیں — کیوں غرق ہونیوالے ساحل کو دیکھتے ہیں
شوق نظارہ دیکھو پٹی ہوئی ہے عینک — آنکھیں ہیں بند لیکن قاتل کو دیکھتے ہیں
پروا نہیں جو آنے پاتے نہیں ہم شب بھر — ہم خواب میں تمہاری محفل کو دیکھتے ہیں
کیوں منہ بنا رہے ہو بوسے کے مانگنے پر — خوش ہوتے ہیں سخی جب سائل کو دیکھتے ہیں
لیلیٰ کو دیکھ کر جو بیخود نہیں ہوئے ہیں — ناقے کو دیکھتے ہیں محمل کو دیکھتے ہیں

دنیا امیر ساری ہے محفل مشائخ
دیتا ہے جان اس پر جس دل کو دیکھتے ہیں

شمشیر ہے سناں ہے کیسے دوں کیسے ندوں دل — اک جان ناتواں ہے کیسے دوں کیسے ندوں
مہماں ادھر ہما ہے اُدھر ہے سگِ حبیب — اک مشت استخواں ہے کیسے دوں کیسے ندوں
دربان ہزار اُسکے یہاں ایک نقد جاں — مال اسقدر کہاں ہے کیسے دوں کیسے ندوں
بلبل کو بھی ہے پھولوں کی گلچیں کو بھی طلب — حیران باغباں ہے کیسے دوں کیسے ندوں
سب چاہتے ہیں اس سے جو وعدہ وصال کا — کہتا ہے اک زباں ہے کیسے دوں کیسے ندوں

شہزادے دخت رز کے ہزاروں ہیں خواستگار
چپ مرشد مغاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

یاروں کو بھی ہے بوسے کی غیروں کو بھی طلب
ششدر وہ جان جاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

دل مجھ سے مانگتے ہیں ہزاروں حسیں امیر
کتنا یہ ارمغاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

تصور ایک بحر حسن کا یوں ہے مرے دل میں
رواں رہتا ہے دریا جس طرح آغوش ساحل میں

ہوائے زلف جاناں نے نہ چھوڑا مر کے بھی پیچھا
قیامت میں بھی ہم جکڑے ہوئے آئے سلاسل میں

شراب سرخ شیشے میں نہیں ہے یار اے ساقی
بھرا ہے خون بسمل یہ گلوئے مرغ بسمل میں

تمنائے شہادت میں نہ مر کر بھی ہوئی راحت
تڑپ کر خلد سے پھر آرہا ہیں کوئے قاتل میں

ترا خال ذقن دیکھا تو ہم کو یہ خیال آیا
فرشتوں کی جگہ ہے قید زہرہ چاہ بابل میں

کیا جوہر مجھے جس دم نکھر کر روبرو آیا
بجائے تیغ آئینہ ہے لازم دست قاتل میں

وہ صحرائے ہستی کو یہ آسانی سے کاٹے گا
تری تلوار کا دم آگیا ہے تیرے بسمل میں

جگہ تربت ہی کی تھوڑی ملے بعد فنا مجھ کو
فلک میرا بھی حق ہے کچھ زمین کوئے قاتل میں

یہ کس کے نوک مژگاں کا تصور آنے والا ہے
کھٹک جاتا ہے اک کانٹا سا جو ہر دم مرے دل میں

نکالے رنگ گو جائل نہیں پر دال صحبت
طلب ہوتا ہے کب طاؤس بہر رقص محفل میں

تڑپتے ہیں کہ شوق قتل میں یا رقص کرتے ہیں
تماشا بسملوں کا ہو رہا ہے کوئے قاتل میں

یہ کیوں گھبرا رہے ہیں کچھ سبب اسکا نہیں کھلتا
کبھی جاتے ہیں آنکھوں میں کبھی آتے ہیں وہ دل میں

چھری کو تیرے اے صیاد اب تک بیقراری ہے
کوئی رگ رہ گئی ہے کیا گلوئے مرغ بسمل میں

تقاضا جاں نثاری کا یہ ہے ایذا نہ ہو اسکو
خوشی سے کاٹ کر سر اپنا رکھ دیں دست قاتل میں

ہزاروں قیس مشرب ساتھ پھرتے ہیں بیابانمیں
مرے دلمیں خیال یار کیا لیلیٰ ہے محمل میں

کبھی غمزہ اگر تیغ نگہ کو روک لیتا ہے
تو پلکوں کے چبھو جاتے ہیں وہ نشتر مرے دل میں

جہاں ظلمت تھی میرے گھر شب فرقت سمٹ آئی
دھوئیں کا نام اب باقی نہیں ہے چاہ بابل میں

بمشکل ضعف میں پہنچا ہوں میدان شہادت تک
جمانے دے قدم اے درد پہلو کوئے قاتل میں

عروس مرگ تیری تیغ کا منہ چوم لیتی ہے
نکلتی ہو لگا کر جب یہ غوطہ خون بسمل میں

نکل جائے ترا تیر آکے پہلو سے یہ کیا ممکن
ابھی اے ترک اتنی جان باقی ہے مرے دل میں

امیر اب تک نہیں کھلتے جو اس کی تیغ کے جوہر
توقف کیوں ہے کیا مہندی لگی ہے دست قاتل میں

کسی زہرہ شمائل کا تصور ہے مرے دل میں
منجم یا قمر کا ہو گذر خورشید منزل میں

قدم رنجہ تو فرماؤ کوئی رہنے نہ پائے گا
نکل جائیں گی جتنی آرزوئیں ہیں مرے دل میں

رہے گی خوب اے قاتل غضب کا رنگ لائے گی
لگائی ہے جو مہندی پیس اسکو خون بسمل میں

نہیں کرتا کبھی پروائے جنت اے گل خوبی
نہایت پائی ہمنے بے نیازی تیرے سائل میں

یہی حیرت کا عالم ہے تو نظارہ کہاں مجنوں
نکل بھی آئے محمل سے تو پھر لیلی ہے محمل میں

دوئی اٹھ جائے تو جھگڑا کہاں شیخ و برہمن کا
بت آئیں سجدے کرتے شوق سے اس کعبہ دل میں

تڑپتا ہے دل صیاد بھی اس کے تڑپنے پر
قیامت کا اثر ہے اضطراب مرغ بسمل میں

یہ بیماری محبت کی کوئی نیرنگ ہے یا دل
جہاں آیا مسیحا درد دونا ہو گیا دل میں

دہان زخم نے کس کس مزے سے اسکو چوسا ہے
لب شیریں کی لذت ہے زبان تیغ قاتل میں

جدا ہوتی نہیں گردن سے قاتل زور کرتا ہے
زبان تیغ نے لذت یہ پائی خون بسمل میں

ذرا محمل سے ہٹ کر خاک اڑا اے بے ادب مجنوں
خیال اتنا تو کرنا چاہیئے ہے کون محمل میں

کرامت ہے کوئی ساقی کہ تیری چشم میگوں ہے
چھکایا ایک پیمانے سے تو نے سب کو محفل میں

لگا کر وار اوچھا پھر نہ دیکھا اسطرف ہم نے
قضا روتی رہی بیٹھی ہوئی پہلوئے بسمل میں

اجازت چاہتی ہے کس سے پروانوں کے آنے کی
گھڑی ہے عرض بیگی کیطرح جو شمع محفل میں

نہ آمادہ ہوا ہو کوئی غمزہ اسکا شوخی پر
الہی خیر بجلی سی چمکتی ہے مرے دل میں

امیر اسکی تجلی گاہ ہے دنیا جو آنکھیں ہوں
وہی گل ہے گلستاں میں وہی ہے شمع محفل میں

بے حجابانہ اگر وہ لب آب آتے ہیں
شوق دیدار میں آنکھوں سے حباب آتے ہیں

اشک آنکھوں میں مرے گرم شتاب آتے ہیں
شہسواران عدم پا بہ رکاب آتے ہیں

یاد وہ ولولۂ عہد شباب آتے ہیں
جوش کیا کیا ہمیں ہنگام خضاب آتے ہیں

پی کے مے جذب یہ مجھ رند کا بڑھ جاتا ہے
اڑ کے منہ تک صفت مرغ کباب آتے ہیں

اس طرح مجلس زہاد میں جاتا ہے نہیں رند
متقی جیسے سوئے بزم شراب آتے ہیں

بے خبر دیکھ کے مردوں کو یہ کہتی ہے زمیں
جو یہاں آتے ہیں مست مے خواب آتے ہیں

جو تہ گنبد تسلیم و رضا بیٹھ رہے
غیب سے انکے سوالوں کے جواب آتے ہیں

سم رہوار سے روندینگے وہی خاک مزار
تا در گور جو ہمراہ رکاب آتے ہیں

صفت شمع سحر جو تری محفل سے ہیں دور
موت کے ان کو پسینے دم خواب آتے ہیں

موت آتی ہے کہ آتی ہے سواری انکی
کئی جلاد بھی ہمراہ رکاب آتے ہیں

مرگ کے بعد نہ آئیں گے کبھی ہم انھیں یاد
جن حسینوں کے تصور دم خواب آتے ہیں

غیر منہ پر نہ چڑھے کھینچتے ہیں ہم نالے
کہو ابلیس ہٹے تیر شہاب آتے ہیں

سوزش دل سے یہ جلتی ہیں ہماری آنکھیں
اشک منہ پر صفت اشک کباب آتے ہیں

ہجر ساقی میں کبھی دل کبھی جلتا ہے جگر
ہر طرح سے مرے حصے میں کباب آتے ہیں

راحتیں وصل کی یاد آتی ہیں اڑ جاتے ہیں ہوش
غش پہ غش ہجر کی شب میں دم خواب آتے ہیں

یہ تقاضا ہے کہ ادا آپ کی سبحان اللہ
صف الٹتی ہے جو مسجد میں جناب آتے ہیں

نہیں جاتے کبھی پیری میں جوانی کے خیال
صبحکو یاد مجھے رات کے خواب آتے ہیں

کرتے ہیں ہجر کے پیغام مرا دل زخمی
تیر آتے ہیں کہ ناموں کے جواب آتے ہیں

عمل بد جو ہوئے ہم سے سیہ کاری میں
گور میں بنکے وہی مار عذاب آتے ہیں

کیوں نہو دیدۂ تر یار کو رحم آہی گیا
خوب چھینٹے تجھے اے خانہ خراب آتے ہیں

دھیان بیجا ہے بط مے کی ہم آوازی کا
ایسے نغمے تجھے کب مرغ کباب آتے ہیں

پاؤں ٹکتے ہیں کوئی بحر جہاں میں اُسکے — سر اٹھائے ہوئے جو مثل حباب آتے ہیں
جوش وحشت مجھے ہر سال بناتا ہے جوان — جب بہار آتی ہے ایام شباب آتے ہیں
ہم ترے کوچے میں آئے تو کیا کون گناہ — لوگ کعبے میں پئے کسب ثواب آتے ہیں
حال افلاک دل صاف میں آئینہ ہے — ایک قطرے میں نظر سات حباب آتے ہیں

دھیان بندھتا ہے جو اُس عارض و گیسو کا امیر
متصل لخلخہ مشک و گلاب آتے ہیں

عینک ہوں خواہ آئینہ اے رشک ماہ ہوں — جیسا ہوں پیش چشم ہوں پیش نگاہ ہوں
باوصف بخت تیرہ میں روشن نگاہ ہوں — سرمہ دہ ہوں کہ سرمۂ چشم سیاہ ہوں
منکر ہو میرے قتل سے قاتل جو روز حشر — بولے زبان تیغ کہ میں گواہ ہوں
کر دینگے اشک گرم مرے مجھکو روسپید — گو روسیاہ ہوں مگر ابر سیاہ ہوں
حرص و ہوا کو حد جہاں سے نکال دوں — دو دن کو میں جہاں میں اگر بادشاہ ہوں
ہفتے میں ایک دن تو مرے گھر میں آئیے — امیدوار رحمت گاہ گاہ ہوں
رہتا ہے صبح و شام گناہوں کا سامنا — فارغ جو ان سے ہوں تو کبھی عذر خواہ ہوں
غیر از چراغ غول نہیں کوئی پیش و پس — تاریک شب میں راہرو گم کردہ راہ ہوں
تاب و تواں نہ مجھ میں نہ عقل و حواس و ہوش — شکل آدمی کی صورت مردم گیاہ ہوں
کہتا ہے روئے یار یہ خط سیاہ سے — تو ہالہ ماہ کا ہے میں ہالے کا ماہ ہوں
لاغر یہ عشق موئے کمر نے کیا مجھے — پنہاں نگاہ خلق سے میں مثل ماہ ہوں
دست کشادہ ہے سبب تنگی معاش — دریا دلی سے اپنے میں محبوس چاہ ہوں
اس قلزم جہاں میں سفینہ ہے میری ذات — سارا جہاں ہو غرق اگر میں پناہ ہوں
رکھتا نہیں ہے فرق سر مو امیر سخن — گویا زبان خامۂ صنع اله ہوں
مد نظر ہے صاحب جوہر کا مجھ کو حفظ — مثل نیام تیغ کے حق میں پناہ ہوں

روضہ رسول کا ہے اگر بارگاہ حق
میں بھی امیر خاک در بارگاہ ہوں

خیال لب میں ابر دیدہ ہائے تر برستے ہیں
یہ بادل جب برستے ہیں لب کوثر برستے ہیں

خدا کے ہاتھ ہم چشموں میں ہے اب آبرو اپنی
بھرے بیٹھے ہیں دیکھیں آج وہ کس پر برستے ہیں

ڈبو دینگی یہ آنکھیں بادلوں کو ایک چھینٹے میں
بھلا برسیں تو میرے سامنے کیونکر برستے ہیں

جہاں ان ابروؤں پر میل آیا کٹ گئے لاکھوں
یہ وہ تیغیں ہیں جنکے ابر سے خنجر برستے ہیں

چھلکے رہتے ہیں مے سے جوش پر ہے رحمت ساقی
ہمارے میکدے میں غیب سے ساغر برستے ہیں

جو ہم برگشتہ قسمت آرزو کرتے ہیں پانی کی
زہے باران رحمت چرخ سے پتھر برستے ہیں

غضب کا ابر خوں افشاں ہے ابر تیغ قاتل بھی
رواں ہے خون کا سیلاب لاکھوں سر برستے ہیں

سمائے ابر نیساں خاک بھی گریاں کی آنکھوں میں
کہ پلکوں سے یہاں بھی متصل گوہر برستے ہیں

وہاں ہیں سخت باتیں یاں امیر آنسو پہ آنسو ہیں
تماشا ہے ادھر موتی ادھر پتھر برستے ہیں

عروس مرگ پہ جو دل نثار کرتے ہیں
لپٹ کے خنجر قاتل کو پیار کرتے ہیں

وہ شانہ بالوں میں کیا بار بار کرتے ہیں
لباس زیست مرا تار تار کرتے ہیں

جو سیدھی طرح سے آنکھیں وہ چار کرتے ہیں
ہزار تیر کلیجے کے پار کرتے ہیں

جو راہ چلتے ہیں وہ مل کے پانو میں مہندی
زمیں کو صفحۂ نقش و نگار کرتے ہیں

ہوئے یہ بھی لحد اپنی ہے تختۂ نرگس
ہزار آنکھ سے ہم انتظار کرتے ہیں

ہزار شکر گئیں بدگمانیاں ان کی
وہ میری بات کا اب اعتبار کرتے ہیں

مزے بتوں کے تو خود لوٹتے ہیں حضرت دل
خدا سے مفت مجھے شرمسار کرتے ہیں

دل و جگر کو نکالو بھی میرے سینے سے
تڑپ تڑپ کے مجھے بیقرار کرتے ہیں

میں مر کے خاک ہوا خاک ہو گئی برباد
وہ موت کا بھی نہیں اعتبار کرتے ہیں

نہ شاخ گل ہی مرا دل نہ دامن میخوار
بہاریں اسے کیوں داغدار کرتے ہیں

میں بادہ کش ہوں وہ وحشی کہ منجھے ساقی
لگا کے شیشے مجھے سنگسار کرتے ہیں

وہ صاف دل ہیں رقابت کا کچھ خیال نہیں
جو تمکو پیار کرے اس کو پیار کرتے ہیں

طلسم گنج بھی آتا ہے جب نظر ہم کو
وہ مردہ دل ہیں گمان مزار کرتے ہیں

کبھی بتوں سے جو کرتا ہوں وصل کی خواہش
خدا کے فضل کا امیدوار کرتے ہیں

گلہ نہیں جو اڑاتے ہیں تیغ سے ٹکڑے
یہ ترک ایک سے مجھ کو ہزار کرتے ہیں

فلک کے قصر سے ہو اور کیا ہمیں حاصل
فقط نظارۂ نقش نگار کرتے ہیں

چلو امیر چلو تا کجا اقامت دہر
مسافران عدم انتظار کرتے ہیں

کیوں نہ موسیٰ کو خطر ہو شوق برق طور میں
شکلیں پڑتی ہیں سالک کو حجاب نور میں

روز حشر ایسی جلن ہوگی دل محرور میں
بھاگ کر ڈوبے گا دوزخ چشمۂ کافور میں

خاکساروں کی ہے ذلت دیدۂ مغرور میں
مال کیا ظرف گلی ہے مجلس فغفور میں

ہم ہوں یا موسیٰ ہوں کوئی دیکھ سکتا ہی اُسے
پردے حیرت کے پڑے ہیں جلوہ گاہ طور میں

کیا تماشا ہی اسے سمجھے ہیں غافل جلترنگ
جام چینی رو رہے ہیں ماتم فغفور میں

حوصلہ عالی اگر ہو ہر جگہ معراج ہے
دار بھی ہی شاخ سدرہ دیدۂ منصور میں

گور میں جو نکالے یہ عبرت پکاری بار بار
ہوشیاری شرط ہی غافل شب دیجور میں

نزع کے وقت آدمی سے ملکیں کیا ہاتھ پانوں
شام کو باقی نہیں رہتی سکت مزدور میں

بت تراشوں پر پڑیں پتھر کیا پھر جلوہ گر
چھپ رہے تھے بت خدا سے ڈر کے سنگ طور میں

گھر بنایا ہی یہ کسکا قصر تن ہی بے ثبات
جھونکتی ہی خاک عبرت دیدۂ مزدور میں

شیخ کو تھوڑا نہ جانو یہ بڑا مکار ہے
ساری دنیا چھوڑ بیٹھا ہی تلاش حور میں

اُن سے کہتی ہی حیا اتنا جو میرا پاس تھا
نور بن کر چھپ رہی ہوتی نگاہ حور میں

محتسب کے لاکھ لاکھ احساں کہ خوشے کیطرح — کاٹکر مستوں کے سر لٹکا دیئے انگور میں

ہو اگر گردوں مخالف غم نہیں مجھ کو امیر
ہوں میں ظل دامن شاہ ابوالمنصور میں

پھکنتے ہیں اعضا یہ گرمی ہے تن محرور میں — جائے ہیزم استخواں جلتے ہیں اس تنور میں
رنگ پریوں کا جدا لطف اور ہے اس حور میں — ہے زمین و آسماں کا فرق نار و نور میں
جان جاتی ہے خیال عارض پرنور میں — ڈوبتی ہے میری کشتی چشمۂ کافور میں
چاہتا ہوں ایکدم میں طے کرے ہستی کی راہ — آج ایسی آگئی طاقت ترے رنجور میں
اپنی طاعت کی جزا چاہے تو خالق سے بشر — پہلے محنت سے اجورہ دے کف مزدور میں
جمع مال انساں تو کیا حیوان کو کرتا ہے تباہ — شہد دلواتا ہے آتش خانۂ زنبور میں
فرش استبرق کی کچھ حاجت نہیں اے باغباں — بادہ کش ہیں پڑے رہینگے سایۂ انگور میں
میں اگر چھو لوں خلش سے آسماں پیدا کرے — خار ہر غنچے میں جیسے نیش ہے زنبور میں
سچ ہے اہل درد سے ہوتا نہیں رونیکا ضبط — اشک رہتے ہیں لبالب دیدۂ ناسور میں
ساقیا کیوں دمبدم یہ خشک رز شاداب ہے — خون تن مستوں کا شاید بھر دیا انگور میں
سچ ہے انساں کو مصیبت میں خدا آتا ہے یاد — موت کا دھیان اکثر آتا ہے دل رنجور میں
میری بزم عیش میں رویا ہے یہ جی کھولکر — ایک قطرہ خون نہیں باقی تن طنبور میں
داغ سے ہے سینۂ پرسوز عاشق کا فروغ — گردۂ ناں آئینہ ہے خانۂ تنور میں
داغ الفت کھائیے جاتی جوانی ہے تو کیا — چاہیئے شب بھر چراغ اے دل شب دیجور میں
رات دن میں لاکھ بار اٹھ اٹھ کے رہجاتا ہے پھر — درد شاید قید ہے میرے دل رنجور میں
عیب سلطاں کیا ضرورت ہے رعیت میں بھی ہو شاہ — لنگ ہی رہتے تھے کیا سب کشور تیمور میں
ترک کر لذت اگر چاہے جہاں میں عافیت — شہد آتش سے سوا ہے خانۂ زنبور میں
سب کو لنگر خانۂ خالق سے حصہ مل چکا — کیا مری قسمت کی روٹی جل گئی تنور میں

سینہ پر درد میں کیا روح کو آرام ہو کون سویا چین سے ہمسایہ رنجور ہیں

کیسے موسیٰ لن ترانی کی صدا کیسی امیر
حسن کے نیرنگ تھے خلوت سرائے طور میں

ہٹاؤ آئینہ امیدوار ہم بھی ہیں تمہارے دیکھنے والوں میں یار ہم بھی ہیں
تڑپ کے روح یہ کہتی ہے ہجر جاناں میں کہ تیرے ساتھ دل بے قرار ہم بھی ہیں
رہے دماغ اگر آسماں پہ دور نہیں کہ تیرے کوچے میں مست غبار ہم بھی ہیں
کھو کر نخل چمن ہم سے سرکشی نہ کریں انہیں کی طرح سے باغ و بہار ہم بھی ہیں
ہمارے آگے ذرا ہو سمجھ کے زمزمہ سنج کہ ایک نغمہ سرا اے ہزار ہم بھی ہیں
کہاں تک آئینے میں دیکھ بھال ادھر دیکھو کہ اک نگاہ کے امیدوار ہم بھی ہیں
شراب ہم سے لگاتے نہیں ہیں اے زاہد فراق یار میں پرہیزگار ہم بھی ہیں
ہمارا نام بھی لکھ لو جو ہے قلم جاری قدیم آپ کے خدمت گذار ہم بھی ہیں
ہما ہیں گرد مری ہڈیوں کے آٹھ پہر سگ آکے کہتے ہیں امیدوار ہم بھی ہیں

جو لڑکھڑا کے گرے تو قدم پہ ساقی کے
امیر مست نہیں ہوشیار ہم بھی ہیں

چار ابرو ہیں ترے حسن میں بہتر چاروں کیا رباعی ہو کہ مصرع ہیں برابر چاروں
کس گل تر کا میں کشتہ تھا کہ مرقد پہ مرے بن گئے چار چمن گوشۂ چادر چاروں
ایکدم حکم خدا مجھ کو فراموش نہیں دل پہ لکھے ہیں سما دی ہیں جو دفتر چاروں
کیا ہوا چار عناصر جو پریشان ہوئے آج دم میں ہو جائیں گے اک جا دم محشر چاروں
ہاتھوں پانوں کا بھروسا تھا سو وہ بھی تھے خاک ہو گئے مجھ سے جدا ہائے مقدر چاروں
ابر مژگاں کی شب ہجر جو بارش ہے یہی گھر کی دیواریں گرا دے گا مقرر چاروں
زہرہ و مشتری و شمس و قمر وقت نثار گرد پھرتے ہیں ترے باندھ کے چکر چاروں

تندرستی کی کہاں فرقت جاناں میں امید — حد اصلاح سے اخلاط ہیں باہر چاروں
حق تو یہ ہے کہ ہیں تیرے در دولت کے گدا — خسرو و قیصر و دارا و سکندر چاروں
خاک ہیں لعل و زمرد ہوں کہ یاقوت و عقیق — ہوں غنی میری نظر میں ہیں یہ پتھر چاروں
بطن مادر بغل گور مکاں باغ بہشت — اپنے بندوں کو خدا نے یہ دیئے گھر چاروں

اے امیر احمد مرسل کے جو ہیں چار وزیر
چار یاری ہوں مجھے ہیں یہ برابر چاروں

سہواً کسی سے اپنی کہانی اگر کہوں — طاقت جواب دے کہ نہ بار دگر کہوں
طول شب فراق کا قصہ نہ پوچھیئے — محشر تلک کہوں میں اگر مختصر کہوں
قاصد یہ کوئے یار سے کہتا ہوا پھرا — اپنی خبر نہیں مجھے کس کی خبر کہوں
اے اہل دیر و کعبہ میں غماز کچھ نہیں — جو اس طرف کی سنئے کسی سے اُدھر کہوں
سنتے ہیں آپ سارے زمانہ کا درد دل — کہیئے تو میں بھی قصۂ سوز جگر کہوں
شب کو کہو جو روز تم اپنی زبان سے — سورج قمر کو شام کو میں بھی سحر کہوں
حاصل صفائے قلب ہو آئینے کی طرح — کیوں منہ پہ صاف صاف نہ عیب و ہنر کہوں
وقفہ بہت قلیل ہے حسن شباب کا — بڑھ کر کہوں تو جلوۂ برق و شرر کہوں
تشبیہہ سامنے کی ہو اسے فکر چاہیئے — گیسو کو شام چہرے کو اس کے سحر کہوں
محروم ہوں میں لذت بوس و کنار سے — کیونکر نہ اُن کو بے دہن و بے کمر کہوں

ہرگز نہ فرق آئے مری بات میں امیر
اک بار جو کہا ہے وہی عمر بھر کہوں

سخت دل لیٹا ہے ناحق آہ بے تاثیر میں — کچھ نہیں حاصل جو پیکاں ہو ہوائی تیر میں
ہو کے میری لاش نے پامال حسرت سے کہا — آگے آگے دیکھیئے کیا ہے مری تقدیر میں
پھر تو ہے ایدل کنارا مرگ کا زیر قدم — پیرتے دو ہاتھ اگر آب دم شمشیر میں

بہتے بہتے ایک دن شیریں کو پہنچیگا ضرور — نامہ لکھ کر ڈالدے فرہاد جوئے شیر میں

عشق ابروئے بتاں میں دل نے کی ایسی تپش — زلزلہ آیا زمین کوچۂ شمشیر میں

جس پری کی آنکھ مجھ سے پھر گئی بولا جنوں — لو مبارک اور اک حلقہ بڑھا زنجیر میں

آئے جب نخچیر ہونے پر کمی ترکوں کی کیا — پر نہیں سرخاب کا اے ترک تیرے تیر میں

موئے ابروئے بتاں میں تل نہیں اے مرغ روح — دانہ چھٹکا ہے یہ دام جوہر شمشیر میں

عشق گیسو میں ملی دنیا کی گردش سے نجات — نیند بھر کر پاؤں سوئے خانۂ زنجیر میں

رو نہ رسوائی سے نادم ہو کے قاتل بعد قتل — وہ تری تقدیر میں تھا یہ مری تقدیر میں

کشت و خوں ایسا ہی رہتا در ترکا میں اگر — روند عزرائیل پھرتے کوچۂ شمشیر میں

نیند تیرے وحشیوں کو صبح تک آتی نہیں — رتجگا رہتا ہے شب بھر خانۂ زنجیر میں

باندھتا ہے گر ہوائے ظلم کر مجھ کو شکار — جب کٹینگے پر مرے تب پر لگینگے تیر میں

عشق ابرو میں جو چلاتا ہوں کہتا ہے وہ ترک — کون دیتا ہے دہائی کوچۂ شمشیر میں

منحصر ہے مجرموں پر شان رحمت کا ظہور — ہے خطائے فاش اگر تقصیر ہو تقصیر میں

تیر پہ تیر اُس ستمگر نے لگائے اسقدر — رہ گئی حسرت تڑپنے کی دل نخچیر میں

کج نہادوں سے ضرر کیا راستبازوں کو امیر
خم نہیں آتا ہے صحبت سے کماں کے تیر میں

ہے یہ بے مہری کا چرچا دور چرخ پیر میں — خون مادر طفل پیتے ہیں ملا کر شیر میں

قصۂ غیروں سے تمہارے عشق ابرو میں ہوا — چل گیا ہتھیار ہم سے کوچۂ شمشیر میں

ضبط غم سے آہ بنتی ہے مرے دل میں گرہ — تیر ہو جاتا ہے پیکاں سینۂ نخچیر میں

سرنوشت اتنی جو کج مجھ واژگوں طالع کی ہے — شاید الٹا قط لگا تھا خامۂ تقدیر میں

صبح پیری کا بھی اے مانی نشاں باقی رہے — چھوڑ دینا کچھ سفیدی بھی مری تصویر میں

کیجئے دنیا کی ساری لذتوں کا انتخاب — پیجئے شیراز سے مے جیجئے کشمیر میں

زیرِ ابرو شوخیاں کرتی نہیں چشمانِ یار
جو کڑی بھرتے ہیں آہو سایۂ شمشیر میں

دیر سے سودے حرم پیری میں جا کر کیا کروں
تھا جو طاعت کا زمانہ کھو چکا تقصیر میں

اے جنوں تو جذب کو کچھ کام فرمائے اگر
چشمِ لیلیٰ کے ہوں حلقے قیس کی زنجیر میں

ذوقِ رحمت کھینچتا ہے سوئے رحمت اے کریم
جانتا ہے تو کہ میں مجبور ہوں تقصیر میں

ملکے آنکھیں ابروئے جاناں سے جب روئے ہیں ہم
بھر دیئے ہیں ہم نے موتی دامنِ شمشیر میں

انجمن میں مست ہو جائیں نہ کیونکر سامعین
قلقلِ مینا کا عالم ہے تری تقریر میں

نقل سے کوئی نکلتا ہے جہاں میں کارِ اصل
پائیں کب غواص موتی قلزمِ تصویر میں

بیقراری سے مجھے الفت میں حاصل ہو سکوں
پائے دل موجِ پریشانی سے ہے زنجیر میں

دورِ گردوں میں کہاں ہو جائے آسائش امیر
سیر کو آتی ہے ویرانی ہر اک تعمیر میں

عاشقوں سے ہے ترقی حسن کی تنویر میں
جھینپ کے رخ سے رنگ اڑ آیا تری تصویر میں

قتل مجھ کو یاد ابرو میں ان آنکھوں نے کیا
ان ٹھگوں نے ملکے مارا کوچۂ شمشیر میں

غیر ممکن ہے دلِ حیراں میں ایسے دخلِ غیر
عکس پڑتا ہے کہاں آئینۂ تصویر میں

قتلِ عاشق قاتلوں کے واسطے ہے قوتِ روح
جب لہو چاٹا مزا دم آ گیا شمشیر میں

بیخبر میرے مآلِ مرگ سے ہے وہ حسیں
ہو کے یوسف ہے پریشاں خواب کی تعبیر میں

عشق ابرو میں جوان و پیر سب ہوتے ہیں قتل
رات دن چلتا ہے رستہ کوچۂ شمشیر میں

اپنی وحشت سے ہے روشن خانۂ زندانِ غم
مردمک ہے پانوں اپنا دیدۂ زنجیر میں

گرمیٔ خورشیدِ محشر سے انھیں کیا کام ہے
ہیں ترے کشتوں کی روحیں سایۂ شمشیر میں

کام آتی ہے جوانوں کے بہت تدبیرِ پیر
طاقتِ پرواز ہے زورِ کماں سے تیر میں

دھیان اس ابرو کا آیا عارضِ روشن کے بعد
دھوپ سے ہم اٹھ کے بیٹھے سایۂ شمشیر میں

جمع زر ممسک جو کرتا ہے ہوا ثابت ہمیں
اسکی قسمت میں نہیں ہے غیر کی تقدیر میں

زخمیوں کا کام نکلے کچھ تو اگے ناوک فگن ہے مناسب ہوں پر طاؤس تیرے تیر میں
کیا عجب ہے اُس رخ پر نور پہ نکلا جو خط جمع ہوتے ہیں پتنگے شمع کی تنویر میں

کب خزانہ غیب کا ملتا ہے بے قسمت امیر
چھانتا ہے خاک ناحق خواہش اکسیر میں

وطن کی یاد ہے لیل و نہار غربت میں یہی ہے ایک بڑی غمگسار غربت میں
شگفتگی کے ہوں سامان ہزار غربت میں پر ایک سی ہے خزان و بہار غربت میں
گل وطن کی جو بو لے چلی اُڑا کے مجھے لپٹ گئے مرے دامن سے خار غربت میں
عجب نہیں ہے جو ہو موجزن نسیم کرم دکھائیں خار گلوں کی بہار غربت میں
امید و بیم و غم و بیکسی و درد فراق یہی رفیق ہیں دو تین چار غربت میں
میں بوئے نافہ آہو کہ نکہت گل ہوں وطن میں صبر نہ مجھ کو قرار غربت میں
بچھا کے میں نے مصلا پڑھا دوگانہ شکر اگر ملا شجر سایہ دار غربت میں
وہ زار ہوں کہ میں زندہ ہوا زمیں میں دفن پڑا جو اڑ کے بدن پر غبار غربت میں
چراغ شام غریبی نے گل کھلائے نئے دکھائی صبح وطن کی بہار غربت میں
قرار گھر میں بیاباں میں اضطراب ہے کیوں وہی وطن میں وہی کردگار غربت میں
کبھی کبھی تو لکھو نامہ کوئی اہل وطن کہ بڑھ کے موت سے ہے انتظار غربت میں
تڑپ گیا صفت ابر یہ دل مضطر برس پڑا اگر ابر بہار غربت میں
کبھی نہ بھول کے اہل وطن نے یاد کیا نہ ہچکی آئی مجھے زینہار غربت میں

جو دوستان وطن نے دیئے ہیں داغ امیر
میں جانتا ہوں اُسے لالہ زار غربت میں

تڑپا ہیں جو آنکھوں کو پسند آگئیں آنکھیں دل لوٹ گیا چوٹ غضب کھا گئیں آنکھیں
کیا مست نگاہیں مجھے دکھلا گئیں آنکھیں دو جام تھے لبریز کہ چھلکا گئیں آنکھیں

مجروح ہوا ایک نظارے میں مرا دل
دو پھل کی کٹاری تھی کہ چمکا گئیں آنکھیں

آفت کی سفیدی تھی قیامت کی سیاہی
نیرنگ دو عالم مجھے دکھلا گئیں آنکھیں

اوروں سے تو بیباک سر بزم لڑا کیں
عاشق سے ہوئیں چار تو شرما گئیں آنکھیں

موسیٰ کی طرح تاب تجلی کی نہ آئی
ہم طور پہ پہونچے تھے کہ پتھرا گئیں آنکھیں

ہوں لاکھ زبانیں رہے پر مشق خموشی
پلکوں سے اشارے میں یہ سمجھا گئیں آنکھیں

معشوق کا جلوہ مجھے دل میں نظر آیا
صد شکر جسے ڈھونڈھتی تھیں پا گئیں آنکھیں

تیغیں تھیں کہ یارب مرے قاتل کی نگاہیں
بسمل کی طرح سے مجھے تڑپا گئیں آنکھیں

اُس فتنۂ دوراں نے جو دی آنکھ کو گردش
چکر کبھی آیا کبھی تیورا گئیں آنکھیں

اس ناز سے دیکھا کہ بہم کٹ گئے عاشق
ایک ایک کو ایک ایک سے لڑوا گئیں آنکھیں

ہے سوز غم عشق سے یہ سوز حرارت
رونے پہ دل اڈا تو مری آ گئیں آنکھیں

تا چند امیر اس چمنستان کا نظارہ
دل سیر سے اکتا گیا پتھرا گئیں آنکھیں

گم گشتہ دل کی تا کجا جستجو کریں
ہاں اور دل ملے تو تری آرزو کریں

فرقت میں سیر باغ کی کیا آرزو کریں
دل خون ہوا اگر کسی غنچے کو بو کریں

یارب وہ ذوق دے کہ ترے مست معرفت
مستی بغیر بادۂ جام و سبو کریں

دنیا سے ہاتھ دھو کے چلیں گو یار ہیں
جائز نہیں کہ طوف حرم بے وضو کریں

مغرب سے اٹھ کے تم سوئے مشرق جو آرہو
مردوں کو دفن پھر نہ کبھی قبلہ رو کریں

بوسہ جو چار ابروئے محبوب کا ملے
کعبے میں سجدہ آٹھ پہر چار سو کریں

قدرت خدا کی اشک مسلسل بہائیں ہم
مالے کے موتیوں کو وہ زیب گلو کریں

ملتے ہیں ہاتھ دیکھ کے صبح شب وصال
یہ چاک وہ نہیں ہے کہ جسکو رفو کریں

گلزار کو جو آپ سے اذن ثنا ملے
پتے بنیں زبان شجر گفتگو کریں

دامن ہے چاک چاک گریباں ہے تار تار — کس کس جگہ لباس ہم اپنا رفو کریں
میں بھی تو خاک راہ کسی گلبدن کا ہوں — سونگھیں نہ گل حسیں مری مٹی کی بو کریں
ہم سے جو بت خفا ہیں تو نا مہرباں خدا — کعبے کا قصد دیر کی کیا آرزو کریں
میں دست روزگار میں تیغ اصیل ہوں — جوہر شناس ہوں تو مری آبرو کریں
نیچی نظر حیا سے کریں کیا وہ جنگجو — جو اک نظر میں خون ہزار آرزو کریں

پلکوں سے وہ اسیر لیا کرتے ہیں سلام
جس طرح گنگ انگلیوں سے گفتگو کریں

مجروح ہوں پہ جو چشم کرم جنگ جو کریں — سوزن خم ایک تار نظر سے رفو کریں
منہ پر جو گرد آہ پڑے شست و شو کریں — اتنی تو میرے اشک مری آبرو کریں
جو لوٹتے ہیں ایک نظر میں وہ اور ہیں — بہکیں نہ ہم جو نوش سبو کے سبو کریں
دیوانگی کا سلسلہ طاعت میں بھی نہ جائے — پہلے پڑھیں نماز تو پیچھے وضو کریں
تار نگاہ دیدۂ یعقوب اگر ملے — ہم چل کے چاک دامن یوسف رفو کریں
ہوں مست معرفت مجھے کب ہے دماغ مے — ٹھہرے نہ میرے سامنے جام و سبو کریں
انسان ہو کے ہم رہیں محروم اے فلک — سبزے کی سیر سر و لب آب جو کریں
ہم میکشوں کو کام شراب و گزک سے ہے — قرآں پڑھیں تو ورد کلو و اشربو کریں
ملنے نہ ملنے سے ہمیں کیا کام ہے کام — جبتک کہ دم میں دم ہے تری جستجو کریں
زاہد ترے فرشتوں کو یہ دن نہیں نصیب — جنت سے حور آئے جو ہم آرزو کریں
ثانی نہ میرے یار کا پائیں یہ مہر و ماہ — برسوں چراغ لیکے اگر جستجو کریں
مرنے کے بعد بحث کو آئے ملک تو کیا — کچھ حوصلہ اگر ہو تو اب گفتگو کریں
جبتک کہ دل ہے چاہیے ہمکو تری تلاش — جبتک چلے زبان تری گفتگو کریں
کب زاہدوں کو مسئلہ عشق کا ہے فہم — نامحرموں سے راز کی کیا گفتگو کریں

یا وہ مست باغ ہیں لکّے سحاب کے — کہدو کہ جام لالہ و گل شست و شو کریں
چوری ہے کب ثبوت مرے نقد ہوش کی — مفتی شہر قطع نہ دست سبو کریں
شوق سجود ہے نہ محراب تیغ اگر — آب بقا سے خضر و سکندر وضو کریں

ہے غنچہ ساں بہار خموشی میں اے امیر
بلبل کی طرح باغ میں کیا ہاؤ ہو کریں

جیتے جی جان سے گذرتے ہیں — مرنے والوں پہ ہم تو مرتے ہیں
کچھ نہ پوچھو کہ ہاتھ خالی ہے — ہم تو دن زندگی کے بھرتے ہیں
دل ٹھہر جائے یہ امید نہیں — ایسے بگڑے کہیں سنورتے ہیں
کس سے چوری اگر خدا سے نہیں — سچ ہے زاہد بتوں پہ مرتے ہیں
لکھتے ہیں روز خط رقیبوں کو — روز پرچے ہمیں گذرتے ہیں
مل گیا گھاٹ تیغ قاتل کا — اب کوئی دم میں پار اترتے ہیں

چاہتے ہیں تو اک نظر میں امیر
مہر ذرے کو بھی وہ کرتے ہیں

یہ چرچے یہ صحبت یہ عالم کہاں — خدا جانے کل تم کہاں ہم کہاں
جو خورشید ہو تم تو شبنم ہیں ہم — ہوئے جلوہ گر تم تو پھر ہم کہاں
حسیں قاف میں گو کہ پریاں بھی ہیں — مگر ان حسینوں کا عالم کہاں
الٰہی ہے دل جائے آرام غم — نہ ہوگا جو یہ جائے گا غم کہاں
کہوں اس کے گیسو کو سنبل میں کیا — کہ سنبل میں یہ پیچ یہ خم کہاں
وہ زخمی ہوں ہیں زخم ہیں بے نشاں — الٰہی لگاؤں میں مرہم کہاں

زمانہ ہوا غرق طوفاں امیر
ابھی روئی یہ چشم پرنم کہاں

شہر سے جو دور دور ہماری فغاں کے ہیں — دہشت سے ہوش اُڑ گئے ہفت آسماں کے ہیں
ظاہر میں ہم فریفتہ حسن بتاں کے ہیں — پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں
یاران رفتہ سے کبھی جا ہی ملینگے ہم — آخر تو پیچھے پیچھے اسی کارواں کے ہیں
گھبرا کے جب فراق میں مانگی دعائے وصل — آئی صدا یہی تو مقام امتحاں کے ہیں
سات آسماں کو توڑ کے تا عرش جا چکا — اے تیر آہ بس اب ارادے کہاں کے ہیں
ٹھکرا کے میرے سر کو وہ کہتے ہیں ناز سے — لو ایسے مفت سجدے مرے آستاں کے ہیں
مر کر بھی اس سے ہم کو تعلق وہی رہا — تختے لحد میں پیر مغاں کی دکاں کے ہیں
ڈوبے ہوئے لہو میں نظر آئیں کیوں نہ گل — سینچے ہوئے مرے مژہ خوں فشاں کے ہیں
شکوہ شب وصال میں تا چند چپ بھی ہو — اے دل نکالے تو نے یہ جھگڑے کہاں کے ہیں
ناوک فگن حجاب یہ ترے عارضوں کی ہو — دو آئینے لگے ہوئے گھر میں کماں کے ہیں
طاقت ہماری گھٹ گئی ہمت نہیں گھٹی — پیچھا کریں تو آگے ہی عمر رواں کے ہیں
دنیا میں بھی سفر میں عقبےٰ میں بھی سفر — ہم لوگ رہنے والے الٰہی کہاں کے ہیں
روشن چراغ برق سے رہتا ہے رات بھر — چمکے ہوئے نصیب مرے آشیاں کے ہیں
خنجر کو چوس چوس کے کہتے ہیں میرے زخم — ظالم مزے بھرے ہوئے تجھ میں کہاں کے ہیں
اے ہمت بلند ابھی تو کمی نہ کر — جلوے جو خاص ہیں وہ اُدھر لامکاں کے ہیں
یاں جان پر بنی ہے تجھے ہیں اٹکاوٹیں — اے تیغ یار چل بھی یہ غمزے کہاں کے ہیں
وہ اور وعدہ وصل کا قاصد نہیں نہیں — سچ سچ بتا یہ لفظ انھیں کی زباں کے ہیں
اُس مہوش کو کیا میں لکھوں شرح اشتیاق — اے کلک کل یہ سات ورق آسماں کے ہیں
بلبل کو شوق گل تھا نہ قمری کو عشق سرو — سارے یہ گل کھلائے ہوئے باغباں کے ہیں
ان ابروؤں سے حضرت دل روز سامنا — کہیے تو ایسے آپ بہادر کہاں کے ہیں
سمجھے یہ ہم جو خلد میں حور آ گئی نظر — شاید ابھی مقام میں ہم امتحاں کے ہیں

اس طفل تند خو سے جو ملتا ہوں اے امیر
کہتے ہیں لوگ ڈھنگ بُرے اس جوان کے ہیں

دل و جگر دونوں جل گئے ہیں ذرا نگاہیں جہاں ملی ہیں — تمہارے سرمہ میں آ کے تو کیا ایسی ہوئی بجلیاں ملی ہیں
مجال میری نہیں یہ اے دل کہ مانگوں بوسہ لب و دہن کا — ہزاروں دیں ہیں دعائیں میں نے تب ایسی کچھ گالیاں ملی ہیں
ہمیں تو نغمہ پسند آیا ہے نغمہ سنجانِ بوستاں کا — سنے نہ دیکھے یہ حلق تالو صدائیں اے باغباں ملی ہیں
زمیں میں گڑ کر جو لطف اٹھایا ادا ہو کس طرح شکر اسکا — کبھی نہ پائیں تھیں زندگی میں وہ راحتیں جو یہاں ملی ہیں
خدا نے وہ سلطنت عطا کی کہ شش جہت میں ہے جسکا شہرہ — وسیع ملکِ سخن ہے اپنا حدیں کہاں سے کہاں ملی ہیں
اسیر گیسو کے ہو رہے ہیں جب سے ہوئے ہیں آزاد قید غم سے — نہ کیوں ہوں اپنے جنوں کے صدقے کہ ہمکو یہ بیڑیاں ملی ہیں

امیر رہتا تھا جس جگہ پر وہاں کل اک ڈھیر خاک کا تھا
وہ خاک چھانی تو ریزہ ریزہ جلی سی کچھ ہڈیاں ملی ہیں

نہاں رہتا ہے آئینے سے وہ بیگانہ خو برسوں — حیا دیکھو نہیں آتا ہے اپنے روبرو برسوں
رہی اے گل سبک روحوں کو تیری جستجو برسوں — پھرا کی کو بکو پیراہنِ یوسف کی بو برسوں
فلک دیتا ہے مثل زخم کس کو فرصتِ راحت — جو کچھ ہنستا ہے ہنس لے پھر تو روئیگا لہو برسوں
دل شفاف میں دیکھا ہے جلوہ روئے حیراں کا — رہے ہیں اے سکندر یوں ہم اپنے روبرو برسوں
کہاں ہمسا ہے کوئی مرد میداں دشت وحدت میں — کیا ہے خموشی کی زباں سے ذکر ہو برسوں
سراپا جرم ہوں لیکن وہ رند پاک طینت ہوں — کیا زاہد نے میرے آب خجلت سے وضو برسوں
خدا کے گھر سے او ناشاد کوئی جا کے پھرتا ہے — عجب کیا گر نہ نکلے تیرے دل سے آرزو برسوں
فراقِ یار میں سب دوستوں نے مجھ سے منہ موڑا — شریکِ رنج بھائی رہا اے درد تو برسوں
مری حالت پہ ہجر یار میں مر مر گئی حسرت — دل مایوس سے روئی لپٹ کر آرزو برسوں
جھکاتے ہم کہاں تک سر نہ پائے خم پہ اے ساقی — حمائل اپنی گردن میں رہا دستِ سبو برسوں
جنوں میں یہ تری بخیہ گری کی دستِ وحشت نے — کیا ہے پھاڑ کر دامن گریباں کو رفو برسوں

تمہاری اک نگاہ ناز نے توڑے اشارے میں
بنایا چشم و دل نے جو طلسم آرزو برسوں

ہلائے جس نے لب اک ہاتھ مارا اڑ گئی گردن
زبان تیغ سے اس ترک نے کی گفتگو برسوں

ہوا ہوں آتشِ رنگ حنا سے خاک میں جلکر
مری مٹی سے آئیگی گلِ عشرت کی بو برسوں

کہاں ہونگی امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

کریگا یاد اے غم ہمکو بعد مرگ تو برسوں
کھلایا ہے جگر برسوں پلایا ہے لہو برسوں

تڑپ کر دل نے میرے مدتوں رسوا کیا مجھکو
بہا کر اشک آنکھوں نے ڈبوئی آبرو برسوں

گداز عشق مثل شمع ہر مو سے ہوا ظاہر
پسینا بنکے ٹپکا جسم سے میرے لہو برسوں

مزہ یہ ذبح میں پایا کہ کرتا ہے دعا بسمل
رہے یونہی الٰہی ربط شمشیر و گلو برسوں

کوئی میرے برابر کیا کریگا ضبط الفت کو
نہیں آتا زباں تک دل سے حرف آرزو برسوں

فنا کے بعد ایسے بیکسوں کو کون پوچھے گا
مگر اے بیکسی رویا کرے گی مجھکو تو برسوں

چھپائے منہ اگر وہ یوسف گل پیرہن تو بھی
چمن کا منہ نہ دیکھے کاروان رنگ و بو برسوں

نہیں اے بیکسی بعد فنا کچھ خوف تنہائی
رہیگا میری تربت پر ہجوم آرزو برسوں

رہائی حلقۂ گیسو سے جیتے جی تو کیا ممکن
موئے پر بھی نہ اتریگا مرا طوق گلو برسوں

نہ چھوڑا پاس ایماں حق پرستی اسکو کہتے ہیں
رہ شوق بتاں میں بھی چلے ہم قبلہ رو برسوں

مزا اے لیکے رگڑا ہی گلا شمشیر قاتل سے
بر آئے غم ہم ہنس ہنس کے روئے ہیں لہو برسوں

نہ آیا ساقیٔ پیماں شکن ہم سرو کی صورت
قدم کو گاڑ کر بیٹھے کنار آب جو برسوں

وہ بلبل ہوں کہ یوں صیاد نے جی بھر کے بہلایا
لگایا ڈھیر پھولوں کا قفس کے روبرو برسوں

نہ کر اے یاس یوں برباد میرے خانۂ دل کو
اسی گھر میں جلایا ہے چراغ آرزو برسوں

کبھی ہمکو بھی تھا اے درد دعویٰ ضبط الفت کا
پلٹ جاتے تھے نالے دل سے آکر تا گلو برسوں

امیر اس بے نشاں تک سعی سے کوئی جو جا سکتا
تو کیسے پانوں ہم آنکھوں سے کرتے جستجو برسوں

رہے تصویر حیرانی ہم ان کے روبرو برسوں / لب خاموش سے کی درد دل کی گفتگو برسوں

نہیں نکلی ہے دل سے مرے انکی آرزو برسوں / یہ وہ گل ہے کہ مرجھانے پہ بھی دیتا ہے بو برسوں

کوئی گاہک نہ ٹھہرا دل کا بازار محبت میں / پھرے ہم بیچتے یوسف کو اپنے چار سو برسوں

نہ ہوگا باوفا مے خوار اے پیر مغاں ہم سا / گھٹا کر خوں بڑھائی دختِ رز کی آبرو برسوں

رہے مر کر بھی یارب میکدے میں دور مستوں کا / بنائے جائیں انکی خاک سے جام و سبو برسوں

یہ کس تیغ نگاہ ناز نے زخمی کیا مجھ کو / کہ آئی میرے زخموں سے بھی بوئے نازبو برسوں

چلے تھے ایکدن ٹھکرا کے ساغر کو مستوں نے / کیے سر زاہدوں کے کاٹ کر نذر سبو برسوں

رہیں کیونکر نہ توصیف دہن میں دم بخود شاعر / جگہ کچھ بھی اگر پاتے تو کرتے گفتگو برسوں

پسیجا دل نہ اسکا بھی کبھی تیری طرح قاتل / کیا خنجر سے ہم نے شکوۂ درد گلو برسوں

صدف سے جب یہ نکلے شرم آئی تیرے دانتوں سے / گرہ میں باندھ رکھی موتیوں نے آبرو برسوں

ہماری آنکھ نے کیا جانے کس حسرت سے دیکھا تھا / کہ تیغ یار روئی چشم جوہر سے لہو برسوں

زباں اظہار حق سے کافر نہیں کوئی رکتی ہے / خدا کی حمد کی ہم نے بتوں کے روبرو برسوں

لگایا دخت رز کو منہ نہ میں نے بجز ساقی ہیں / بہت طاقوں پہ سر ٹپکا کیے جام و سبو برسوں

ہوا یہ قحط آب آتشیں ساقی کی فرقت میں / رہا ورد دعائے توبہ ہم کو بے وضو برسوں

تصور کب گیا دلسے مرے مژگان جاناں کا / کھٹکتا ہی رہا آنکھوں میں روز ایک یا یہ برسوں

امیر اک مصرع تر بت کہیں صورت دکھاتا ہے
بدن میں خشک جب ہوتا ہے شاعر کا لہو برسوں

بے حجابانہ مرے گھر جو وہ آجاتے ہیں / ایک تصویر در دل پہ لگا جاتے ہیں

طرفہ شوخی ہے اگر طور پہ آجاتے ہیں / ہوش وہ برق تجلی کے اڑا جاتے ہیں

دم کے دم کو مرے پہلو میں جو آجاتے ہیں / دل لگانے کی جگہ تیر لگا جاتے ہیں

پتلیاں تک بھی تو پھر جاتی ہیں دیکھو دم نزع / وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ پہ آجاتے ہیں

یہ بھی ایما ہے کہ غصہ نہیں اُترا اب تک
جائے گل قبر پہ تیوری جو چڑھا جاتے ہیں

کرتی ہے تیغ قضا ڈھونڈ کے انکو چورنگ
چوٹ شمشیر ادا کی جو بچا جاتے ہیں

یاد آتا ہے جو ہنس ہنس کے رُلانا میرا
چار آنسو مری تربت پہ بہا جاتے ہیں

ساغر زہر ہلاہل بھی جو دیتا ہے فلک
یاد ساقی میں بلانوش چڑھا جاتے ہیں

کیا نئی ہیں عدم آباد کے جانے والے
نقد جاں پہلی ہی منزل میں لٹا جاتے ہیں

جب پلٹ جاتے ہیں وہ ہاتھ کمر پہ رکھ کر
جادۂ ملک عدم مجھ کو بتا جاتے ہیں

اور سمجھا کے کریں کیا ادھر آنے والے
مارے غیرت کے زمیں میں تو سما جاتے ہیں

کسلئے کوچے سے یہ آتے ہیں ہوا کے جھونکے
کہ مری شمع لحد روز بجھا جاتے ہیں

جو ترے دلمیں ہے وہ دیکھنے والے تیرے
نگہ ناز کے انداز سے پا جاتے ہیں

کیسے چالاک ہیں یہ ترک کہ کرتے ہی نگاہ
سر پہ تلوار سے آنکھوں میں لگا جاتے ہیں

گل سے مطلب ہمیں گلشن میں نہ بلبل سے غرض
سیر کرنے کو کبھی باغ میں آجاتے ہیں

گو نکل جاتے ہیں آآ کے گھٹا کے لکے
ساقیا دل تو یہ مستوں کے بڑھا جاتے ہیں

سادہ آئینہ رخوں کو نہ سمجھنا اے دل
کہتے مطلب کی تہ صاف اُڑا جاتے ہیں

ہیزم خشک سمجھتے ہیں مجھے کیا ہمدرد
راہ چلتے ہوئے جو آگ لگا جاتے ہیں

پرتیغ ہیں آندھی ہیں مٹانیکو حسیں دل کیلئے
جو گھروندا یہ بناتا ہوں مٹا جاتے ہیں

ہیں خریدار اگر ہوں تو نگہ کا ان کی
تیغ کیوں میرے گلے سے وہ لگا جاتے ہیں

حسن کی شان کو ہے بوقلمونی لازم
کیا کہوں کیسے وہ نیرنگ دکھا جاتے ہیں

ملک الموت کبھی بن کے سلا دیتے ہیں
فتنۂ حشر کبھی بن کے جگا جاتے ہیں

کیا بلا ہو کے وہ گیسو مجھے لپٹے ہیں امیر
آنکھ ہو بند تو دل پر مرے چھا جاتے ہیں

میں الفت کے وہ حسن کے جوش میں
نہ میں ہوش میں ہوں نہ وہ ہوش میں

ٹپک کر وہ زلف آئی ہے تا کمر — کہ لیلیٰ ہے مجنوں کے آغوش میں
نہ اٹھو ابھی بزم سے مے کشو — ہیں بھی تو آ لینے دو ہوش میں
نکل آنکھ سے اشک ٹھہرا ہے کیا — گہر ہو کبھی اس بنا گوش میں
کہیں لعل ہم کیا لب یار کو — کہ ہے فرق گویا و خاموش میں
قدم پر جو گرنے لگا غش میں ہیں — کہا ہٹ کے آؤ ذرا ہوش میں
بہت دختر رز سے گرمی نہ کر — کہیں آئے واعظ نہ وہ جوش میں
نہ کر ساقیا اب تو قحط شراب — نہیں جالی رند قدح نوش میں

پلا وصل میں مے نہ ان کو امیر
مزہ کیا رہے جب نہ وہ ہوش میں

میکش کے دل کے راز کسی پر عیاں نہیں — شیشے کو دیکھ لو کہ دہن ہو زباں نہیں
عالم میں اُس کے حسن کا جلوہ کہاں نہیں — فانوس کا بھی شمع سے خالی مکاں نہیں
موجود خشت خم ہے اگر نردباں نہیں — اتنی تو مے فروش کی اونچی دکاں نہیں
کرتے ہو انکسار کی باتیں یہ آج کیا — میرا بیان ہے یہ تمہارا بیاں نہیں
مردہ جو تجھ غریب کا بے گور رہ گیا — دو گز بھی کیا زمیں تہ آسماں نہیں
اک جور وش کی خانۂ زنداں میں ہے جو یاد — موجیں نسیم خار کی ہیں یا شرار یاں نہیں
کیا کیا کریں گے قتل نکھرتے تو دو انھیں — پنہاں ہو تیغ زنگ میں جوہر عیاں نہیں
کیا باغباں کا ڈر کہیں ہوں طائر اثر — جز شاخ نالہ اور کہیں آشیاں نہیں
چشم سیاہ یار کے اتنے گئے ہیں وصف — ہے میل سرمہ منہ میں ہمارے زباں نہیں
طوطی ہوا جو کل سگ جاناں کا بولنا — لذت میں نیشکر ہیں مرے استخواں نہیں
مرقد میں بھی نصیب کی گردش وہی رہی — سمجھے تھے ہم زمیں کے تلے آسماں نہیں
بالیدہ اُسکے آنے سے ایسا ہوا چمن — ساقی وہ کون شیشہ ہے جو آسماں نہیں

زنداں چمن ہے وحشی نازک مزاج ہوں
پھولوں کی بدھیاں ہیں مری بیڑیاں نہیں

آنکھوں سے ہم تو ساعد جاناں کے گرد ہیں
حلقے ہماری آنکھوں کے ہیں چوڑیاں نہیں

ہوں اس چمن میں طائر کم پر تو کیا ہوا
صیاد ابھی ہے دور بلند آشیاں نہیں

لذت جو آبلے نے اُٹھائی ہے خار کی
کیونکر بیاں کرے کہ دہن ہے زباں نہیں

پیری میں اور بھی مجھے زینت ہوئی نصیب
اُتو قبائے تن پہ ہے یہ جھریاں نہیں

ادنیٰ یہ فیض ہے سخن آبدار کا
موتی صدف میں ہے مرے منہ میں زباں نہیں

ایذا کا خوف صاحب تمکیں کو کیا امیر
نشتر سے آشنا رگِ سنگِ گراں نہیں

مرتبہ تیغ ادا کا وہی بسمل سمجھیں
زیست کو مرگ مسیحا کو جو قاتل سمجھیں

قاتلوں سے کہو سر کاٹ کے مغرور نہ ہوں
اپنے سر کو بھی تہ خنجر قاتل سمجھیں

اے پری ان کے لیے فکر سلاسل ہے عبث
جو تری زلف مسلسل کو سلاسل سمجھیں

اک تجلی میں جو موسیٰ سے ہو طالب کا یہ رنگ
اور پھر کسکو وہ دیدار کے قابل سمجھیں

جانِ جاں جسکو کہے جان اُسے ہم جانیں جاں
دلربا جسکو کہے دل اُسے ہم دل سمجھیں

لاکھ دو لاکھ میں شاید کہ اُٹھے ایک کا پانوں
عاشق اتنی جو کڑی عشق کی منزل سمجھیں

زندگی یار کے اور موت ہے اللہ کے ہاتھ
کسکو آسان کہیں ہم کسے مشکل سمجھیں

آشنا درد سے کچھ ہوں جو بتانِ بیدرد
میری ہر آہ کو اک مصرع بے دل سمجھیں

کیا کسی دل کے تڑپنے پہ انہیں رحم آئے
رقص بسمل کو جو آرائشِ محفل سمجھیں

بت میں بھی دیکھتے ہیں نور خدا کا جلوہ
واعظو حق کسے جانیں کسے باطل سمجھیں

اپنے ہاتھ اپنا گلا کاٹ کے خود بسمل ہوں
کچھ بھی لذت جو تڑپنے کی یہ قاتل سمجھیں

زخم کا ذکر تو کیا ضد ہے یہاں تک مجھ سے
زہر دیں بوسۂ خط کا جو وہ سائل سمجھیں

آپ پیری و جوانی پہ نہ جائیں صاحب
دل عاشق کو یہ دستور وہی دل سمجھیں

گھر کریں دل میں وہ شرماتے ہیں کیوں آنکھوں سے — اس کو محمل تو انھیں پردۂ محمل سمجھیں

یوں تو ہر غنچۂ گل شکل صنوبر ہے امیرؔ
جسمیں کچھ درد کی بو آئے اسے دل سمجھیں

کس طرح موت کو آساں نہ وہ بسمل سمجھیں — تیغ کو تیغ جو قاتل کو نہ قاتل سمجھیں
آبلے دیکھیں کریں میرے تحیر پہ نظر — ہمہ تن چشم وہ مجھ کو ہمہ تن دل سمجھیں
پیچ قسمت نے دیئے ہیں یہ اسیر غم کو ترے — موج گل بھی اگر آجائے سلاسل سمجھیں
کھینچ کر تیغ ہی آئیں وہ کہیں آئیں تو — نہ جلائیں نہ سہی قتل کے قابل سمجھیں
جلد لے لیں کہیں اسکو بھی فراغت ہو جائے — وہ مری جان کو بھی کاش مرا دل سمجھیں
حوریں بن بنکے ہیں رہ میں تہ خاک کی نکلیں — خلد سمجھیں کہ اسے کوچۂ قاتل سمجھیں
بے مزہ عفو گنہ کا انھیں کچھ دور نہیں — بیگناہوں کو جو تعزیر کے قابل سمجھیں
دور ساقی میں ہے یہ ربط شکست دل میں — ٹوٹ کر چور ہو شیشے کو اگر دل سمجھیں
دل جو انگاروں پہ لوٹے تو وہ کیوں شاد نہوں — شمع و پروانہ سے جو گرمیِ محفل سمجھیں
پانی ٹپکائیں دم نزع نہ منہ میں احباب — تشنۂ آب دم خنجر قاتل سمجھیں
بسمل ناز ادا ہم سے کہاں ہوتے ہیں — رک کے گر تیغ چلے غمزۂ قاتل سمجھیں
اتنے خود بیں نہوں یارب کہیں توڑیں اسکو — آئینے کو یہ حسیں کاش مرا دل سمجھیں
ہمہ تن داغ ہوں میں لالے کا تختہ ہے بدن — لالہ رو کاش مجھے سیر کے قابل سمجھیں
ذبح کے دم جو پڑے تیغ کے پانی پہ نظر — ہم وہ بسمل ہیں کہ گردن میں حمائل سمجھیں
مُردے کچھ کم نہیں زندوں سے زمیں کے نیچے — غافلوں سے کہو محفل تہ محفل سمجھیں

لے اڑے گر طرف باغ فنا ہم کو امیرؔ
نالۂ دل کو پر طائر بسمل سمجھیں

دامن رحمت اگر آیا ہمارے ہاتھ میں — پھول ہو جائینگے دوزخ کے شرارے ہاتھ میں

گل تمہارے چھلوں کے ہیں آ گئے جو ہمارے ہاتھ میں / باغ الفت کا ہے گلدستہ ہمارے ہاتھ میں

پوچھتے ہو کس سے جو چاہو کرو مختار ہو / دل تمہارے ہاتھ میں ہے یا ہمارے ہاتھ میں

اے پری افشاں چھڑکنے کا جو تجھ کو شوق ہو / زہرہ دوڑے آسماں سے لیکے تارے ہاتھ میں

لطف اٹھے سیر ساحل کا شب مہتاب میں / ہاتھ اسکا ہو جو دریا کے کنارے ہاتھ میں

ہم وہ مجرم ہیں کہ دوزخ ہمکو خس خانہ ہوا / حوریں دوڑیں لیکے جنت سے ہر اک کے ہاتھ میں

ہم بہت لاغر ہیں پہنا دے نہ ہم کو ہتھکڑی / ڈال دو چھلا کوئی اپنا ہمارے ہاتھ میں

انگلیاں شوخی سے چمکاتا نہیں وہ رقص میں / یہ سمند ناز بھرتا ہے طرارے ہاتھ میں

جام کیسا جام چلو کو بنا سکتے نہیں / ہے تہیدستی سے رعشہ بھی ہمارے ہاتھ میں

ناز سے کہتے ہیں رکھ کر اپنی آنکھوں پر وہ ہاتھ / دیکھو یوں نخچیر ہوتے ہیں چکارے ہاتھ میں

آتشیں رنگ حنا بھی ہے عجب معجز نما / ہے ضیا مثل کف موسیٰ تمہارے ہاتھ میں

کیا نزاکت ہے جو توڑا شاخ گل سے کوئی پھول / آتش گل سے پڑے چھالے تمہارے ہاتھ میں

حلقۂ گیسوے جاناں وہ بلا ہے اے امیر
چھپ رہی ہیں مچھلیاں دہشت کے مارے ہاتھ میں

کھائی شکست گل نے اس گل سے یہ چمن میں / اب تک ہے ٹکڑے ٹکڑے جو عضو ہے بدن میں

ہیں جسم و دل ٹھکانے جبتک ہے روح تن میں / کیا مصحف آرسی ہے دولہا میں اور دلہن میں

ہے چیں سخن پہ یہ ایما ابروے ماہ نو کا / کچھ کچھ خمیدگی بھی لازم ہے بانکپن میں

غصے سے یاد اس نے مجھ کو کیا ہے شاید / جو ساتھ ہچکیوں کے رعشہ بھی ہے بدن میں

بڑھتی ہے عمر جتنی ہوتی ہے عقل افزوں / ہر دم نیا مزہ ہے اس بادہ کہن میں

یمن قدم سے تیرے بالیدگی ہے ایسی / جو شمع ہے لگن میں شمشاد ہے چمن میں

ہے جمع مال آفت دیکھا نے بخیل غافل / کیسے کا باندھتے ہیں کس کر گلا رسن میں

کیا جانیے کہ چھوڑا پھولوں نے کیا شگوفہ / بلبل پکارتی ہے صیاد کو چمن میں

شیخ حرم اگر تو جلوہ بتوں کا دیکھے — کعبے سے اٹھ کے بیٹھے پہلوئے برہمن میں
دیوانگی بھی غافل گدڑی فقیر کی ہے — ہشیار بھی ہیں اکثر مستوں کے پیرہن میں
دیبا حریر قاقم تھا رخت خواب جن کا — زیر لحد پڑے ہیں لپٹے ہوئے کفن میں
داغ جگر کا پھاہا جل کر دہیں چھڑائیں — یہ بھی کنول ہو روشن اس گل کی انجمن میں
سن لے جو بتکدے میں اس گل کی آمد آمد — چھپتا پھرے ہر اک بت دامان برہمن میں
کیا تکمۂ گریباں انگور کا ہے دانہ — رنگ شراب گلگوں ہو اس کے پیرہن میں
میں نفس کے ہوں درپے ہے نفس میرے درپے — رہزن کو فکر میری میں فکر راہزن میں
کنعاں کے چاہ میں تھا یوسف کو ہول کیا کیا — جب جانتے کہ گرتے تیرے چہ ذقن میں

یاران رفتہ کا ہے غم اے امیر ناحق
چھوٹے ہوئے سفر کے ملجائیں گے وطن میں

سمجھا یہ میں جو نکلے شاخوں سے گل چمن میں — صوفی نکل کے بیٹھے خلوت سے انجمن میں
ہے باغ باغ بلبل جس طرح تو چمن میں — پھرتے تھے یونہی ہم بھی خوش خوش کبھی وطن میں
اس بت نے منہ چھپایا گیسوئے پرشکن میں — اے دل خدا خدا کر خورشید ہے گہن میں
آزادہ رہ کے ہم نے ایام عمر کاٹے — دو چار دن سفر میں دو چار دن وطن میں
ظاہر پہ جان اس کے ہے پیر زال دنیا — غافل ہے یہ زلیخا یوسف کے پیرہن میں
آواز کن جو آئی کانوں میں ہم یہ سمجھے — غربت پکارتی ہے بس رہ چکے وطن میں
حال بدن کہوں کیا دل ہی بجھا ہوا ہے — اک شمع ہے سو وہ بھی خاموش انجمن میں
کیا جانیں جز خموشی تیرے گرفتہ خاطر — کہنے کو سو زبانیں ہیں غنچے کے دہن میں
یاروں سے انس کیسا غربت میں گر گزری — ٹھہرے مسافرانہ دو چار دن وطن میں
راتوں کو مثل شبنم چھپ چھپ کے باغباں سے — ہر پھول سے لپٹ کر روتا ہوں میں چمن میں
غربت میں ہے جو صورت خط میں لکھوں کہاں تک — تصویر اپنی بھیجوں احباب کو وطن میں

فرقت میں عیش کیسا شیشے کی طرح ساقی
رو رو کے دل میں خالی کرتا ہوں انجمن میں

گھل گھل کے بہ گئے ہیں فرقت میں سارے اعضا
مثلِ حباب باقی ہے سانس پیرہن میں

موئے سفید سر پہ تیاری عدم ہے
غربت سے خاک اڑاتے جاتے ہیں ہم وطن میں

سنبل نے روز فرقت پھانسی گلے میں ڈالی
سولی پہ مجھ کو کھینچا شمشاد نے چمن میں

عشق دہن میں تیرے منہ سے یہ خون ڈالا
ابتک لہو بھرا ہے ہر غنچے کے دہن میں

چھیڑے صبا نہ اتنا کہدو میں کو گل ہوں
جا کر چمن سے مجھ کو آنا نہیں چمن میں

کس وقت ہوں پشیماں کرونٹ چاٹتا ہوں
جب دانت تک نہیں ہیں باقی مرے دہن میں

وحشت اسیر اپنی کچھ آج سے نہیں ہے
مانند گل ازل سے ہے چاک پیرہن میں

ہم جو مست شراب ہوتے ہیں
ذرے سے آفتاب ہوتے ہیں

ہو خرابات صحبت واعظ
لوگ ناحق خراب ہوتے ہیں

کیا کہیں کیسے روز و شب ہم سے
عمل ناصواب ہوتے ہیں

بادشہ ہیں گدا گدا سلطان
کچھ نئے انقلاب ہوتے ہیں

ہم جو کرتے ہیں میکدے میں دعا
اہل مسجد کو خواب ہوتے ہیں

وہی رہ جاتے ہیں زبانوں پہ
شعر جو انتخاب ہوتے ہیں

کہتے ہیں مست رند سودائی
خوب ہم کو خطاب ہوتے ہیں

آنسوؤں سے اسیر ہیں رسوا
ایسے لڑکے عذاب ہوتے ہیں

کچھ خار ہی نہیں مرے دامن کے یار ہیں
گردن میں طوق بھی تو لڑکپن کے یار ہیں

سینہ ہو کشتگان محبت کا یا گلا
دونوں یہ تیرے خنجر آہن کے یار ہیں

خاطر ہماری کرتا ہے دیر و حرم میں کون
ہم تو نہ شیخ کے نہ برہمن کے یار ہیں

کیا پوچھتا ہے مجھ سے نشاں سیل برق کا
دونوں قدیم سے مرے خرمن کے یار ہیں

کیا گرم ہیں کہ کہتے ہیں خوبان لکھنؤ
لندن کو جائیں وہ جو فرنگن کے یار ہیں

وہ دشمنی کریں تو کریں اختیار ہے
ہم تو عدو کے دوست ہیں یا دشمن کے یار ہیں

کچھ اس چمن میں سبزۂ بیگانہ ہم نہیں
نرگس کے دوست لالہ و سوسن کے یار ہیں

کانٹے ہیں جتنے وادی غربت کے اے جنوں
سب آستیں کے جیب کے دامن کے یار ہیں

گمگشتگی میں راہ بتاتا ہے ہم کو کون
ہے خضر جنکا نام وہ رہزن کے یار ہیں

چلتے ہیں شوق برق تجلی میں کیا ہے خوف
جیتے تمام وادی ایمن کے یار ہیں

پیری مجھے چھڑاتی ہے احباب سے امیر
دنداں نہیں یہ میرے لڑکپن کے یار ہیں

بے نشانی کو گذر خلد کے گلشن میں نہیں
داغ ہے ایک بھی زاہد ترے دامن میں نہیں

زار اے مرگ ہوں میں کچھ بھی مرے تن میں نہیں
کس سے الجھینگے فرشتے کوئی مدفن میں نہیں

سرو بے سایہ جو تجھ سا کوئی گلشن میں نہیں
طوق قمری کیطرح میری بھی گردن میں نہیں

کہہ دو آئیں نہ فرشتے مجھے خجلت ہوگی
ہے جگہ تنگ سمائی مرے مدفن میں نہیں

کیوں نہ خوش ہوں کہ بھرا ہے یہ مرے کینے سے
کہ مرے دوست کی بجائے دل دشمن میں نہیں

مرگ کے بعد بھی ہے تیرگی بخت ایسی
کہ کفن کی بھی سفیدی مرے مدفن میں نہیں

کیا مری طرح سے ہوگا ترا عاشق اے بت
تیلی پتھرائی ہوئی چشم برہمن میں نہیں

آب فوارہ صفت خاک لہو اچھلے گا
رگ جہندہ کوئی قاتل مری گردن میں نہیں

غم دوری کی نکالے دل عشاق سے پھانس
نوک ایسی مژۂ یار کی سوزن میں نہیں

میں وہ رہرو ہوں کہ ہے دست تہی زاد سفر
کچھ ندامت کے سوا قسمت رہزن میں نہیں

ہیں زمانے کی جو لذت سے بری عالی قدر
گزر برق کبھی ماہ کے خرمن میں نہیں

حور و غلماں میں جو ہے حسن بشر میں بھی وہ ہے
کم یہ تصویر کی رنگ میں روغن میں نہیں

دوڑتے ہیں دل عاشق کو سمجھ کر گنجشک
ابھی کمسن ہیں اُنھیں ہوش لڑکپن میں نہیں

بخت سے ہم کو وہ معشوق ملا سادہ مزاج
چین چولی میں شکن تک کہیں دامن میں نہیں

دونوں خواہاں تھے پڑے پہلے تجھی پر وہ تیغ
لاگ اور اسکے سوا کچھ سر و گردن میں نہیں

دولت حسن کو کیا دولت دنیا ہو تجے
جو چمک رنگ طلائی میں ہے کندن میں نہیں

ہوں وہ لاغر جو ملک آئے پئے مرگ امیر
پھر گئے دل میں یہ سمجھے کوئی مدفن میں نہیں

چھٹ کے بھی قید ہوں قوت جو مرے تن میں نہیں
کہ نشاں طوق کا ہے طوق جو گردن میں نہیں

خوف آفات جہاں کا دل روشن میں نہیں
دخل سیلاب کبھی ماہ کے خرمن میں نہیں

چشم نمناک نے اشکوں کا یہ مینھ برسایا
کہ کہیں گرد کدورت دل دشمن میں نہیں

پردہ بیجا ہے غم عشق کوئی چھپتا ہے
چشم خونبار نہاں گوشۂ دامن میں نہیں

دل جو صد چاک ہے اُسمیں ہے خیال رخ دوست
شاہد پردہ نشیں کون سی چلمن میں نہیں

اپنے چہرے کی سیاہی سبب اُسی کو دیتا
کیا کرے بخت مرا قابوئے دشمن میں نہیں

باغباں باغ کو کیا آکے خزاں نے لوٹا
کوئی گل ہیچ بھی دروازۂ گلشن میں نہیں

فاتحہ پڑھنے مری قبر پہ آئے کوئی کیا
طائروں کا بھی گذر گنبد مدفن میں نہیں

گرم آنسو ترے میخوار گرے ہیں اے ساقی
رانکو کرمک شب تاب یہ پیادن میں نہیں

بزم میخانہ ہے کیا انجمن ناز و نیاز
ہاتھ کس مست کے یاں شیشے کی گردن میں نہیں

دل کھنچے جاتے ہیں سب کے ترے بازو کی طرف
نقش حب کا کوئی تعویذ تو جوشن میں نہیں

کوچۂ عشق میں جا دیکھ فروغ رخ حسن
طور کس جا ہے اگر وادی ایمن میں نہیں

خندہ زن کیا ہے کہ طوق ایک ہے آہن ہو کہ زر
تیری گردن میں نہیں یا مری گردن میں نہیں

غور سے دیکھ لیا عاشق و معشوق ہیں ایک
خال عارض ہے سویدا دل روشن میں نہیں

کیا زمانہ ہے نہیں صاف کسی سے کوئی
دوست کے دل میں ہے وہ جو دل دشمن میں نہیں

اب یہ سنجیدگی طبع سے خالی ہے جہاں
مصرع سرو بھی موزوں کسی گلشن میں نہیں

میکشو شیشۂ مے کی ہو حفاظت لازم
دیکھو پتھر تو کوئی ابر کے دامن میں نہیں

واہ کیا تازہ مضامین ترے رنگیں ہیں امیر
رنگ ایسا کبھی فردوس کے گلشن میں نہیں

غم دنیا کا گذارہ مرے مسکن میں نہیں
اشک ماتم کی جگہ دیدۂ روزن میں نہیں

کونسا بل ہے جو زلف بت پرفن میں نہیں
زور ایسا کسی اڑتی ہوئی ناگن میں نہیں

اے جنوں خوب ہوا دور ہوئی قید لباس
شکر ہے طوق گریباں مری گردن میں نہیں

کسکی آمد ہوئی گھبرا کے جو کہتا ہے یہ زاغ
رخصت اے گل کہ گزارہ مرا گلشن میں نہیں

اے جنوں دست درازی کا ترے قایل ہوں
چاک ہے کون گریباں کا کہ دامن میں نہیں

چاہیئے کیا تجھے محشر میں کوئی اور گواہ
کیا مرے خون کا دھبا ترے دامن میں نہیں

کہتے ہیں وہ خط رخ جلد بنا اے حجام
کام اس سبز قدم کا مرے گلشن میں نہیں

ڈھونڈھ لو گرمی دل جا کے گراں جانوں میں
یہ شرر سنگ میں ہوگا اگر آہن میں نہیں

ہمہ تن ہو کے زباں کہتی ہے مقتل میں وہ تیغ
کون سا سر ہے جو مرے سایۂ دامن میں نہیں

آتش مے سے جو اٹھتا ہے دھواں کافی ہے
کسکو پروا ہے نہ ہو ابر جو گلشن میں نہیں

جانتا ہے مری خاطر کی کدورت وہ مہر
ذرہ خورشید سے پنہاں کسی روزن میں نہیں

کبھی زنداں کی طرف بھی وہ پری آ نکلے
اثر اتنا کسی زنجیر کے شیون میں نہیں

تیغ قاتل کا لب خشک ہو تر ذبح کے وقت
خون اتنا بھی ہماری رگ گردن میں نہیں

دور کر پیچ طبیعت سے کہ ہو سب کو عزیز
عقدۂ تار کی جا دیدۂ سوزن میں نہیں

تیرے بیتاب کو کیا سیر ہو گلشن کی پسند
آشیاں طائر سیماب کا گلشن میں نہیں

کشتۂ تیغ تحیر ہوں میں اس محفل میں
جان تصویر کے مانند مرے تن میں نہیں

کیوں لگاتے ہیں سر گور غریباں لوحیں
دفن لاشے ہیں دفینہ کسی مدفن میں نہیں

بزم میں جنکے رہا کرتی تھیں شمعیں روشن
سوجھتا کچھ انھیں تاریکی مدفن میں نہیں

تھی کبھی سایۂ دیوار مکاں ظلّ ہما
آشیاں جغد کا اب کونسے روزن میں نہیں

قتل کرتی ہے دوبارہ ہمیں شرم آن کی امیر
خم شمشیر ہے خم یار کی گردن میں نہیں

عالم پیری میں وہ یوسف لقا ملتا نہیں
صبح ہے خورشید روشن کا پتہ ملتا نہیں

وصل بت ہوتا نہیں ہے یا خدا ملتا نہیں
ڈھونڈھتے پر آدمی آئے تو کیا ملتا نہیں

حسن بے پردہ ہے عاشق کا پتا ملتا نہیں
فیض بخشی پہ کریم آیا گدا ملتا نہیں

اے امیر اول تو وہ نا آشنا ملتا نہیں
مل گیا جسکو نہیں اسکا پتا ملتا نہیں

دل لگاتے ہیں تو دنیا کے مزے کیواسطے
اے بتو تم سے کوئی بہر خدا ملتا نہیں

ذبح کرتا ہے تو میرے دست و بازو کھول دے
رحم کر قاتل کہ بے تڑپے مزا ملتا نہیں

حسرتیں گھیرے ہیں اس کثرت سے بسمل کو ترے
روح نکلے تن سے اتنا راستہ ملتا نہیں

اک تجھی سے رہ گیا سارے زمانے کا حجاب
کون ہے جس سے وہ عالم آشنا ملتا نہیں

ٹھوکریں کھانا مقدم ہے جو منزل کا ہے قصد
راہرو بہکے نہ جبتک راستہ ملتا نہیں

ہوشیاری شرط ہے غافل جہاں جھپکی پلک
خواب میں بھی ساتھ والوں کا پتا ملتا نہیں

دیر میں بھی ہے اسی کا فیض اے اہل حرم
برہمن کو بت بھی بے اذن خدا ملتا نہیں

منکر یکرنگی معشوق و عاشق ہیں جو لوگ
دیکھ لیں کیا رنگ کاہ و کہربا ملتا نہیں

اتنی تیزی کر نہ قاتل ذبح کرنے میں مرے
دم تو لینے دے تڑپنے کا مزا ملتا نہیں

تازہ وارد ہوں عدم میں حال دل کس سے کہوں
ملک بیگانہ ہے کوئی آشنا ملتا نہیں

ہجر کے حرفوں میں بھی ایسا اثر ہے ہجر کا
لب سے لب وقت تلفظ اک ذرا ملتا نہیں

رزق کی وسعت جو ہے منظور ایدل کر دعا
بھیک کا ٹکڑا گدا کو بے صدا ملتا نہیں

راہرو کا ذکر کیا ہے سرزمین عشق میں
سیکڑوں منزل نشان نقش پا ملتا نہیں

جس لحد میں دیکھئے ستر ہیں مُردے اے امیر
خاک کے نیچے بھی کنج انزوا ملتا نہیں

موئے مژگاں سے ترے سیکڑوں مر جاتے ہیں ——— یہی نشتر تو رگِ جاں میں اتر جاتے ہیں
حرم و دیر ہیں عشاق کے مشتاق مگر ——— تیرے کوچے سے اِدھر یہ نہ اُدھر جاتے ہیں
کوچۂ یار میں اول تو گذر مشکل ہے ——— جو گذرتے ہیں زمانے سے گذر جاتے ہیں
شمع ساں جلتے ہیں جو بزم محبت میں ترے ——— نام روشن وہی آفاق میں کر جاتے ہیں
اثر آبِ بقا خاکِ رہِ عشق میں ہے ——— وہی زندہ ہیں یہاں آکے جو مر جاتے ہیں
تم جو چڑھتے ہو نظر پر تو تمہارے ہوتے ——— سب حسینانِ جہاں دل سے اُتر جاتے ہیں
زاہدو تم کو جناں ہم کو درِ یار پسند ——— خیر جاؤ تم اُدھر کو ہم اِدھر جاتے ہیں
زمرے کیا اہلِ عدم کو بھی پھنسا لاتے ہیں ——— زلف کے بال اگر تابہ کمر جاتے ہیں

کیا اثر نام علی میں ہے کہ لیتے ہی امیر
کام بگڑے ہوئے جتنے ہیں سنور جاتے ہیں

مے پئیں کیا کہ کچھ فضا ہی نہیں ——— ساقیا باغ میں گھٹا ہی نہیں
خضر کیا جانیں مرگ کی لذت ——— اس مزے سے وہ آشنا ہی نہیں
شعر وصف دہن میں سنکے کہا ——— ایسا مضموں کبھی سنا ہی نہیں
کس طرح جائیں اُنکی محفل میں ——— جنکے دل میں ہماری جا ہی نہیں
کیا سنیں گے وہ خلق کی فریاد ——— کہتے ہیں جو کوئی خدا ہی نہیں
لذت عیش وصل کیا جانیں ——— اسمیں حصہ ہمیں ملا ہی نہیں
کل تلک تھا وہ ربط وہ اخلاص ——— آج وہ شوخ آشنا ہی نہیں
ہو ہمیں اب تو تیری الفت میں ——— صدمہ وہ حسن کی انتہا ہی نہیں
مرنے والوں سے کہتے ہیں وہ امیر ——— کیا تمہاری کبھی قضا ہی نہیں

مرے مرقد کو ٹھکرانے قیامت بن کے آتے ہیں
پڑا ہو نہیں یہاں آ کر تو یوں مجھ کو ستاتے ہیں

دیا ہے غسل یاروں نے کفن رنگیں پنھائے ہیں
تماشا ہے کہ کشتے کو ترے دولہا بناتے ہیں

ہماری بیخودی تمہید ہے تیری نمائش کی
مٹا کر نقش اپنا ہم ترا نقشہ جماتے ہیں

محبت کا بُرا ہو دل کو روکوں یا جگر تھاموں
مرے قابو سے یہ دونوں کے دونوں نکلے جاتے ہیں

گذرگاہِ جہاں خالی نہیں رہتی ہے کثرت سے
تماشا گاہ ہے دیکھو ہزاروں آتے جاتے ہیں

شعاعِ مہر کس کس شوق سے آ کر لپٹتی ہے
کبھی کوٹھے پہ چڑھ کر وہ جو بال اپنے سکھاتے ہیں

طلب شانے کی ہے زلفِ دوتا کی خیر ہو یارب
خدا حافظ ہے یکتائی کا آئینہ منگاتے ہیں

بہانہ ہے حنا بندی کا یہ بھی ایک شوخی ہے
ہمارا ہی تو دل مٹھی میں ہے ہم سے چھپاتے ہیں

نظر اس پر نہیں کرتے خود آئے ہیں پری بن کر
ہمیں کو ادر آلے اپنا دیوانہ بناتے ہیں

نظر آتا نہیں کچھ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں
لگاتے ہیں وہ سرمہ یا کوئی جادو جگاتے ہیں

عزیز ایسی ہے اے قاتل کہ بسمل جان دیدیگا
تری تلوار کا دم اپنے سینے میں چھپاتے ہیں

حسینانِ جہاں کہتے ہیں شاید درد کا شیوہ
جگہ دیتا ہے جو دل میں اسی کا دل دکھاتے ہیں

نہیں خالی ہماری وحشتِ دل ہوشیاری سے
گریباں پھاڑ کر پیوند دامن میں لگاتے ہیں

جنازے پر جو آنیکو کہو اُن سے تو کہتے ہیں
کہیں تابوت کا بوجھ ایسے نازک بھی اٹھاتے ہیں

گلوری وہ نہیں کھاتے ہیں مسّی مل کے خوش ہوتے
نگیں یاقوت کا نیلم کی شہ رگ پر جماتے ہیں

وہ مہوش ہیں کہ رکھ لیتے ہیں آئینہ جیب کر دمیں
کوئی شیشے کا ٹکڑا راستے میں بھی جو پاتے ہیں

ہماری لغزشوں کی تجھ کو اے زاہد خبر کیا ہے
فرشتے تھامتے ہیں ہاتھ جب ہم لڑکھڑاتے ہیں

وہ اٹھی ہے گھٹا وہ برق چمکی وہ بہار آئی
اٹھو زاہد چلو واعظ تو یونہیں سر پھراتے ہیں

دیا جاتا ہے شمشیرِ قضا پر باڑھ کا ڈورا
مبارک ہو گلو اے دل وہ پھر سرمہ لگاتے ہیں

نہیں ہے پیار بھی در پردہ اُنکا چھیڑ سے خالی
رُلا دیتے ہیں اکثر وصل کی شب گدگداتے ہیں

امیر افسردہ ہو کر غنچۂ دل سوکھ جاتا ہے
وہ میلے ہم کو قیصر باغ کے جب یاد آتے ہیں

کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جو جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

سیہ پوشاک بن کر خانۂ کعبہ میں جا پہنچے
بلا کا بھیس ادا کافر ترے گیسو بدلتے ہیں

بہار آئی ہے صبح عید کا عالم ہے گلشن میں
نئی پوشاک شمشاد اب کنار جو بدلتے ہیں

نزاع کفر و دیں ہے دور دور زلف و عارض میں
مسلمانوں سے ٹوپی آجکل ہندو بدلتے ہیں

تری نیچی نگاہیں سایۂ مژگاں میں پھرتی ہیں
پرے میں جیسے بانکے پینترے ہر سو بدلتے ہیں

بہا ہیں کچھ تو پایا ہے انھیں اے چشم تر بہتر
جو اپنے موتیوں سے جوہری آنسو بدلتے ہیں

مے کہنہ ہے یہ آب وضو تیرا انھیں زاہد
جو چشمے نور کے ہیں کب وہ رنگ و بو بدلتے ہیں

تری محفل میں یہ دیوار کی کھنچی ہیں تصویریں
ادب سے بیٹھنے والے کہیں زانو بدلتے ہیں

امیر اس باغ میں رہ کر کریں کیا دم الجھتا ہے
نہ نخوت چھوڑتے ہیں گل نہ کانٹے خو بدلتے ہیں

گو کہ دیکھے خواب اچھے سب نے تعبیریں کہیں
وصل کی نکلتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں

پہنچے ہم جس شہر میں پوچھا یہ اہل شہر سے
خوبرویوں کی یہاں بکتی ہیں تصویریں کہیں

نیچی نظروں سے مجھے آخر لگے وہ دیکھنے
اوپر اوپر جاتی ہیں آہوں کی تاثیریں کہیں

قیدیوں کا اپنے اس ظالم کو ہے ایسا خیال
چونک اٹھتا ہے جو غل کرتی ہیں زنجیریں کہیں

ابروؤں سے سر کس و ناکس کو تم کرتے ہو قتل
خوف ہے منہ کی نہ کھا جائیں یہ شمشیریں کہیں

وہ بت آئیگا تو بت بن جائیں گے واعظ ابھی
حاکموں کے سامنے چلتی ہیں تقریریں کہیں

لاغری سے اپنی زنداں میں یہ مجھکو خوف ہے
پانوں سے میرے اتر جائیں نہ زنجیریں کہیں

اسکے کوچے میں ٹھہرنے کو جگہ چاہے اگر
بولے درباں جاؤ کیا بٹتی ہیں جاگیریں کہیں

لاکھ محنت کی نہ نکلی وصل کی صورت امیر
سامنے تقدیر کے چلتی ہیں تدبیریں کہیں

تمام تن میں ہیں چھالے اگرچہ زار ہوں میں
گرہ جو خوب نظر آنسوؤں کا تار ہوں میں

بجا ہے سر سے قدم تک جو داغدار ہوں میں
کہ ہجر میں ہمہ تن چشم انتظار ہوں میں

کوئی کرے جو وہ شمشیر کیسی تنہائی
جدا ہوں عضو بدن ایک سے ہزار ہوں میں

الٰہی آئے کوئی حور باغ جنت سے
ابھر رہا ہوں کہ تنہا نہ مزار ہوں میں

جو اپنے ہاتھ سے دیتے ہو دو مجھے تعزیر
گناہگار نہیں تو گناہگار ہوں میں

ہزار مردوں میں زندہ رہا جو ایک تو کیا
زمانہ مست ہے کیا خاک ہوشیار ہوں میں

بغیر جرم ہوں پامال شرم مجھ سی
کوئی گناہ کسی سے ہو شرمسار ہوں میں

شریک درد نباتات ہوں بشر کیسے
پڑیں درخت پہ پتھر تو سنگسار ہوں میں

کہو فلک سے ملائے نہ خاک میں مجھ کو
کہ انتخاب ہوں میں فخر روزگار ہوں میں

صفا بنی ہے جہاں میں مری کدورت سے
کرے جو آئینوں کو صاف وہ غبار ہوں میں

فسردگی ہے مری باعث خزان چمن
شگفتگی میں تماشائے نوبہار ہوں میں

اٹھا کے پردۂ امکان قدم کو کیا دیکھوں
کہ اپنی شکل سے آئینے میں دوچار ہوں میں

وہ تیغ مہر ہے جس تیغ کا میں ہوں کشتہ
نگاہ لطف ہے جس تیر کا شکار ہوں میں

بہائے اپنے ہی خرمن کو جو وہ ہوں سیلاب
جلائے اپنے ہی دامن کو وہ شرار ہوں میں

سکون دل ہو جو حاصل تو سامنے ساحل
دکھاؤں جوش تو دریائے بیکنار ہوں میں

امیر فوج ظفر موج جرأت و ہمت
وزیر اعظم سلطان تاجدار ہوں میں

حریم لطف و عطا میں شمیم خلق نبی
دم دغا کف حیدر میں ذوالفقار ہوں میں

تمیز خاک سے مردم میں نور کا پتلا
شریک عام نہیں خاص کردگار ہوں میں

امیر دل میں جو کچھ آگیا کیا موزوں
زبان بند نہیں صاحب اختیار ہوں میں

کرم کہ تیرے کرم کا امیدوار ہوں میں
گناہگار ہوں یارب گناہگار ہوں میں

ہمیشہ گوشہ نشیں ہوں وہ خاکسار ہوں میں
ہوا اڑا نہ سکے جسکو وہ غبار ہوں میں

نگاہ ذائقہ میں آنسوؤں کا تار ہوں میں
گلوئے باصرہ میں موتیوں کا ہار ہوں میں

کسی کی تیغ کھنچے قتل کو فگار ہوں میں
کسی پہ تیر چلے صید پر شکار ہوں میں

لگائے منہ مجھے وہ نغمہ دوست کب دیکھوں
بہ رنگ نے ہمہ تن چشم انتظار ہوں میں

کہو گے جو مجھے میں بھی وہی کہونگا تمہیں
اگرچہ لنگر تمکین سے کوہسار ہوں میں

ہوائیں باندھتے ہو کیا یہ جھوٹ کہہ کہہ کر
اڑا رہے ہو کسے کیا کوئی غبار ہوں میں

گمان دزد کفن ہو اگر نسیم آئے
قفس میں بند کہ مردہ تہ مزار ہوں میں

مرے گناہوں سے ہے اُنکی مغفرت کی نمود
گناہ اگر نہ کروں تو گناہ گار ہوں میں

بتوں کی زلف پر افشاں عذار پر غازہ
رہونگا گرد حسینوں کے وہ غبار ہوں میں

ہوا جو قصر فریدوں میں کل گذر اپنا
صدا یہ آئی کہ اُجڑا ہوا مزار ہوں میں

رقیب پھولوں کی بدھی اُسے پنھاتا ہے
ملے مجھے تو اجل کے گلے کا ہار ہوں میں

امیر جاتی جوانی یہ مجھ سے کہتی ہے
خزانہ نہ سمجھو مجھے آخری بہار ہوں میں

ٹھوکریں کھاتا ہے سر ہر گام پر رفتار میں
چال میری کوئی دیکھے کوچۂ دلدار میں

لے گیا لخت جگر اپنے جو میں گلزار میں
برگ گل بلبل سمجھ کر لے گئی منقار میں

دیکھ سکتا ہوں کوئی باہر سے میں اندر کا حال
در میں رخنہ ہے نہ روزن یار کی دیوار میں

بزم کثرت نور وحدت سے کبھی خالی نہیں
چشم بینا ہو تو یوسف سیکڑوں بازار میں

حال آئینہ ہے میری جبہہ سائی کا امیر
منہ نظر آنے لگا سنگ در دلدار میں

ردیف واؤ

صورت غنچہ کہاں تاب تکلم مجھ کو
منہ کے سو ٹکڑے ہوں آئے جو تبسم مجھ کو

اور تھا کون شب ہجر مصیبت کا شریک
دیکھ لیتا تھا میں انجم کو تو انجم مجھ کو

مر کے راحت تو ملی پر ہے یہ کھٹکا باقی
آ کے عیسیٰ سر بالیں نہ کہیں قم مجھ کو

وقت فرصت تھا میں عبرتکدۂ ہستی میں
کف افسوس ملی جس نے کیا گم مجھ کو

ایک کو ایک سے بڑھ کر ترے جلوہ کا ہے شوق
آنکھ کہتی ہے نگہ پر ہو تقدم مجھ کو

اشک ساں خاک میں ملنا بھی مجھے طاعت ہے
لاکھ سجدے کے برابر ہے تیمم مجھ کو

آبرو ہے یہ مری پیر مغاں کے آگے
منھ سے ساغر جو نکل جائے تو دے خم مجھ کو

وحشت دل سے زمانہ میں پھروں شل نگاہ
سات پردوں میں کریں قید جو مردم مجھ کو

روز دکھلاتی ہے دنیا کا سپید اور سیاہ
اس کی شام مسی و صبح تبسم مجھ کو

ہوں وہ مضموں کہ زمانے کو اگر ہاتھ آؤں
صورت گوہر نایاب کرے گم مجھ کو

اختر طالع داغوں سے عجب کیا ہے اگر
تیغ بن جائے مرادست تظلم مجھ کو

ہوں میں مشتاق شہادت کہیں حسرت تو مٹے
خاطر غیر ہی سے قتل کرد تم مجھ کو

حشر میں وجد کناں قبر سے یارب نکلوں
نفخۂ صور ہو آواز ترنم مجھ کو

مجلس وعظ میں ہیں مست اگر جا بیٹھوں
منھ چھپے کھینچ کے لے جائیں سر خم مجھ کو

شمع کی طرح میں وہ سوختہ قسمت ہوں امیر
مول لے لے کے جلا دیتے ہیں مردم مجھ کو

لے گئی کل ہوس مے جو سر خم مجھ کو
ہوش کی طرح سے مستی نے کیا گم مجھ کو

کعبہ رخ کی طرف پڑھتی ہے آنکھوں سے نماز
چاہیئے گرد نظر بہر تیمم مجھکو

واہ اے بیخودی شوق کیا خوب سلوک
اس کو جب ڈھونڈھ نکالا تو کیا گم مجھکو

ہوں میں وہ قطرہ جو نیساں کی بغل سے چھوٹوں
کھینچ لے شوق سے آغوش میں قلزم مجھکو

نہیں معلوم وہ مہمان ہوئے ہیں کسکے
آج گھر گھر لیے پھرتا ہے توہم مجھ کو

غنچہ ساں نزہت خاطر سے عدم کو پہنچا
بال و پر ہو گئے لب وقت تبسم مجھ کو

خلوت وصل میں کچھ کام نہیں ساقی کا
جام مے بھر کے پلاؤں میں تمہیں تم مجھ کو

بے ثباتی میں نہیں کون سی جا میری نمود
ذرے چنتے ہیں مجھے گنتے ہیں انجم مجھ کو

خم مے تھا کبھی اک قطرے سے کم اے ساقی
اب یہی میں ہوں کہ ہو قطرۂ مے خم مجھ کو

میں تو کیا عکس سے وہ آئینہ رو کہتا ہے
پیار کی آنکھ سے دیکھا نہ کرو تم مجھ کو

دھوکا کھائے ہوئے آدم کو زمانہ گزرا
ہنستے ہیں دیکھ کے اب تک لب گندم مجھ کو

مردمک ہوں کہ سویدا ہوں الٰہی کیا ہوں
دیدہ و دل میں جگہ دیتے ہیں دم دم مجھ کو

میں ترا عکس تھا اس آئینۂ ہستی میں
تو نے کیا پھیر لیا منھ کہ کیا گم مجھ کو

دیکھتا ہوں کبھی آئینہ تو رو دیتا ہوں امیر
اپنی صورت پہ خود آتا ہے ترحم مجھ کو

قطرۂ مے نے کیا ہوش صفت گم مجھ کو
ہر حباب مے پر زور ہوا خم مجھ کو

ہوں میں نقش قدم اس رہگذر ہستی میں
ایک ظاہر جو کرے چار کریں گم مجھ کو

میں جو مر جاؤں تو اے پیر مغاں کہہ دینا
مینچے کھینچ کے ڈال آئیں پس خم مجھ کو

ہو مری قتل کی یارب یہ خوشی قاتل کو
بڑھ کے لے چار قدم تیغ تبسم مجھ کو

زندہ اعجاز مسیحا سے تو ہو سکتا ہوں
ضعف سے اٹھ نہ سکوں گا نہ کہیں قم مجھ کو

دی صدا دل کو جو اس بزم میں تنہا چھوڑا
ساتھ لائے تھے اسی دن کے لیے تم مجھ کو

ہو سر عجز سے تا قتل گہ سجدہ قبول
چاہیے گرد یتیمی سے تیمم مجھ کو

لالہ و گل ہوں خس و خار ہوں یارب کیا ہوں
ڈوبتا ہوں تو ڈبوتا نہیں قلزم مجھ کو

بے تجلی ہی تو سمجھا وہ ہوئے لیلیٰ سوئے یار
بیخودی راہ میں کرتا نہ کہیں گم مجھ کو

ہوں وہ میکش جو کروں رخ در توبہ کی طرف
بہکے جاتے ہو پکارے وہیں خم مجھ کو

نگہ مہر کہاں یار جفا پیشہ کہاں
ملک الموت سے ہو چشم ترحم مجھ کو

سوز دل وجد کا باعث ہے یہاں مثل سپند
میری فریاد ہے آواز ترنم مجھ کو

نظر بد نہ لگے یار کی سفاکی کو
قتل ہونے نہیں دیتا یہ توہم مجھ کو

بحث کو آئے جو واعظ مجھے آجائے یہ جوش
لب ہلیں ساغر مے کے دہن خم مجھ کو

جانتے ہیں جو حقیقت سے ہیں آگاہ امیر
کن کے کلمے کے یہ معنی ہیں تقدم مجھ کو

اشک ساں جنبش مژگاں نے کیا گم مجھکو
لغزش پا ہوئی دریا کا تلاطم مجھ کو

تجھ کو قاتل ہی کے لعل لب خنداں کی قسم
نیم جاں چھوڑ نہ اے تیغ تبسم مجھ کو

برسوں جھیلی ہے مصیبت شب تنہائی کی
مدتیں گذری ہیں گنتے ہوئے انجم مجھ کو

دیکھ لوں مانکو ذرا نزع میں آ لینے دے
رحم اے بے خبری کر نہ ابھی گم مجھکو

خط نکلنے سے ترے سوگ نشیں ہیں آنکھیں
کھل گئی وجہ سیہ پوشی مردم مجھکو

شوق طوف حرم عشق میں باندھی ہے کمر
گرد غربت سے مناسب ہے تیمم مجھکو

شب کو نکلوں جو میں لاغر تو بہ مثل کمند
کھینچ لے جائے شعاع مہ و انجم مجھکو

ہوں میں وہ رند کہ مسجد میں لگاؤں زاہد
ہاتھ آجائے اگر خشت سر خم مجھکو

شمع ساں محفل عالم میں وہ ہوں سوختہ بخت
دل بھر آتا ہے جو آتا ہے تبسم مجھ کو

صاف کہدو نہیں دیدار دکھانا ہو اگر
کعبہ و دیر میں دوڑاتے ہو کیوں تم مجھ کو

اس نے جنت سے جہنم میں مجھے پھینکدیا
زہر کی گانٹھ ہوا دانۂ گندم مجھ کو

اس قدر طول خموشی کو ہوا عزلت میں
بزم میں بھول گئی طرز تکلم مجھ کو

وائے قسمت کہ یہاں قتل کی حسرت ہے امیر
اور وہ سمجھے ہیں سزاوار ترحم مجھ کو

پہلے تم اپنی چتون اپنی نظر کو دیکھو
پھر جسنے دل دیا ہو اُسکے جگر کو دیکھو

کیا حال پوچھتے ہو گم گشتگی کا مجھ سے
اپنے دہن کو دیکھو اپنی کمر کو دیکھو

اُس رخ کی گرمیوں سے ہے برق طور ٹھنڈی
چڑھتے ہیں کسکے منھ پر شمس و قمر کو دیکھو

پتھرا گئی ہیں آنکھیں جب جا لگا کے کی — جا کر وہاں لڑی ہے میری نظر کو دیکھو
ملتا نہیں ہے نالے مدت سے ڈھونڈتے ہیں — بیٹھا ہے منہ چھپا کر کیا اثر کو دیکھو
لیٹا ہے قبر میں میں منہ سے کفن ہٹا کر — بولی یہ مجھ سے غربت لو اپنے گھر کو دیکھو
غیروں کے منہ تو سے ہیں تیس شکل آئینہ ہو لیے — رخ پھیر و اسطرف سے صاحب ادھر کو دیکھو
حالت مریض غم کی کچھ تم بھی جانتے ہو — ایک ایک غش کو دیکھو دو دو پہر کو دیکھو
کس مرتبہ پہنچا آخر یہ رفتہ رفتہ — اس آستاں کو دیکھو اور میرے گھر کو دیکھو
آخر ہو وصل کی شب افسردہ کیوں نہ ہو لیں ہم — رنگت اڑی ہوئی ہے شمع سحر کو دیکھو
رکھتے ہیں خط کمر میں پر لگ گئے ہیں گویا — جاتا ہے کس خوشی سے واں نامہ بر کو دیکھو

کیا وصل ہو وہ کافر تم اے امیر مومن
کتنے جدا جدا ہیں شام و سحر کو دیکھو

گلے کٹیں گے نہ یوں پیترے بدل کے چلو — چلیگی تیغ سر راہ ذرا سنبھل کے چلو
جنوں بہار میں دیتا ہے ہم کو یہ ترغیب — چمن کو خانۂ زنجیر سے نکل کے چلو
برنگ صفحۂ نقاش ہوں زمیں رنگیں — حنا جو پانوں میں میرے لہو کی مل کے چلو
خرام یار کا طاؤس و کبک سے ہے یہ قول — نہ آئے گرمی رفتار لاکھ جل کے چلو
سر مزار غریباں ہیں جا بجا پتھر — لگے نہ پانوں کو ٹھوکر ذرا سنبھل کے چلو
کفن پہن کے چلیں گور کی طرف عاشق — جو عیدگاہ کو تم پیرہن بدل کے چلو
بدل نہ جائیں کہیں میرے راہ میں تیور — چلو جو ساتھ نہ تیوری بدل بدل کے چلو
سنا ہے محتسب آتا ہے دو گھڑی کے لئے — قدح کشو کہیں اب میکدے سے ٹل کے چلو
ملے نہ ہم کو جو میلے میں تم تو خجلت کیا — ذرا تو ٹھہرو کہیں شہر سے نکل کے چلو
بہار آئی ہوائیں ہیں پھول خوشبو پر — خجل ہوں عطر جو تم پیرہن میں مل کے چلو
رجوع کفر میں اسلام ہم سے کہتا ہے — کہ سوئے بتکدہ کعبے میں پہلے چل کے چلو

اگر تمہیں نہیں فرصت تو کہہ دو نغموں سے
کہ خلق جمع ہے تم میان سے اُگل کے چلو

نصیب دشت میں لائے ہیں وحشیو تم کو
اچھالتے ہوئے سونا اچھل اچھل کے چلو

مری غزل کو کوئی انتخاب سی چھانٹ کر پڑھ دو
مشاعرے میں جو آئے ہو تم تو ٹہل کے چلو

قضا کا گرم ہے ہنگامہ کوئے قاتل میں
بہتر خیر ہے منہ میں نہ تم اجل کے چلو

آہ میں کھینچوں تو کھینچیں آپ بھی شمشیر کو
بانکپن کی نوک رکھئے کاٹئے اس تیر کو

اے خوشا حدت خوشا کثرت خوشا تیزی نگاہ شوق
دیکھتا ہوں ہر مرقعے میں تری تصویر کو

اپنے بسمل کا ذرا شوق شہادت دیکھئے
دے رہا ہے کیا گلے مل مل کے دم شمشیر کو

جانتے ہو لوٹتا ہے خاک پر نخچیر کیوں
ڈھونڈھتا پھرتا ہے مقتل میں تمہارے تیر کو

ڈالدے عشاق کی آنکھوں پہ حیرت کی نقاب
واہ کس پردے میں رکھا حسن کی تصویر کو

گردن و پہلو سے نخچیروں کے آتی ہے صدا
آفریں اس تیغ کو صد آفریں اس تیر کو

کھینچنے بیٹھا جو نقاش ازل حیرت کی شکل
رکھ لیا پیش نظر پہلے مری تصویر کو

سینۂ عاشق پر جڑ دے یارب جوہر کھلیں
چوکھٹا درکار ہے آئینۂ شمشیر کو

دست و بازو کو ترے تکلیف کیوں دیجے تجھے
آپ رکھ لوں چیر کر پہلو میں تیرے تیر کو

صاف کھینچا چاہتا ہے مشکل حیرانی اگر
آئینے پر کھینچ اے مانی مری تصویر کو

پیاس لاکھوں کی بجھائی واہ ری دریا دلی
پانی پی پی کر دعائیں دوں تری شمشیر کو

پوچھتے کیا ہو مجھے بے بال و پر کہتے کیا
یہ پری پرواز پر کس نے دئے ہیں تیر کو

خود میں کھنچ جاتا ہوں زور ناتوانی دیکھنا
کھینچتا ہے جب کبھی مانی مری تصویر کو

زلف میں حلقے بنائے ہیں شرارت دیکھنا
طوق پہنائے ہیں کیا اس شوخ نے زنجیر کو

چلتے چلتے تھک گئی ہے منہ نہ موڑے خوف سے
بسمل اللہ دم لینے تو دو شمشیر کو

لب پر آئی آہ ادھر سے جب اٹھی اُسکی نظر
دیکھنا کیا تیر پر روکا ہے ہم نے تیر کو

تا یہ شاہد ہوں وہ دعویٰ خونفشانی کا کرے
لب دیے سوفار کو بخشی زباں شمشیر کو

لوٹتا ہے خاک پر اے ترک مدت سے امیر
ذبح بھی کر ڈال تڑپاتا ہے کیا نخچیر کو

او کماں ابرو سمجھ کر صید کر نخچیر کو
سخت جاں ہو یہ کہیں صدمہ نہ پہنچے تیر کو

ہو چکا میں قتل تو اُس سے قضا نے یہ کہا
لو مبارک آج سے فرصت ملی شمشیر کو

جب نظر اس ترک کی مجھ پر پڑی تیوری چڑھی
بل پڑے شمشیر میں سیدھا کیا جب تیر کو

فصل گل ہے گل کھلے تازہ ہوا نخل کہن
گر چکا تھا ان جوانوں نے سنبھالا پیر کو

رنگ وحدت دل میں کثرت سے سما جائے اگر
ایک برگ گل پہ کھینچوں باغ کی تصویر کو

چیر کر پہلو کو دل نکلا ہے مشتاقِ نگاہ
کیا تماشا ہو ہدف لینے چلا ہے تیر کو

ہجر زنداں کا ہوں مجرم ہو سزا کچھ حسب حال
موتیوں کا چاہیے دُرّہ مری تعزیر کو

ناز کیونکر ہو گنہ ہوں پہ نہ مجھ کو اے کریم
پیار کرتی ہے تری رحمت مری تقصیر کو

پیچ کی باتیں رہیں شانے ہی سے اے زلف یار
خوب سلجھاتا ہے دل اُلجھی ہوئی تقریر کو

صفحۂ رخسار جاناں پر لکھا کیا خوب خط
چوم لوں پاؤں جو دست کاتب تقدیر کو

کسکو کرتے ہیں نشانہ کسکو کرتے ہیں شکار
ترک اڑائیں گے کیا نخچیر سے نخچیر کو

جب کماں سے چھوٹتا ہے دل میں کرتا ہے مقام
خوب سیدھی راہ دکھلائی ہے تم نے تیر کو

دل کی ہوتی ہے درستی جتنی ہوتی ہے شکست
کرتی ہے آباد بربادی اسی تعمیر کو

پوچھتی ہے شمع پروانوں سے تیری داستاں
گل سنا کرتے ہیں بلبل سے تری تقریر کو

قالب خاکی سے ہر دم ہے یہ تہدید اجل
خاک میں اک دن ملا دینگے ہم اس تعمیر کو

پانوں اپنا درمیاں تھا کھل گئے عقدے تمام
سخت مشکل تھی یہ کڑیاں جھیلنی شمشیر کو

دل میں گھر اُسکا ہے گردن تک گذر اسکا امیر
تیغ قاتل سے جگہ اچھی ملی ہے تیر کو

گھر گھر تجلیاں ہیں طلب گار بھی تو ہو
موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

اے تیغ یار کیا کوئی قائل ہو برق کا
تیری سی اسمیں تیزی رفتار بھی تو ہو

دل دردناک چاہیئے لاکھوں ہیں خوبرو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

چھاتی سے میں لگائے رہوں کیوں نہ داغ کو
اے دل کوئی انیس شب تار بھی تو ہو

گر ہم نہیں تو رونق بازار عشق کیا
اے حسن خود فروش خریدار بھی تو ہو

پردے میں چاہتا ہے کہ ہنگامہ ہو بپا
اے آفتاب حشر نمودار بھی تو ہو

اتنی اداس صحبت رندان میکشو
دست سبو میں شیخ کی دستار بھی تو ہو

زاہد امید رحمت حق اور ہجو مے
پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو

ساقی ابھی سے جاؤں میں کیا بہر میکشی
آئے بہار رونق گلزار بھی تو ہو

بجا تری نگاہ کو تیزی پہ ہے گھمنڈ
برچھی کی نوک دل سے مرے پار بھی تو ہو

سوؤں میں آ کے دھوپ سے پاؤں اماں اگر
راضی تمہارا سایۂ دیوار بھی تو ہو

کیونکر ہو درد دل کی ہمارے اُسے خبر
پردے میں خامشی کے کچھ اظہار بھی تو ہو

اشکوں کیساتھ عشق میں نالہ ضرور ہو
آراستہ ہے فوج علمدار بھی تو ہو

ساقی اُداس کیوں نہ ہو بزم مے و سبو
میخانے میں امیر سا میخوار بھی تو ہو

وہ حسن کیا ہے حسن جو خاطر نشیں نہ ہو
کس کام کا وہ نام جو نقش نگیں نہ ہو

کیونکر ہو دل شگفتہ جو عزلت نشیں نہ ہو
پھولے پھلے نہ دانہ جو زیر زمیں نہ ہو

وہ یاس ہو کہ وصل میں بھی ہر نگاہ پر
ڈرتا ہوں میں کہیں نگہ واپسیں نہ ہو

راحت کی جستجو میں ہیں اہل جہاں عبث
ہاتھ آئے وہ کسی کو کہاں جو کہیں نہ ہو

ایذائے خلق پر ہے یہ عیش موذی فلک
بے سانپ چاہتا ہو کوئی آستیں نہ ہو

ساحل سے ہوں میں تشنہ دہن خود کنارہ کش
کہدو کہ بحر موج سے چیں بہ جبیں نہ ہو

مانند بوئے گل چمنِ دہر سے نکل — اس باغِ بے ثبات میں عزلت نشیں نہ ہو
نام اُس حسیں کا قلبِ مصفا پہ نقش ہو — کیونکر اس آئینے پہ گمانِ نگیں نہ ہو
ہستی جہاں کی ہستیٔ حق پر دلیل ہے — کیونکر جہاں ہو جو جہاں آفریں نہ ہو
زاہد کا صاف نہ ہو ریائی ہو آشکار — سجدہ کرے درست تو داغی جبیں نہ ہو
ساقی میں نشۂ عرفاں سے مست ہوں — افلاس میں جو بادہ میسر نہیں نہ ہو
تیرا نہ ہو مکان جو مشہور ہے فلک — کہتے ہیں جسکو عرش ترا شہ نشیں نہ ہو
دل سے ہو چشمِ فیض تو تجھکو تو پاک رکھ — کس کام کی ہو صاف اگر دوربیں نہ ہو
ہم رند مشربوں کی معاصی سے ہو نمود — روشن ہو نامہ کیا جو یہ رونگیں نہ ہو
ہوں تنگ اس جہاں سے کہاں لیچلے جنوں — جس جا یہ آسمان نہ ہو یہ زمیں نہ ہو
ساجد خدا پرست بھی اُس آستاں پہ ہیں — کیوں اس پہ ناز وہ صنم نازنیں نہ ہو
آتا ہے مجھ کو گریہ لب کشتِ زعفراں — اتنا بھی جو بچہ رخ سے کوئی حزیں نہ ہو

سر آستانِ دل پہ نہ پہنچے کبھی امیر
جبتک کہ عرش پہ قدم اولیں نہ ہو

یاد زلف آئی دم نزع ستانے ہم کو — کس برے وقت میں گھیرا ہے بلانے ہم کو
منہ لگایا ہے بتوں نے نہ خدا نے ہم کو — نہ ادا نے کبھی پوچھا نہ قضا نے ہم کو
آس کسکو تھی شبِ غم کی سحر ہونے کی — اے بتو دن یہ دکھایا ہے خدا نے ہم کو
ہجر جاناں میں کسی روز جو ہچکی آئی — جی اٹھے ہم کہ کیا یاد قضا نے ہم کو
رخصت اے ہوش و خرد اب نہیں ٹھہرا جاتا — بیخودی دور سے آئی ہے بلانے ہم کو
کشمکش میں ہمیں بیتابیٔ دل رکھتی ہے — آنے دیتی ہے نہ ظالم کہیں جانے ہم کو
قہر کرتی ہیں شبِ وصل تمہاری آنکھیں — اسی پردے میں تو مارا ہے حیا نے ہم کو
ساقیا دیر سے مستی نے نکالا ہوتا — خوب ہی روک لیا لغزشِ پا نے ہم کو

شمع آسا کبھی جلتے کبھی روتے گذری
آگ پانی سے بنایا ہے خدا نے ہم کو

دیر میں شیخ و حرم سے یہ صنم کہتے ہیں
تو نے اللہ کو جانا ہے تو جانے ہم کو

خنجر ناز سے بچ کر جو چلے چار قدم
رکھ لیا برچھیوں پہ تیر ادا نے ہم کو

حوصلہ کون تماشائے تجلی کا کرے
غش تو دیتا ہی نہیں ہوش ہی آنے ہم کو

کیا بگاڑا ہے ترا اے شب فرقت ہم نے
روز آتی ہے بلائیں کے ڈرانے ہم کو

آئینہ دیکھ کے ہر بار وہ بت کہتا ہے
خود نمائی کو بنایا ہے خدا نے ہم کو

لامکاں میں نہ پتا ہے نہ مکاں میں اسکا
بے ٹھکانے کے بتائے ہیں ٹھکانے ہم کو

وہ بلا دوست ہیں جب کوئی کڑی آتی ہے
نام لے لے کے پکارا ہے بلا نے ہم کو

خار کیا کھائے گا گل دیکھ کے فرقت میں امیر
ایسے کتنے ہیں ابھی داغ اٹھانے ہم کو

آج محفل سے تم آئے ہو اٹھانے ہمکو
ہائے وہ دن کہ جو اٹھتے تھے بٹھانے ہمکو

منہ شب ہجر دکھایا نہ قضا نے ہمکو
کون پوچھیگا نہ پوچھا جو خدا نے ہمکو

حوصلہ دل سے تڑپنے کا نکلتا کیونکر
دم ہی لینے نہ دیا تیغ ادا نے ہمکو

تیغ جلاد نے جوہر کو کیا ہم سے عزیز
آنکھ اٹھا کر بھی تو دیکھا نہ قضا نے ہمکو

اپنی نسبت بھی کفایت ہے یہاں بخشش کو
کاش وہ اپنا گنہگار ہی جانے ہمکو

حلقۂ زلف میں پھنس کر کوئی نکلا ہے کبھی
موت کے منہ سے چھڑایا ہے قضا نے ہم کو

مسجدوں میں کبھی بھیجا کبھی بتخانوں میں
ٹھیک ٹھیک اسنے بتائے نہ ٹھکانے ہمکو

آتے جاتے ہو وہاں غیر کے گھر تم ہر شب
رشک آتا ہے یہاں روز ستانے ہم کو

یاد آئیں تری آنکھیں تو یہ سمجھے دم نزع
حوریں فردوس سے آئی ہیں بلانے ہم کو

اس ستمگر نے جو پہلو سے اٹھایا اپنے
درد دل تو بھی تو اٹھا نہ بٹھانے ہم کو

لے چلے داغ ہزاروں چمن ہستی سے
زندگی لائی تھی کیا سیر دکھانے ہم کو

مدد اے مرگ کہ آفت میں پھنسا رکھا ہے
آگ نے خاک نے پانی نے ہوا نے ہمکو

سنکے آواز مؤذن کی شب وصل کی صبح
صاف سمجھے کہ بلایا ہے خدا نے ہم کو

ہیں وہ میکش جو گرے ہیں کبھی لغزش کھا کر
بدلیاں دوڑ کے آئی ہیں اٹھانے ہم کو

امتحاں تھا جو ہمارا اُسے منظور نظر
ذبح ترک تڑپ کے کیا تیغ ادا نے ہم کو

وہ پر کاہ تھے اس گلشن ہستی میں امیر
دوش سے پھینکدیا باد صبا نے ہمکو

پیچ پر پیچ دیئے زلف دوتا نے ہم کو
کن بلاؤں میں پھنسایا ہے خدا نے ہم کو

پر لگائے یہ ترے تیر ادا نے ہم کو
تھک گئی دوڑ کے پایا نہ قضا نے ہم کو

تو وہ تیر دل کا کیا تیر ادا نے ہم کو
شکر صد شکر لگایا تو ٹھکانے ہم کو

تیرے بیمار سے یہ بیخبری کہتی ہے
کہ خبر کو ترے بھیجا ہے قضا نے ہم کو

کہتے ہیں حشر وہ رفتار سے برپا کر کے
ایسے کتنے ابھی فتنے ہیں جگانے ہم کو

کی ہے جب شوق سے منعم کی عمارت پہ نظر
عبرت آئی ہے وہیں گور جھکانے ہم کو

سارے عالم میں یہ شہرت ہے قضا نے مارا
واہ کس پردے میں مارا ہے ادا نے ہم کو

وہ کہیں گے نہ اٹھا صدمۂ فرقت دو دن
موت کیوں آئی ہے یہ داغ لگانے ہم کو

دفن بھی اپنی گلی میں نہ کیا وائے نصیب
مر گئے پر بھی لگایا نہ ٹھکانے ہم کو

ڈھیروں انگور پڑے کٹتے ہیں ساقی لیکن
ہاتھ آتے نہیں دو چار بھی دانے ہم کو

عیش کرنیکو تمہیں تم کو کیا ہے پیدا
رنج اٹھانے کو بنایا ہے خدا نے ہم کو

عشق ابرو میں خدا پار لگائے بیڑا
آب شمشیر میں غوطے ہیں لگانے ہم کو

حیرت عارض جلاد سے سکتا جو ہوا
آئی تیغ اجل آئینہ دکھانے ہم کو

نقد ہوش و خرد و صبر نہ چھوڑا کچھ امیر
آج لوٹا غضب اس دزد حنا نے ہم کو

ہوں وہ بلبل گل تلک پہنچوں تو گلشن خشک ہو　　مثلِ خار آشیاں شاخ نشیمن خشک ہو

چاہتا ہے سوزِ فرقت اُس محیطِ حسن کا　　تن میں مثلِ خارِ ماہی ہر رگِ تن خشک ہو

تازگی ہو روئے جاناں کی زنخداں کے سبب　　چاہِ حسن گلشن میں ہو کیونکر وہ گلشن خشک ہو

تابشِ خورشیدِ محشر سنکے پڑتی ہے امید　　مجھسے تردامن کا بھی شاید کہ دامن خشک ہو

ہوں وہ پیاسا ذبح کے دم بھی نہ میں سیراب ہوں　　حلق میں پانی لبساں آبِ آہن خشک ہو

زیست پیری میں کہاں رونق جوانی کی گئی　　کیا رہے روشن چراغ ایدل جو روغن خشک ہو

تیغ کھینچے میکدے کی سمت اگر آئے وہ ترک　　بت کا زہرہ آب ہو خون برہمن خشک ہو

آبیاری ہے اگر بلبل کی اشکوں کی یہی　　ہے یقیں فصلِ خزاں میں بھی نہ گلشن خشک ہو

داغِ دل سے گرم اپنی خاک ہو کیا ہے عجب　　چادرِ گل پڑتے ہی بالائے مدفن خشک ہو

اور بھی گردوں ستاتا ہے جو پاتا ہے ضعیف　　پائمال گاؤ دہقاں ہو جو خرمن خشک ہو

حسرتِ دیدار میں کھینچوں اگر میں آہ سرد　　ایک جھونکے میں یقیں ہے نخلِ ایمن خشک ہو

چھین کر رختِ سفر پامال ظالم نے کیا　　پانوں شل ہو جائیں یارب دستِ رہزن خشک ہو

اُس مسی آلود لب کا وصف کیا کوئی کرے　　سامنے سب کے زبان برگِ سوسن خشک ہو

چھڑتی ہو رضا اسے قاتل کی تیغ آبدار　　غیر ممکن ہے کہ اپنا زخمِ گردن خشک ہو

حسرتِ دیدار ہے ہم کو مکانِ یار کی　　دیدۂ تر کیا برنگ چشمِ روزن خشک ہو

میں اگر رونے پہ آؤں صورتِ ابرِ بہار　　سبز ہو دم بھر میں یہ ہونکا جو گلشن خشک ہو

اسقدر ہو بخیہ گر کو غم جو دیکھے میرے زخم　　جان مثلِ رشتۂ تن مانند سوزن خشک ہو

اس گلستاں میں ہے مجھ سا کون طائر بدنصیب　　پانوں رکھوں میں جہاں شاخِ نشیمن خشک ہو

کیا حرارت ہے لگاؤں میں اگر منھ سے امیرؔ
جام مثلِ چشمۂ خورشید روشن خشک ہو

چھوڑو نہیں اے بتو حیا کو　　کیا منھ نہ دکھاؤ گے خدا کو

لٹکاؤ نہ گیسوئے رسا کو
پیچھے نہ لگاؤ اس بلا کو

ظالم تجھے دل دیا خطا کی
بس بس میں پہنچ گیا سزا کو

کانٹوں سے کبھو سنبھال لینا
آتا ہے غش اک برہنہ پا کو

بلبل کو ملی جو باغبانی
رو کے در باغ پر صبا کو

اے حضرت دل بتوں کو سجدہ
اتنا تو نہ بھولیے خدا کو

گل کر گئی میری شمع تربت
کیا موج یہ آ گئی صبا کو

کوچے میں ترے ملا یہ آرام
نیند آ گئی چشم نقش پا کو

اتنا بھی کہ کچھ سنے کہے وہ
یوں کھولیے قفل مدعا کو

کہتا ہے یہ شوق قتل سر دم
دم لینے نہ دیجیے قضا کو

کیا کیا تری چشمگیں بچائیں
دھوکے دیئے تیر بے خطا کو

دکھلا کے ہم اپنی سخت جانی
غصہ دلواتے ہیں قضا کو

ہاتھ آئے اگر نگیں حسرت
کھدوا دیئے نقش مدعا کو

راضی برضا ہوں اے ستمگر
جو کچھ منظور ہو خدا کو

کہتی ہے امیر اس سے شوخی
اب منہ نہ دکھائیے حیا کو

وصال پر ہی جو وصل امتحان کر دیکھو
امیر یوں ہی سہی چند روز مر دیکھو

خدا کی شان کہ دیکھیں ہم ان کی آنکھیں
نگاہ تاک نہ کرو تم ادھر ادھر دیکھو

پڑا ہوں ہجر میں مردہ کی طرح بستر پر
ابھی تو جان سی آئے جو اک نظر دیکھو

جنازہ غیر کا نکلا ہے تو نکلنے دو
ہمیں کو بیٹھ کے چلمن سے جھانک کر دیکھو

مری طرف سے کہے کوئی حضرت غم کو
بہت رہے مرے دل میں اب اپنا گھر دیکھو

کسی کا دل نہ دکھاؤ خدا کا خوف کرو
ذرا کلیجے پہ اپنے تو ہاتھ دھر دیکھو

چھپا چھپا کے نظر بازیاں ہوں غیروں سے — ہمیں سے آنکھ چرانا ذرا ادھر دیکھو

دکھا کے تیغ کو تڑپا رہے ہو دیر ہے کیا — جو دیکھنا ہو تماشا تو ذبح کر دیکھو

ہو سحر عشق کہ جلتے نہیں پر بلبل — لگی ہے آتش گل باغ میں جدھر دیکھو

گیا تھا لیکے خط آیا ہے ہاتھ کٹوا کر — ذرا خدا کے لیے شان نامہ بر دیکھو

اٹھاؤ آنکھ یہ کیا شرم ہے خدا سے ڈرو — کسی کی جان کا ہو جائیگا ضرر دیکھو

بغیر غم نہیں ممکن حصول دولت دہر — نظر جو آئے محرم کا چاند زرد دیکھو

امیر جلوۂ وحدت سے آشنا ہو جو دل

وہی ظہور وہی شان ہے جدھر دیکھو

دل ہے وابستہ کسی زلف رسا سے کچھ ہو — اب تو سر میں یہی سودا ہے بلا سے کچھ ہو

فکر بیجا ہے طبیبو مرض عشق ہے یہ — غیر ممکن ہے کہ تخفیف دوا سے کچھ ہو

دیکھ خط اب کسے بھیجوں کہ برائے مطلب — جب نہ قاصد نہ کبوتر نہ صبا سے کچھ ہو

مل گئے وہ کسی رستے میں تو مانند غبار — ہم لپٹ جائینگے دامان قبا سے کچھ ہو

جان پر کھیل گیا میں تو کہا اس بت نے — میں نہ سمجھا تھا کہ تم فضل خدا سے کچھ ہو

نظر آجائے جو اس زلف سیہ کی ناگن — ڈال دوں ہاتھ مقرر میں بلا سے کچھ ہو

تیرے بیمار محبت کی ہے صحت مشکل — فکر ہو لاکھ دوا سے نہ دعا سے کچھ ہو

سخت جاں وہ ہوں نہ کٹ جاؤں اگر خنجر سے — شرط بدتا ہوں جو پھر تیغ قضا سے کچھ ہو

ہے معما دہن تنگ کا دشوار بہت — حل مطلب ہو تو شاید شعرا سے کچھ ہو

تو بھی آخر کسی در کا ہے گدا اے سلطاں — عفو لازم ہے جو تقصیر گدا سے کچھ ہو

نہ محبت کی وہ آنکھیں نہ وہ الفت کی نگاہ — حال دل کس سے کہوں تم تو خفا سے کچھ ہو

بادۂ سرخ ملے تم سے یہ امید کہاں — منہ چڑھے تم تو مرے خون کے پیاسے کچھ ہو

متوقع دید و دولت پہ کھڑے ہیں کب سے — اب تو ہم کو بھی عطا خوان عطا سے کچھ ہو

کوئے جاناں میں کوئی دم تو ٹھہر جائے پانوں ایسی افتاد مری لغزشِ پا سے کچھ ہو

عالمِ فقر میں تکلیف گوارا ہے امیر
نہ ملیں گے نہ ملیں گے امرا سے کچھ ہو

دیر سے قتل کے مشتاق ہیں باہر آؤ دیکھو اتنا نہ کھنچو کھینچ کے خنجر آؤ

آمد و شد نفسِ چند کی باقی ہے فقط اپنے گھر مجھ کو بلاؤ کہ مرے گھر آؤ

نہ سہی زیست میں مرنے پہ تو لو میری خبر اب نہ آؤ تو جنازے پہ مقرر آؤ

دیکھ لے کوئی نہ آتے مری تربت پہ تمہیں چاندنی شب ہے ذرا اوڑھ کے چادر آؤ

دیکھ کر آئینے کو عکس سے کہتا ہے وہ شوخ کچھ اگر حسن کا دعویٰ ہے تو باہر آؤ

نذرِ عاشق کی ہے کچھ لوٹ نہیں ہے صاحب دل و جاں دونوں جو لینے ہیں مکرر آؤ

ساتھ اگر راہ میں ہو باتیں بھی ہوتی جائیں آگے پیچھے نہ چلو میرے برابر آؤ

ناف کی طرح نہ پڑ جائے شکم پر کوئی آنکھ کھول کر بند نہ دروازے کے باہر آؤ

جاں بلب ہوں میں عیادت ہے مریضوں کی ثواب مانو اللہ کو تم بہرِ پیمبر آؤ

تب مزہ جانے کا اس ہو کہ کہے یار امیر
میری آنکھوں پہ تم آؤ مرے سر پر آؤ

حشر کے روز نہ ہو تشنہ دہانی مجھ کو دے تری تیغ جو اک قطرہ بھی پانی مجھ کو

تیزیِ موج اگر بحرِ رواں میں دیکھی یاد آئی تری خنجر کی روانی مجھ کو

آبِ خنجر سے تری پیاس کوئی بجھتی ہے اور بھی آگ لگاتا ہے یہ پانی مجھ کو

خوبرویوں میں صنم ایک ہی تو ایک ہے تو نظر آتا نہیں تیرا کوئی ثانی مجھ کو

اور کس سے ہوں دہان و کمرِ یار کے وصف خوب معلوم ہیں یہ رازِ نہانی مجھ کو

اس سے اُن کا ہے یہ مطلب کہ کروں میں بھی فغاں ہدیہ بھیجا ہے تو دیوانِ فغانی مجھ کو

نوجواں کوئی جو پیری میں نظر آتا ہے یاد آتی ہے بہت اپنی جوانی مجھ کو

داغ کھا کھا کے کروں اپنی میں اوقات بسر — اس لئے دیتے ہیں چھلا وہ نشانی مجھکو
بات وہ کر کہ مرے خواہ ترے کام کی ہو — ایسی اے بت نہ سنا رام کہانی مجھ کو
جس طرح صبح کو خورشید عیاں ہوتا ہے — آ کے پیری نے دیا داغ جوانی مجھ کو
بے خطر خاک تہ سقف فلک بیٹھوں میں — نظر آتی ہے نہایت یہ پرانی مجھ کو
سینہ جلتا ہے پلا جلد شراب اے ساقی — آگ بھڑکی ہوئی ہے چاہیئے پانی مجھ کو
یہ موحد تو سمجھتے نہیں اطلاق صحیح — کہیں اول تو بتادیں کوئی ثانی مجھ کو
آرزو اس لئے فردوس کی مجھ پیر کو ہے — ہاتھ آئے گی وہاں میری جوانی مجھ کو
خوف ہے وصف میں اس چاہ ذقن کے اتنا — کہ ڈبو دے نہ طبیعت کی روانی مجھ کو

نغمہ سنجاں گلستان سخن ہیں جو امیر
کہتے ہیں بلبل گلزار معانی مجھ کو

چل دلا دیر سے کرتا ہے اشارے گیسو — نہ زباں ہے نہ دہن ہو کہ پکارے گیسو
خط شبگوں پہ یہ آتے نہیں پیارے گیسو — جال پر جال بچھاتے ہیں تمہارے گیسو
یہ تہ تازہ چمن ہے کہ تمہارا عارض — یہ دھواں دھار گھٹا ہو کہ تمہارے گیسو
مچھلیاں دام سمجھ کر ہیں جو موجوں میں نہاں — کھل گئے کیسے یہ دریا کے کنارے گیسو
دن کو رخسار دکھاتا ہو فروغ خورشید — شب کو چمکاتے ہیں افشاں کے ستارے گیسو
بال کنگھی سے جو سلجھائے تو دل الجھایا — تیرہ بختوں کو بگاڑا جو سنوارے گیسو
دل صد چاک نے شانے سے کہا چلکے یہ رات — او سیہ کار تجھے باندھ کے مارے گیسو
شہر سے بڑھ کے اگر جانب صحرا جائیں — شانۂ شاخ سے سلجھائیں چکارے گیسو
ہو چکے جن و بشر قید ملک باقی ہیں — اب سر عرش سے زنجیر اتارے گیسو
عاشقوں کے دل پر داغ سے ایسے چمکے — ہو گئے شہپر طاؤس تمہارے گیسو
سانپ نے گھیر لیا گلشن جنت کو امیر — حلقہ حلقہ نہیں عارض کے کنارے گیسو

ہوں میں وہ سرکش اٹھا ساقی مری تعظیم کو
گردن مینا سے خم ہو گئی تسلیم کو

آتے ہی اس مسند کے گلزار میں آئی بہار
ابر اٹھا تعظیم کو شاخیں جھکیں تسلیم کو

ساغر جمشید سے کچھ ساغر مے کم نہیں
دیکھتے ہیں بادہ کش گھر بیٹھے ہفت اقلیم کو

غیر کو دشنام وہ بوسہ عنایت ہو مجھے
چاہیے مردم شناسی صاحب تقسیم کو

بیٹھے بیٹھے میرے پہلو سے جو وہ عیسیٰ اٹھا
درد دل بھی ساتھ ہی اسکے اٹھا تعظیم کو

لب پہ اے غنچہ دہن تحریر مسی کی نہیں
کاتب تقدیر نے خلعت دیا ہے میم کو

نقد آمرزش کا طالب ہو اگر اے خود فروش
تول میزان عدالت میں امید و بیم کو

ہیں جو مردان خدا آفت میں راحت ہو انہیں
عید تھی قربانی فرزند ابراہیم کو

جبکہ خالی خال ہو کنج دہن میں یار کے
ہے تعجب جیم کا نقطہ دیا ہے میم کو

خاک اڑاتے تشنگان عشق کے آتے ہیں غول
کہدو رضواں سے بچائے کوثر و تسنیم کو

ٹکے منزل کا نشاں ملتا ہو اے اہل فنا
ہر قدم پر خضر ہے نقش قدم تعلیم کو

مال رکھنے کو نہیں کہدو غنی سے بانٹ دے
لفظ میں تقسیم کے داخل کیا ہے میم کو

اپنے وقت مرگ سے غافل رہے اختر شناس
گو برابر جان کے رکھا کیے تقویم کو

چشمہ دیدار جاناں کی ہیں دو نہریں امیر
جانتا ہوں خوب اصل کوثر و تسنیم کو

بن کے خضر آیا ہے واعظ کیا مری تعلیم کو
اک دوراہہ جانتا ہوں میں امید و بیم کو

تیغ قاتل سے صفائی میں برابر ہی سہی
یہ روانی کب ملی ہے کوثر و تسنیم کو

دو قدم اس ناز سے جس سرزمیں پر تم چلو
اٹھ کھڑے ہوں سیکڑوں فتنے وہاں تعظیم کو

دشت مستی میں قدم بڑھ کر ہٹے پیچھے نہ خضر
ساتھ ہے عمر رواں غافل اسی تعلیم کو

جادۂ تیغ قضا پر سر کے بل عاشق چلے
طے کیا کس حوصلے سے منزل تسلیم کو

نام کو ہو اک نشاں باقی دہن اسکا کہاں
کاتب قدرت نے لکھ کر چھیل ڈالا میم کو

فتنہ برپا ذات سے مفسد کے ہوتا ہے ضرور
کیا ہوا اٹھے اگر وہ غیر کی تعظیم کو

حشر کے دن نامۂ اعمال کا کیا اعتبار
سال بھر کے بعد باطل کہتے ہیں تقویم کو

یہ غزل رنگیں سناؤں میں ظہوری کو اگر
دھوئے آپ شرم سے گلزار ابراہیم کو

کبر و دولت کیا جو کرتا ہے زمانہ انقلاب
دم میں کر دیتا ہے کشکول گدا دیہیم کو

بھیجتا ہوں پہلے میں گودیہ غریباں کا خط
گھر میں آتے ہیں کبھی مزدور اگر زر سیم کو

آہ کی شمشیر پہ تکیہ ہے نامردوں کا کام
مرد رکھتے ہیں کمر میں خنجر تسلیم کو

یہ وظیفہ سب وظیفوں سے ہے بہتر اے امیر
یاد احمدؐ کو کر دل یا احمد بے میم کو

انساں عزیز خاطر اہل جہاں نہ ہو
وہ مہرباں نہ ہو تو کوئی مہرباں نہ ہو

کلفت کا اپنے نالہ کشی میں نشاں نہ ہو
ہم سو برس جو آگ جلائیں دھواں نہ ہو

مشاطہ چاہئے رخ زیبا کے واسطے
کس کام کا وہ باغ جہاں باغباں نہ ہو

ممکن نہیں کہ زلف سے اُلجھے نہ اُسکی زلف
قرآں کی طرح سے جو وہ رخ درمیاں نہ ہو

کیا داغ سینہ زیر گریباں چھپائیے
خورشید زیر دامن گردوں نہاں نہ ہو

تار نظر سے بڑھ کے ہے لاغر مرا بدن
عشق کمر میں یوں بھی کوئی ناتواں نہ ہو

کیونکر ہمارے یوسفؑ دل کا پتہ ملے
چاہ ذقن پہ جب گذر کارواں نہ ہو

لکھتا ہوں وصف عارض و ابروئے یار کے
کیوں صفحہ آفتاب قلم کہکشاں نہ ہو

پیری میں بھی گیا نہ تغافل ہزار حیف
اتنا بھی کوئی مائل خواب گراں نہ ہو

ہے حادثوں سے بعد فنا بھی کہاں نجات
ممکن نہیں کہ زیر زمیں آسماں نہ ہو

لازم ہے ضبط نالۂ دل بعد مرگ بھی
ہے لطف جام ٹوٹ چکے مے رواں نہ ہو

ٹوٹیں نہ رہروؤں کے اگر شیشہ ہائے دل
دشت جنوں میں نام کو ریگ رواں نہ ہو

آنکھوں سے فائدہ جو نہ دیدار ہو نصیب
حاصل جبیں سے کیا جو ترا آستاں نہ ہو

جانے اگر کہ چاہ عدم میں گرائے گا
کوئی سوار توسن عمر رواں نہ ہو

وہ گل جو آئے تو یہ چمن کا ہو رنگ زرد
کچھ بھی امیر غیر گل زعفراں نہ ہو

عکس سے بچتو نہ آئینے میں اتنا دیکھو
جانے دو اپنی طرف اے گل رعنا دیکھو

چشم پوشی کا میں کرتا ہوں جو اُن سے شکوہ
آنکھیں دکھلاتے ہیں وہ اور تماشا دیکھو

نہ ہوا زندہ میں عیسیٰ نے بہت سر مارا
تم بھی اس قالب بے روح کو ٹھکرا دیکھو

پھیرنے کے لیے دل آئے ہیں ہم یاں آجاں
کر چلے جان بھی نذر اور تماشا دیکھو

شوق اس کوچے کا کہتا ہے یہی ہے امیر
خود چلو دوڑ کے قاصد کا نہ رستا دیکھو

میرے پہلو میں جو دیکھا خنجر جلاد کو
دل سے لاکھوں حسرتیں نکلیں مبارکباد کو

ہوں وہ دیوانہ بلاتا ہوں جو میں فصاد کو
ساتھ لاتا ہے حمایت کے لیے جلاد کو

پر جو کھولے بھی تو کب کھولے خزاں جب آگئی
رحم آیا بھی تو کب آیا مرے صیاد کو

قتل کرنے کا مرے اللہ اُس ظالم کو شوق
حکم ماعینوں دیدیئے یکبارگی جلاد کو

یاد میں اک رشک عیسیٰ کے جو میں مرنے لگا
ہچکیاں آئیں دم آخر مبارکباد کو

خاک ہو جانے پہ بھی ظالم نہیں ہوتا عزیز
کب کوئی دیتا ہے مٹی کشتۂ فولاد کو

زیر خنجر او دل بسمل تڑپ اچھی نہیں
قہر ہو جائیگا گر رحم آگیا جلاد کو

سایۂ رحمت میں تیرے جا کے بیٹھے اے کریم
کیا ٹھکانا ہاتھ آیا ہے مری فریاد کو

مجھ سا صید خفتہ طالع کون ہوگا عندلیب
نغمہ سنجی سے مری نیند آگئی صیاد کو

دو قدم اُس فتنۂ عالم نے چل کر وقت سیر
خوب لڑوایا چمن میں قمری و شمشاد کو

جرم میرا کیا اگر قدموں پہ سر کٹ کر گرا
خیر جانے دیجیے کیا کیجیے افتاد کو

کیوں نہیں بھاتی عدو کو میری نظم طبع زاد
دوست رکھتی ہو عقیمہ غیر کی اولاد کو

ہمسری اُسکے قد موزوں سے ہی جرم عظیم — کندہ دوزخ کا بنائیگا خدا شمشاد کو
شوق پڑھنے کا ہوا اُس طفل کو سنتے ہیں ہم — مژدہ مکتب کو مبارک مرگ نو اُستاد کو
عید موسیٰ کو ہوئی برق تجلی کی مگر — پہلے نظارے میں غش آیا مبارکباد کو
شکر کرتا ہوں کہ پایا قدرداں مدت کے بعد — داستاں میری پسند آئی مرے صیاد کو
کیا کھٹکیگی فصد کیا سودا ہمارا اُنکا کم — ضعف ایسا ہی کہ رگ ملتی نہیں فصاد کو
خوش ہوا ایسا وہ میرے قتل کی سنکر خبر — جشن شادی کا کیا خلعت دیا جلاد کو
کس طرف سے آگیا جھونکا ہوائے مرگ کا — کیا پریشاں کردیا مجموعۂ اضداد کو
قید تھی مدت سے اب آزاد ہوتی ہی امیر
روح نکلے گی دعا دیتی ہوئی جلاد کو

پہلے تو مجھے کہا نکالو — پھر بولے غریب ہی بلا لو
بیدل رکھنے سے فایدہ کیا — تم جان سے مجھ کو مار ڈالو
اُسنے بھی تو دیکھیں ہیں یہ آنکھیں — آنکھ آرسی پہ سمجھ کے ڈالو
آیا ہی وہ مہ بجھا بھی دو شمع — پروانوں کو بزم سے نکالو
گھبرا کے ہم آئے تھے سوئے حشر — یاں پیش ہے اور ماجرا لو
تکیے میں گیا تو میں پکارا — شب تیرہ ہی جاگو سونیوالو
اوروں پہ امیر تکیہ کب تک
تم بھی تو کچھ آپ کو سنبھالو

غربت میں وطن یاد دلاتی نہیں مجھ کو — بھولے سے بھی ہچکی کوئی آتی نہیں مجھ کو
کس منھ سے کروں قافلہ والوں کی شکایت — آواز جرس بھی تو جگاتی نہیں مجھ کو
ساقی کا گلہ کیا ہے جو دیتا نہیں بوسہ — منھ دختر رز بھی تو لگاتی نہیں مجھ کو
میں غنچۂ پژمردہ ہوں گلزار جہاں میں — کیسی ہی بہار آئے کھلاتی نہیں مجھ کو

مشتاق شہادت کو وہ دو ہاتھ لگا کر
کہتے ہیں لگاوٹ بہت آتی نہیں مجھ کو

کیا بے خبری ہو کہ خبر یار کی مجھ تک
آتی بھی ہو تو آپ میں پاتی نہیں مجھ کو

کہتا ہو قیامت سے مرا طالع خفتہ
مردوں کو جلاتی ہو جگاتی نہیں مجھ کو

وہ جنس ہوں بازار جہاں میں کہ قضا بھی
لینے کا تو کیا ذکر چکاتی نہیں مجھ کو

چھاتی سے لگاتا نہیں تو قتل ہی کر یار
یہ روز کی تکرار تو بھاتی نہیں مجھ کو

سکتا ہو تجھے دیکھ کے رخسارۂ قاتل
کیوں آئینہ شمشیر دکھاتی نہیں مجھ کو

کچھ عار نہیں تیری خوشامد سے پر اے یار
مجبور ہوں میں اس سے کہ آتی نہیں مجھ کو

وہ مجرم بیقدر ہوں مقتل میں بھی تیرے
تلوار تری ہاتھ لگاتی نہیں مجھ کو

جھوٹوں بھی مجھے خوش نہیں کرتی مری تقدیر
تصویر کی صورت بھی ہنساتی نہیں مجھ کو

آئینے کی صورت ہمہ تن چشم ہوں لیکن
اپنی بھی وہ صورت نظر آتی نہیں مجھ کو

ہو خواب میں آنیکا امیر اس سے جو وعدہ
موت ایک طرف نیند بھی آتی نہیں مجھ کو

پردے میں بھی منھ موت دکھاتی نہیں مجھ کو
کافور سے بوئے کفن آتی نہیں مجھ کو

افتاد ہو کیا موت جو آتی نہیں مجھ کو
ہوں ناز کسی کا کہ اٹھاتی نہیں مجھ کو

اس تنگ فضا سے میں نکل جاؤں کہیں دور
وحشت مری وہ راہ بتاتی نہیں مجھ کو

سر پر سے مرے ہو کے چلی جاتی ہو خلقت
کیا نقش قدم ہوں کہ مٹاتی نہیں مجھ کو

اس ڈر سے کہ برہم نہ ہو ہنگامۂ محشر
آتی ہو قیامت تو اٹھاتی نہیں مجھ کو

تھے گور ہی تک سب مرے منھ دیکھنے والے
اب ایک کی صورت نظر آتی نہیں مجھ کو

لاغر ہی میں ایسا ہوں تمہاری نہیں تقصیر
بستر پہ مری موت بھی پاتی نہیں مجھ کو

کرتی نہیں کب دختر رز مجھ سے شرارت
کس دن یہ بری آگ لگاتی نہیں مجھ کو

کوچے سے ترے میں جو نکلتا ہوں تو وحشت
ہے کون سا کوچہ کہ چھکاتی نہیں مجھ کو

اے ہمت دل ہاتھ میں قاتل کے ہے تلوار — اک دو قدم اور آگے بڑھاتی نہیں مجھکو
ہو جاؤں میں دو ہاتھ میں اس پار سے اُس پار — تلوار تری گھات دکھاتی نہیں مجھ کو
میں مست بھی اے دختر رز تشنہ لب ہوں ہو چور — کیوں درد کے مانند سمجھاتی نہیں مجھ کو
میکش میں بلا نوش ہوں خم منھ سے لگا دے — ساقی یہ صراحی تو جھکاتی نہیں مجھ کو
گردش مری قسمت کی چھڑاتی ہے وہ کوچہ — اے لغزش پا تو بھی گراتی نہیں مجھ کو

میں گل ہوں امیر آپ کو اس باغ کا سمجھوں
قسمت مری اتنا بھی ہنساتی نہیں مجھکو

اے ضبط دیکھ عشق کی اُنکو خبر نہ ہو — دل میں ہزار درد اٹھے آنکھ تر نہ ہو
مدت میں شام وصل ہوئی ہے مجھے نصیب — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو
اک پھول ہے گلاب کا آج اُنکے ہاتھ میں — دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کسی کا جگر نہ ہو
ڈھونڈھے سے بھی نہ معنی باریک جب ملا — دھوکا ہوا یہ مجھ کو کہ اُس کی کمر نہ ہو
فرقت میں یاں سیاہ زمانہ ہے مجھکو کیا — گردوں پہ آفتاب نہ ہو یا قمر نہ ہو
دیکھی جو صورت ملک الموت نزع میں — میں خوش ہوا کہ یار کا یہ نامہ بر نہ ہو
آنکھیں ملیں ہیں اشک بہانے کے واسطے — بیکار ہے صدف جو صدف میں گہر نہ ہو
الفت کی کیا امید وہ ایسا ہے بے وفا — صحبت ہزار سال رہے کچھ اثر نہ ہو
طول شب وصال ہو مثل شب فراق — نکلے نہ آفتاب الٰہی سحر نہ ہو

منھ پھیر کر کہا جو کہا میں نے حال دل
چپ بھی رہو امیر مجھے درد سر نہ ہو

ردیف ہائے ہوز

آیا نہ مر کے بھی شجر قد یار ہاتھ — طوبیٰ سے بھی بلند کہوں اسکو چار ہاتھ

پیری میں ضعف سے یہ نہیں رعشہ دار ہاتھ
ہیں دامن قضا کے لیے بے قرار ہاتھ

پہنچے کبھی نہ خواب میں بھی اُسکے پانوں تک
پیدا کیے تھے کیوں مرے پروردگار ہاتھ

دل کو مرے پنہاؤ یہ بیڑی یہ ہتھکڑی
ہیں پانوں کا قصور نہ تقصیر وار ہاتھ

تکلیف سانولوں کی جنوں میں نہیں پسند
دامن کو پھاڑ دوں میں بڑھائیں جو خار ہاتھ

اے گل یہ رنگ پنجۂ مرجاں میں بھی نہیں
دکھلا رہی ہے طرفہ حنا سے بہار ہاتھ

ہو مرگ مجھ کو زیست کے کوچے میں یار کے
دو گز زمین آگئی بہر مزار ہاتھ

دینے کی وجہ جنگ میں کیا ہے تمہیں کہو
کیا میرے دو ہیں اور رقیبوں کے چار ہاتھ

برہم نہ ہو پھنسا کے مرے دل کو زلف یار
خوش قسمتوں کو آتے ہیں ایسے شکار ہاتھ

ہائے جہاں میں راحت بے غم کہاں نصیب
پتوں سے ملتے ہیں شجر سایہ دار ہاتھ

جب جا ہے دوڑے ساتھ مرے قیس نجد میں
میدان جیت لونگا میں بڑھ کر ہزار ہاتھ

تڑپا میں بحر خوں میں تو قاتل نے یہ کہا
بیڑا ہے پار اور لگا تین چار ہاتھ

وہ سخت جان تھا غیر کا تب سر جدا ہوا
سفاک نے جو گن کے لگائے ہزار ہاتھ

ایک اُسکی چوٹ میں رہے سو سو پھکیت کھیت
کتنا منجھا ہوا ہے دم کارزار ہاتھ

سمجھے یہ سب کہ سیکڑوں منزل گیا امیر
پہونچا جہاں زمیں کے تلے کوئی چار ہاتھ

دل جو سینے میں زار سا ہے کچھ
غم سے بے اختیار سا ہے کچھ

رخت ہستی بدن پہ ٹھیک نہیں
جامۂ مستعار سا ہے کچھ

چشم نرگس کہاں وہ چشم کہاں
نشہ کیسا خمار سا ہے کچھ

نخل امید میں نہ پھول نہ پھل
شجر بے بہار سا ہے کچھ

ساقیا ہجر میں یہ ابر نہیں
آسماں پر غبار سا ہے کچھ

کل تو آفت تھی دل کی بیتابی
آج بھی بے قرار سا ہے کچھ

مردہ ہے دل تو گور ہے سینہ ‏ داغ شمع مزار سا ہے کچھ
اس کو دنیا کی اُس کو خلد کی حرص ‏ رند ہے کچھ نہ پارسا ہے کچھ
پہلے اس سے تھا ہوشیار امیرؔ
اب تو بے اختیار سا ہے کچھ

داغ غم بھی ہو دلا نالۂ شبگیر کیساتھ ‏ کہ سپاہی کو سپر چاہیئے شمشیر کے ساتھ
تیر پر تیر لگا دیکھ کے او صید افگن ‏ لوٹ جائے نہ قضا بھی کہیں نخچیر کے ساتھ
کیا شبیہ رخ گلگوں نے دکھایا عالم ‏ کھنچ گیا رنگ میں نقاش بھی تصویر کیساتھ
مانگ بالوں میں ہے ابرو ہے قریب خم گال ‏ تیغ عریاں وہ سپر پر یہ کماں تیر کیساتھ
حشر تک کشمکش زندگی و مرگ رہے ‏ قُم دم ذبح کہے یار جو تکبیر کے ساتھ
عرصۂ جنگ میں بھی پیچھے ہوئے او ساقی ‏ کیا مزا ہو جو چلے جام بھی شمشیر کے ساتھ
کیا ہوا تیری نگہ سے کوئی زندہ جو بچا ‏ تھک گئے پائے اجل دوڑ کے اس تیر کیساتھ
تو نے تیوری جو چڑھائی تو ہوئے سب قاتل ‏ کھنچ گئیں سیکڑوں تیغیں تری شمشیر کیساتھ
بحر ہستی میں کہاں چشم بقا مثل حباب ‏ اٹھتی ہے موج خرابی مری تعمیر کے ساتھ
میرے ہوتے نہ چھری پھیر کسی پر اے ترک ‏ کاٹ ڈالونگا گلا گردن نخچیر کے ساتھ
ہوں وہ دیوانہ رہا ہو کے بھی زنداں میں رہا ‏ کٹ گئے پانو بھی شاید مری زنجیر کے ساتھ
دی سزا اُس نے گناہوں کی مجھے ہنس ہنس کر ‏ دُرِّ نایاب ملے دُرّۂ تعزیر کے ساتھ
میرے پھنستے ہی ستمگر سے چھپا شوق شکار ‏ کٹ گئے تیر کے پر بازوئے نخچیر کے ساتھ
بھر دیا درد یہ رگ رگ میں غم گیسو نے ‏ ہڈی ہڈی مری غل کرتی ہے زنجیر کیساتھ
خط رخسار کو اس مہر کے کیا یاد کیا ‏ شرح شمسیہ پڑھی حاشیۂ میر کیساتھ
ناتوانی سے یہاں تک ہیں اسیری میں سبک ‏ پانوں اٹھجاتے ہیں اب نالۂ زنجیر کیساتھ
اسطرح ساتھ ہے گردوں کے مرا نالۂ دل ‏ جسطرح راہ میں رہتا ہے عصا پیر کیساتھ

بات سیدھی مری ہو جاتی ہے اُلٹی جو امیر
ضد ہے شاید مری تقدیر کو تدبیر کے ساتھ

اُنس رکھتا ہے بہت نالۂ شبگیر کے ساتھ — دل نکل جائے نہ یارب کہیں اس تیر کیساتھ

حوصلہ وار لگانے کا عبث ہے او ترک — کھنچ گئی روح بدن سے تری شمشیر کیساتھ

او کماندار یہ چٹکی کی صفائی کا ہے لطف — دل بھی پہلو سے نکل جائے ترے تیر کیساتھ

خوب دیکھا تو نہیں کوئی کسی کا پس مرگ — طفل ہمراہ جواں ہے نہ جواں پیر کیساتھ

قتل کرتے ہیں وہ میں انکو دعا دیتا ہوں — چلتی ہے میری زباں یار کی شمشیر کیساتھ

چرخ گرداں ہے وہی رستم و سہراب کہاں — تھک گئے کیسے جواں دوڑ کے اس پیر کیساتھ

صید اُس ترک کا بچتا نہیں کتنا بھاگے — کوسوں آتی ہے قضا دوڑ کے نخچیر کے ساتھ

یار کے حسن جوانی کو مٹاتا ہے فلک — میں بھی مٹ جاؤں الٰہی اسی تصویر کیساتھ

حسن صورت نے مصور کو کیا مستغنی — ہاتھ کھینچا ہے جہاں سے تری تصویر کیساتھ

کب پھریں گوشہ نشیں لاکھ زمانہ پھر جائے — قطب گردش نہیں کرتا فلک پیر کیساتھ

میں صبیحوں کا ہوں بیمار مرے نسخے میں — عرق شیر بھی ہو قرص طباشیر کے ساتھ

قابل نطق نہیں کلک کے مانند زباں — خامشی خلق ہوئی ہے مری تقریر کیساتھ

ظلم یاد آتے ہیں اُس بت کے جو پڑھتا ہوں نماز — منھ سے فریاد نکل جاتی ہے تکبیر کے ساتھ

پہلوئے ہر میں ذرہ نظر آئے سب کو — حور کا نقشہ جو کھینچیں تری تصویر کیساتھ

ہوں وہ نخچیر تجھے دیکھ کے یہ گھبرایا — دست قاتل سے کماں چھوٹ گئی تیر کیساتھ

کیا عجب میں بھی شہیدوں میں ہوں محسوب امیر
اُنس رکھتا ہوں بہت حضرت شبیرؑ کیساتھ

بڑھ کے تصویر سے لاغر ترا حیران ہے کچھ — ہڈیاں چار بدن میں ہیں فقط جان ہے کچھ

وصل کی راتیں بڑی ہجر کی چھوٹی ہوں اگر — یہ تو کہہ اے فلک اسمیں ترا نقصان ہے کچھ

میرے مرنے کی خبر کوئی کہے تو اُس سے — کہیں سودا کیا نہ سمجھ جائیگا نادان ہے کچھ
وصل میں بولے وہ گھبرا کے مری صحبت سے — کیا کرے بات کوئی اس سے یہ انسان ہے کچھ
یاد غیروں کو تو ہر وقت کیا کرتے ہو — یہ تو فرماؤ ہمارا بھی کبھی دھیان ہے کچھ
حال پوچھے جو وہ قاصد فقط اتنا کہنا — آجکل غم ہے بہت سخت پریشان ہے کچھ

دیجے بوسہ مجھے وہ وصل میں کہتے ہیں امیر
سچ بتاؤ دل میں ترے اور بھی ارمان ہے کچھ

رند مشرب ہم ہوئے دست سبو بردھر کے ہاتھ — دستگیری اب ہے ساقی ساقی کوثر کے ہاتھ
عشق بت تخانے سے جانے نہیں دیتا مجھے — دب گیا ہے کیا کروں زاہد تلے پتھر کے ہاتھ
دخل جو رکھتا ہے فن میں قدرداں ہوتا ہے خوب — بیچئے آئینۂ دل چل کے اسکندر کے ہاتھ
لاش بھی بعد خوں اُسی کے کوچے میں ہو یا خدا — دامن جلاد آیا ہے مجھے مر مر کے ہاتھ
اس لیئے تا جائے نامہ کوئی دیجائے فریب — خط مجھے بھیجا تو بھیجا اُسنے بازیگر کے ہاتھ
سخت جانی مجھ کو شرمندہ نہ قاتل سے کرے — آبرو اب اے گلو ہے تیزیٔ خنجر کے ہاتھ
فصل گل آئی ہوئے سب مست اب کیسا لحاظ — گردن قاضی میں ہیں مست مے احمر کے ہاتھ
لاکھ ہو ساماں دولت ایک بھی رہتا نہیں — دونوں خالی پائے بعد مرگ اسکندر کے ہاتھ

دست نازک سے اُٹھینگے کب کڑے بھاری امیر
گر سُنے میری تو باندھوں سامنے زرگر کے ہاتھ

ردیف یائے تحتانی

زیور سے بڑھ کے تجھ کو تری چال ہو گئی — موج خرام پانوں میں خلخال ہو گئی
زلف اُسکی مرغ دل کیلئے جال ہو گئی — چوٹی گندھی تو جان کا جنجال ہو گئی
اللہ رے گرمیاں تری وحشی کی اے پری — زنجیر پانوں میں جو پڑی لال ہو گئی

کیسا سلوک مجھ سے کیا اشکِ شرم نے — زائل سیاہیِ خطِ اعمال ہو گئی
خوش خوش سمندِ ناز کو دوڑا رہے ہیں وہ — کیا غم کسی کی لاش جو پامال ہو گئی
چھوٹا وہ ہجر حشر پڑے ہم عذاب میں — فرقت میں جو گھڑی تھی وہ گھڑیال ہو گئی
دیتا ہماری لاش کو غربت میں کون غسل — روئی جو چشمِ تر وہی غسال ہو گئی
یہ وصف میں کیا شعرا نے مبالغہ — نقطہ دہانِ تنگ کمر بال ہو گئی
ملتے نہیں جو سکۂ داغِ جنوں ہمیں — اے عشق بند کیا تری ٹکسال ہو گئی
دل مل گئے وصال کے سودا ٹھہر گیا — الفت کی آنکھ بیچ میں دلال ہو گئی
ادبار تھا فراق تھا جب تک کہ یار سے — وہ مل گئے ترقیِ اقبال ہو گئی
راتوں کو چھپ کے آنے لگا ہے وہ مہر وش — ہر شام صبحِ غرۂ شوال ہو گئی
پایا نہ اس سے تو نے کبوتر جواب خط — آنکھ اس سے روتے روتے تری لال ہو گئی
آیا تھا سوئے حشر میں تکفیر کے لئے — یاں تو شروع پرسشِ اعمال ہو گئی
ساقی جو دخترِ رز سا حسین کون خوش مزاج — کیں اور گرمیاں جو کہن سال ہو گئی
آرائش اُسکی زلف نے کس طرح سے کی — ہنسلی گلے میں پانوں میں خلخال ہو گئی
محفل میں کہہ رہی ہے انا الحق پکار کے — منصور کی زباں تری مہتال ہو گئی
کرتے ہیں فاقے فرقتِ زلفِ سیاہ میں — یہ کال لگا ہمارے لیے کال ہو گئی

اچھا ہوا کہ مرگ سے ہم پہلے مر گئے
ہونی تھی جو امیر وہ فی الحال ہو گئی

چاہنا ہم کو تو اُس کا چاہیے — وہ ہمیں چاہے تو پھر کیا چاہیے
دل نے جب پوچھا مجھے کیا چاہیے — درد بول اٹھا تڑپنا چاہیے
کان جب آواز سنتے ہیں تری — آنکھ کہتی ہے کہ دیکھا چاہیے
بوالہوس اور ادعائے سوزِ عشق — داغ کھانے کو کلیجا چاہیے

دل مرا کہتا ہے سنکر شور حشر ۔۔۔ یہ نمک زخموں پہ چھڑکا چاہئے
وعدہ آنے کا ہوا اُن سے خواب میں ۔۔۔ خواب کب آتا ہے دیکھا چاہئے
حرص دنیا کا بہت قصہ ہے طول ۔۔۔ آدمی کو صبر تھوڑا چاہئے
طالب بے پردگی ہو اُن سے حسن ۔۔۔ شرم کہتی ہے کہ پردا چاہئے
امتحاں ہے دوست دشمن کا عبث ۔۔۔ یہ تو اپنے دل سے پوچھا چاہئے
دوست میرا ہنس رہا ہے غیر سے ۔۔۔ جان کو دشمن کے رو دیا چاہئے
خشک لب ہیں صورت دریا تو ہوں ۔۔۔ وسعت دل مثل دریا چاہئے
ترک لذت بھی نہیں لذت سے کم ۔۔۔ کچھ مزہ اس کا بھی چکھا چاہئے
یوں وہ بولے میں نے جب اُنسے کہا ۔۔۔ چاہنے والوں کو چاہا چاہئے
تم نے چاہا مجھ کو میں نے غیر کو ۔۔۔ اپنا اپنا جی اسے کیا چاہئے

ہے مزاج اس کا بہت نازک امیر
ضبط اظہار تمنا چاہئے

مشکل آساں نہ ہوئی تیرے گنہگارونکی ۔۔۔ حیف منھ موڑ گئی باڑھ بھی تلوارونکی
ہچکیونکی ملک الموت نے ٹھلائی ہے ڈاک ۔۔۔ موت کے گھر میں ہے دعوت ترے بیمارونکی
کرتا انکار مرے خون سے اے تیر فگن ۔۔۔ دیکھ کچھ کہتی ہے سرخی ترے بیمارونکی
چار سر پھوڑتے ہیں چار کھڑے روتے ہیں ۔۔۔ مجلس وعظ نہیں بزم ہے میخوارونکی
اک ذرا پانوں اُٹھائے ہوئے اے توسن گر ۔۔۔ مدتوں سے خبر آئی نہیں کچھ یارونکی
کھولکر بال جو آتے ہیں وہ زنداں کی طرف ۔۔۔ کچھ بڑھا جاتے ہیں میعاد گرفتارونکی
دم نکلنے پہ بھی ان ابرودونکا دھیان رہا ۔۔۔ قطع کی راہ عدم چھاؤں میں تلوارونکی
دل شکستہ ہے جو توبہ تو عجب کیا زاہد ۔۔۔ ہے نکالی ہوئی صحبت سے یہ میخوارونکی
سب کو پاس اپنونکا ہوتا ہے یہ ہے عفو کا حکم ۔۔۔ بگیا ہوں سے صف آگے ہو گنہگارونکی

پیچھے پر طائروں کو دیتا ہو صیاد قضا
قینچیاں پہلے عطا ہوتی ہیں منقاروں کی

خون گرفتہ ہوں میں الیسا مری شکر آید
ڈاک بٹھلائی ہو قاتل نے خبرداروں کی

آئے کیسی ہی کڑی اُف نہیں کرتے عاشق
قید آواز بھی ہے ان کے گرفتاروں کی

میں وہ وحشی ہوں کہ جب کوچۂ جاناں میں گیا
سایہ پوشیدہ ہوا آڑ میں دیواروں کی

ہو مزہ وصل کا کیا ہوش اُڑا دیتی ہو
بھینی بھینی مہک اے یار ترے ہاروں کی

ہمہ تن فکر ہوں میں فکر غزل کیا ہو امیر
شعر گوئی نہیں خاطر ہے فقط یاروں کی

سیر منظور ہے اُس ماہ کو بازاروں کی
اب چمک جائیگی تقدیر خریداروں کی

حد نہیں کچھ مرے یوسف کے خریداروں کی
پھونک دے شہر نہ گرمی کہیں بازاروں کی

اُنکی پلکوں سے یہ قالب کئے تیروں نے تہی
شکل پیکانوں میں پیدا ہوئی سوفاروں کی

نامہ بر کوچۂ قاتل کا یہ کافی ہے پتا
مینہ وہاں تیروں کا بوچھار ہے تلواروں کی

ہوں وہ دیوانہ گلیسو کہ گریباں کے عوض
چوٹیاں ہاتھ میں رکھتا ہوں میں کہساروں کی

گھر سے تو کھینچ کے شمشیر نکل تو قاتل
بھیڑ چھٹ جائیگی دم بھر میں گنہگاروں کی

کوکناروں کی ہوا سے نہیں ہلتے ہیں درخت
ڈولیاں ہیں یہ ترے خال کے بیماروں کی

دفعتہ پڑ گئی جب چاہ زنخداں پہ نگاہ
چار ہیں آنکھیں گڑھے میں ترے بیماروں کی

مر گئے ہم تو بنا آئینہ خانے میں مزار
دل سے الفت نہ گئی آئینہ رخساروں کی

اتنی توفیق معلم کو الٰہی ہو کہ دے
ساتھ عیدی کے اُسے فرد گنہگاروں کی

بوسۂ لب نہیں دیتے وہ شکر رنجی سے
تلخ ہو زیست نہ کس طرح نمکخواروں کی

داور حشر سے محشر میں کہیں گے میخوار
یہی ٹکری رہی جاتی ہے گنہگاروں کی

ایسے زنداں محبت میں ہیں چوکی پہرے
کہ نکل سکتی نہیں جان گرفتاروں کی

چٹکیاں لیں یہ کلیجے میں کہ دل چیخ اٹھا
دو گھڑی بیٹھے تھے کل بزم میں وہ یاروں کی

گر گئی آپ مری لاش پہ خاک امیر
مر گئے تکلیف گوارا نہ ہوئی یاروں کی

میں رو کے آہ کرونگا جہاں رہے نہ رہے
زمیں رہے نہ رہے آسماں رہے نہ رہے

رہے وہ جان جہاں یہ جہاں رہے نہ رہے
مکیں کی خیر ہو یارب مکاں رہے نہ رہے

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں
پھر اسقدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے

بس شباب ہے کیا اعتبار جمع حواس
کہ ایک شب ہے سوا کارواں رہے نہ رہے

خدا کے واسطے کلمہ بتوں کا پڑھ زاہد
پھر اختیار میں غافل زباں رہے نہ رہے

ہمارے دل سے مٹے گا نہ داغ شوق سجود
جبیں رہے نہ رہے آستاں رہے نہ رہے

خزاں تو خیر سے گذری چمن میں بلبل کو
بہار آئی ہے اب آشیاں رہے نہ رہے

چلا تو ہوں پئے اظہار درد دل دیکھوں
حضور یار مجال بیاں رہے نہ رہے

گرونگا مر کے بھی میدان عشق میں تگ و تاز
سمند عمر رواں زیر راں رہے نہ رہے

تڑپ رہی جو یہی دل بعد نے کے
زمین گور تہ آسماں رہے نہ رہے

قیام روح پہ قالب میں اعتماد نہ کر
کچھ اعتبار نہیں میہماں رہے نہ رہے

رواں ہے تیغ لگا دے مرا بھی بیڑا پار
پھر اسطرح سے یہ کشتی رواں رہے نہ رہے

شب وصال غنیمت ہے پھر خدا جانے
کہ صبح کو وہ قمر مہرباں رہے نہ رہے

چلا ہوں کوچۂ قاتل کو سر کے بل دیکھوں
یہ حال دل کا دم امتحاں رہے نہ رہے

دو روزہ زیست غنیمت ہے ذکر حق کر لے
بدن میں جان دہن میں زباں رہے نہ رہے

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

زمانہ ہوگیا مدہوش چشم مست دلبر سے
تماشا ہے یہ جھلکی محفل کی محفل ایک ساغر سے

پڑا ہے داغ میرے دل میں عشق قند دلبر سے
یہ سودا ہاتھ آیا ہے مجھے بازار محشر سے

گریزاں کیوں نہ ہوں اغیار میری آہ کو سنکر — شیاطیں بھاگتے ہیں نعرۂ اللہ اکبر سے
چمن میں جا کے یہ گل دنی چالیں دکھاتے ہیں — گلوں سے تن کے چلتے ہیں اکڑتے ہیں صنوبر سے
یہ روز و شب نہیں کٹتے ہیں غافل زندگانی کے — نکلتا ہے ہر روز اک دو ورقہ تیرے دفتر سے
بٹھا کر روبرو مجھ کو جو دیکھا اُس نے آئینہ — مقدر لڑ گیا میرا سکندر کے مقدر سے
جواب خط نہ لائے دونوں آخر روز حشر آیا — الٰہی اب لڑوں قاصد سے یا جھگڑوں کبوتر سے
حسیں کہتے ہیں مرے دل کو پاکر اپنے مجمع میں — نکلکر اب کہاں جاتا ہے یہ نخچیر لشکر سے
نہایت الفت چاہ ذقن میں دل پریشاں ہے — کنوئیں میں گر پڑا ہے ہو سکے اب کیا شناور سے
ہوا ہیں طالب دنیا تو دنیا رنگ پر آئی — کئے ہیں اس دلہن نے لال کپڑے خون شوہر سے
نہیں حاجت روا ہم جنس ہم جنسوں کے دنیا میں — یتیموں کی بجھی ہے پیاس کس دن آب گوہر سے
رہا بیتاب حرص زر میں یہ سیماب کی صورت — بناؤ تختۂ قبر ہوس اس کی چادر سے
چمن میں اب تو زیر سایۂ انگور بیٹھا ہوں — ٹپک کر گر پڑیگا کوئی تو دانہ مقدر سے
چڑھا جاتے تھے خم کے خم کبھی حلقے میں مستوں کے — وہی ہم ہیں کہ بہہ جاتا ہے سر اک دو ساغر سے
غبار جہل اُڑا دیتا ہے فیض صحبت کامل — شعاع مہر تاباں کم نہیں سایے کو شہپر سے
جزائے خیر دے اللہ میرا میرے قاتل کو — کہ سارا نامۂ اعمال دھویا آب خنجر سے
یہ ایما کسکے شہباز نظر کا تھا کہ رستے میں — لیا خط اس نے نامہ توڑ کر بازو کبوتر سے

امیر اک قطرہ آنسو کا گراں ہے موئے مژگاں پر
گرہ رشتے کی سوزن کے لیئے بڑھ کر ہے لنگر سے

ہوئیں پُر نور آنکھیں جلوۂ رخسار دلبر سے — ہمارا طالع خوابیدہ چونکا شور محشر سے
چھکا دے بادہ خواروں کو شراب روح پرور سے — مٹا دے ساقیا دوران سر کو دور ساغر سے
تڑپ کر جیب کل چلتا ہوں میں کوئے ستمگر سے — اشارہ کرتی ہیں آ لپٹیں تیغیں یہ چشم جوہر سے
ندامت سے جبیں یہ زاہدان خشک روتے ہیں — چھپیگی روسیاہی خاک اس پانی کی چادر سے

جواب خط نہیں آیا ہے پیغام اجل آیا
لکھا تعویذ اُس نے قبر کا خون کبوتر سے

پلا دے بادہ ہم کو تجل اتنا بھی نہیں اچھا
کہ خم خالی نہ ہو جائیگا ساقی ایک ساغر سے

آل کار کی صورت نظر آتی تو رو دیتا
بر نگ اشک گرتا آئینۂ چشم سکندر سے

دُرِ گوش صنم کے وصف میں لازم ہے ترا رہی
تیمم کیجئے گرد یتیمی سے مرے گوہر سے

پر پرواز کی حاجت ہے کیا رنگ پریدہ کو
شکست خاطر اس طائر کے حق میں کم نہیں پر سے

وہ منصف ہوں جو خال و خط جاناں کا کل لالا بو
مگس کا شہد سے منہ بھر دیا موروں کا شکر سے

کیا قمری کو صیاد ازل نے سرو کا قیدی
شکار اُڑتے ہوئے طائر کا کھیلا تیر بے پر سے

ہیں وہ دیوانہ قامت ہوں جاتا ہوں جو گلشن میں
لپٹ جاتا ہے سایہ خوف کے مارے صنوبر سے

تری تیغ نگہ کا جب دم ایجاد دھیان آیا
سکندر نے زرہ پہنائی آئینے کو جوہر سے

مقدر ہی جو دار دوں ہو تو کام آتی ہے کب دولت
ہمیشہ خاک چھنوائی فلک نے کیمیا گر سے

جواب نامہ لکھ کر طرفہ شوخی کی امیر اس نے
کہ مقراض آسیہ کی ظالم نے منقار کبوتر سے

پھولوں میں اگر ہے بو تمہاری
کانٹوں میں بھی ہو گی خو تمہاری

اُس دل پہ ہزار جان صدقے
جس دل میں ہے آرزو تمہاری

دو دن میں گلو بہار کیا کی
رنگت وہ رہی نہ بو تمہاری

چٹکا جو چمن میں غنچۂ گل
بو دے گئی گفتگو تمہاری

مشتاق سے دور بھاگتی ہے
اتنی ہے اجل میں خو تمہاری

گردش سے ہے مہر و مہ کے ثابت
ان کو بھی ہے جستجو تمہاری

آنکھوں سے کبھو کمی نہ کرنا
اشکوں سے ہے آبرو تمہاری

لو سرد ہوا میں نیم بسمل
پوری ہوئی آرزو تمہاری

سب کہتے ہیں جس کو لیلۃ القدر
ہے کاکل مشک بو تمہاری

تنہا نہ پھرو امیر شب کو
ہے گھات میں ہر عدو تمہاری

جو ہو بہار اُس کو خزاں کا خطر بھی ہو
اے باغبان لعبت کی تجھ کو خبر بھی ہو

گاہک ہوں خاک جوہریوں کو نظر بھی ہو
یہ اشک خوں تو لعل بھی ہے اور گہر بھی ہو

سینے سے دیکھ بھال کے ناوک کو کھینچنا
ناوک کیساتھ یار کسی کا جگر بھی ہے

محشر میں ہونگے تیرے ستم کے یہ دو گواہ
ہمراہ زخم دل بھی ہے داغ جگر بھی ہے

کونین میں ہے جلوۂ حسن و جمال دوست
ہے ایک روشنی کہ اِدھر بھی اُدھر بھی ہے

کیا یہ بھی تیری الفت عارض میں ہے مریض
تپ بھی ہے آفتاب کو دوران سر بھی ہے

کیا فایدہ کریں جو رفوگر سے التجا
صد چاک مثل جیب ہمارا جگر بھی ہے

فرقت کی شب میں کوئی ٹھکانا نہیں ہے یاس
اس مہر کیطرح سے گریزاں سحر بھی ہے

صد چاک ہے جو دل تو جگر داغدار ہے
دیکھو تو ایکجا یہ کتاں بھی قمر بھی ہے

محبوب حق کا خاص یہ رتبہ ہے اے امیر
داخل ہو لامکاں میں یہ حد بشر بھی ہو

عمر رواں کو جانی کوئی موج آب کی
تار نفس نگاہ ہے چشم حباب کی

نوبت نہ آئی اپنے حساب و کتاب کی
اللہ شام بھی ہوئی روز حساب کی

یوں وہ سیاہکار ہوں جب ہوا میں دفن
چلاتی ہے زمیں مری مٹی خراب کی

امیدوار بارش ابر کرم ہیں ہم
بجلی گرائیے نہ نگاہ عتاب کی

اللہ رے قدر میرے گناہوں کی روز حشر
تعظیم کو کھڑی ہوئی میزان حساب کی

سو جانیں ہوں تو تیغ پہ تیری فدا کروں
کیا جلد کٹ گئی ہے گھڑی اضطراب کی

باندھی ہے سر دھری گردوں نے کیا ہوا
نکلی ہے برق اوڑھ کے کملی سحاب کی

مصروف یاد دوست ہوں اے منکر و نکیر
پوچھا کرو یہاں نہیں فرصت جواب کی

ڈرتے نہیں ہو ساقی کوثر سے واعظو — منبر پہ بیٹھ کر یہ مذمت شراب کی
بلبل کے جذب عشق سے گل اور اڑ چلے — کھنچنے سے اور تیز ہوئی بو گلاب کی
چلتی ہے مثل موج جو وہ تیغ آبدار — مٹھی میں جان رہتی ہے ہر دم حباب کی
ایک ایک تل ہے عارض جاناں کا لاجواب — قرآں کو احتیاج نہیں انتخاب کی
یہ وجہ ہے جو عارض جاناں پہ ہے نقاب — کرتی ہے جلد خوب حفاظت کتاب کی
ان غافلوں سے غفلت دل اپنی کیا کہیں — مردے نہ دیکھیں کبھی تعبیر خواب کی

وہ رشک ماہ منہ سے لگاتا نہیں امیر
مٹی خراب ہے قدح آفتاب کی

چمکی یہ روئے یار سے قسمت نقاب کی — جالے سے چھن رہی ہے کرن آفتاب کی
دولت لٹا رہے ہیں وہ حسن شباب کی — کیا جانے کیا سمجھ کے یہ سوجھی ثواب کی
کھوئی کدورتوں نے ہماری صفائے دل — اس آئینے کی زنگ نے مٹی خراب کی
سجدے کیے ہیں میں نے کہ خط جبیں اٹھا — ایسی ہوئی خوشی مجھے خط کے جواب کی
کیف ہوائے وادی وحشت سے مست ہوں — آہو کی شاخ مجھ کو قلم ہے شراب کی
سوتے تھے وہ لپٹ کے کبھی ہم سے رات بھر — اب کیا کریں وہ ذکر کہ باتیں ہیں خواب کی
بولے وہ چاندنی میں ہوئے جب عرق عرق — گرمی ہے ماہتاب میں بھی آفتاب کی
ساحل کی سیر کو اگر آئے وہ بحر حسن — دریا اچھالنے لگے ٹوپی حباب کی
نقشہ ہی اپنے روئے کتابی کا کھینچ دو — ہے ہم کو نقل و اصل برابر کتاب کی
دریا پہ یا خدا یہ چڑھی کس کی فوج اشک — چادر ہلا رہی ہے جو ہر موج آب کی
اندازے سے جو باقی ہو باہر مرے گناہ — زور اپنا تولتی ہے ترازو حساب کی
کیا قہر ہے کہ روز قیامت ہوا تمام — دیکھی گئی نہ فرد ہمارے حساب کی
واعظ تری سمجھ کے بھی قربان جائیے — قرآں میں تو طہور صفت ہے شراب کی

گلشن میں بلبلیں ہیں ہماری طرح سے مست　　ساقی گلابیاں ہیں کہ کلیاں گلاب کی

شہرت اگر نہ مے کی ہو اس نام سے امیر
دنیا میں آبرو نہ رہے آفتاب کی

مانگا جو بوسہ آنکھ دکھائی عتاب کی　　تھا بے دہن تو بات بھی کیا لاجواب کی
کیا قہر ہے کہ چھوڑ کے بھٹی شراب کی　　بھیجا بہشت میں مری مٹی خراب کی
موسیٰ کو یہ چھپی ہے کہ برق جمال بھی　　اک تہ اتر گئی تھی تمہارے نقاب کی
مے پیجیے تو طارم انگور کے تلے　　تاروں کی چھاؤں میں ہو بہار آفتاب کی
انساں کا دل تلاطم الفت صد آفریں　　دیکھو بساط کیا ہے غریب اک حباب کی
کس شہسوار حسن کا ہے اس کو انتظار　　اب تک کھلی ہوئی ہیں جو آنکھیں رکاب کی
آواز صور سنکے میں کیوں اٹھ کھڑا ہوا　　کچھ یہ تو ایسی بات نہ تھی اضطراب کی
نقاش کیا تمام مرقع نے رو دیا　　تصویر دیکھ کر مری چشم پر آب کی
دنیا ہی میں سزا مجھے غفلت کی ہو گئی　　تعبیر خواب ہی میں ملی مجھکو خواب کی
اللہ رے جوش شرم معاصی کا بعد مرگ　　چادر مرے مزار کی چادر ہے آب کی
تا سب پہ شان عفو نمایاں ہو روز حشر　　چن لی ہے اس نے فرد ہمارے حساب کی
ساقی کا دل ضرور مکدر ہے کچھ نہ کچھ　　تلچھٹ ہوئی ہے ہمکو عنایت شراب کی
غم میں بشر ہو کیوں نہ بشر کا شریک حال　　تڑپی جو موج آنکھ بھر آئی حباب کی
احسان سر پہ ناخن شمشیر یار کا　　کیا دم سے کھولدی ہے گرہ پیچ و تاب کی
دیکھو تو اتحاد ذرا حسن و عشق کا　　بلبل کے آنسوؤں میں ہے خوشبو گلاب کی

ان غافلوں سے غفلت دل کیا کہیں امیر
مردے نہ دے سکیں کبھی تعبیر خواب کی

وہ چاٹ دوں کہ کرے نہ مذمت شراب کی　　واعظ کے منہ پہ مہر لگا دوں کباب کی

پردہ چمک ہے اُس کے رخِ بے حجاب کی
حاجت ہے کیا نقاب پر اُسکو نقاب کی

ساقی میں رند دیکھ کے دوزخ کو روزِ حشر
سمجھا کہ گرم ہے کوئی بھٹی شراب کی

کیا بے حساب حشر میں چھوٹیں گنا ہگار
باری جو پہلے آئے ہمارے حساب کی

گریاں وہ ہوں کہ جب مری تربت پہ آگیا
چادر چڑھائی ابر نے رو رو کے آب کی

قالب میں روح بند فرشتوں نے کی عبث
بے فائدہ غریب کی مٹی خراب کی

خُم عرق میں ڈوب کے آبِ رواں بنی
دیوار بھر گئی ہے کٹوری حباب کی

خواہش بجائے نشہ ہے سوزِ دل کی ہے
ساقی شراب دے مجھے اشکِ کباب کی

حیراں ہیں جا کے اہلِ عدم سے کہینگے کیا
جی بھر کے سیر کی نہ جہانِ خراب کی

مقتل ترا تمام زمانے سے ہے جدا
قاتل ہے بحرِ تیغ ہے موج اضطراب کی

کتنا دنی ہے چرخ جو مہماں ہوئے مسیح
دی ایک نانِ خشک انھیں آفتاب کی

دکھلا رہی ہے دخترِ رز رنگ برقِ طور
یہ جوتی ہے طور کی مجھے بوتل شراب کی

دی جان کس نے وادیِ غربت میں تشنہ لب
ہے موج موج چاک گریباں سراب کی

فرقت میں ہے یقیں کہ شبِ زندگی ہو صبح
پیدا ہے دردِ دل میں چمک آفتاب کی

اُس بت پہ عاقبت دلِ ناصح بھی آگیا
اللہ نے ہماری دعا مستجاب کی

فرقت میں دل جلاتی ہے بوئے کباب امیرؔ
رہ رہ کے موجیں آتی ہیں مجھ کو شراب کی

حالت لکھی ہے رو کے اسے اضطراب کی
سطریں ہیں کہ پیچ و تاب میں موجیں ہیں آب کی

آئے مزار پہ ہوئی خفت عذاب کی
مدت کے بعد راہ چلے وہ ثواب کی

نیرنگیاں ہیں طرفہ رخِ بے نقاب کی
سرخی شفق کی ہے تو چمک آفتاب کی

تم شہسوارِ حسن ہو لگ جائے گی نظر
گھوڑے سے اترو آنکھ بچا کر رکاب کی

زاہد جانتے ہیں جسے آفتابِ حشر
تصویر ہے وہ دخترِ رز کے شباب کی

وہ بد نصیب ہوں کبھی جاؤں جو میں اُدھر
اُڑ جائے میکدے سے ہر اک بط شراب کی

لخت دل برشتہ نکلتے ہیں چھپ کے ساتھ
ہر بد آہ سیخ ہے گویا کباب کی

ساقی وہ ہم کو موسم گل میں شراب دے
خوشبو ہو جسمیں مشک کی رنگت شہاب کی

دی جان کتنے وادی غربت میں تشنہ لب
ہر موج موج چاک گریبان سراب کی

وہ بے نشان ہیں ہم کہ فرشتوں کو روز حشر
ڈھونڈھے ملی نہ فرد ہمارے حساب کی

وقت شنا بزاکت جاناں کو دیکھنا
موج آگئی جو لگ گئی ٹھوکر حباب کی

عاشق پسند کیوں نہ کریں زہر چشم یار
میکش کو خوشگوار ہو تلخی شراب کی

طفلی سے مجھ کو بادہ کشی کا ہے ذائقہ
ملتی تھی شیر دایہ میں لذت شراب کی

رکھو گر بہ دست حنائی نہ رقص میں
اس مو کو احتیاج نہیں کچھ خضاب کی

اللہ اٹھ کے بیٹھ گیا راہ شوق میں
میرے غبار نے مری مٹی خراب کی

وہ مست بے خبر ہے نہ سمجھیگا واعظو
کہیئے امیر سے نہ عذاب ثواب کی

ہم غش ہیں اُسکا روزن دیوار بند ہے
کیا آنکھیں کھولیے رہ دیدار بند ہے

خلقت کو ہے یہ اُسکے نظارے کا اشتیاق
گھر کی ابھی کھلی نہیں بازار بند ہے

رستم کا منہ ہے یہ کہ دم جنگ منہ چڑھے
لاکھوں پہ بھی نہیں تری تلوار بند ہے

توبہ کا در تو وا ہے وہیں جا رہیں گے ہم
کچھ غم نہیں اگر در خمار بند ہے

خوش چشم جتنے ہیں وہ تجھے دیکھ کر ہیں غش
گلشن میں چشم نرگس بیمار بند ہے

یوسف کو پوچھتا نہیں کوئی ترے حضور
مدت ہوئی کہ مصر کا بازار بند ہے

بلبل کو وصل گل ہو مبارک کہ دیر سے
سوتا ہے باغباں در گلزار بند ہے

چپ لگ گئی ہے تیرے لب لعل کے حضور
مانند غنچہ لال کی منقار بند ہے

یارب جہاں میں عید ہو جائے مہ صیام
مدت سے مے فروش کا دربار بند ہے

سجدہ لیئے تھا ہاتھ میں اے بت جو کل تلک
وہ آج تیرے عشق میں زنار بند ہے

ارشاد جو ہوا تھا زباں سے دم نخست
بندہ اسی کا آج تلک کاربند ہے

اور ونکا ذکر کیا لب جاں بخش کے حضور
عیسیٰ کا ناطقہ دم گفتار بند ہے

اظہار خط ہو اُس رخ گلرنگ پر امیر
یا گل کے گرد باغ میں یہ خار بند ہے

بے وجہ ایک ماہ لقا سے بگڑ گئی
تقدیر کیا فلک کی جفا سے بگڑ گئی

سونگھی جو بوئے زلف بڑھا اپنا درد دل
طبع مریض اور دوا سے بگڑ گئی

پوچھو خرابی تن خاکی کا کچھ نہ حال
تعمیر اُس مکان کی بنا سے بگڑ گئی

جا کر مسیح اور مریضوں کو دیں شفا
اپنی تو سانس قم کی صدا سے بگڑ گئی

کیسا فتور چار عناصر میں پڑ گیا
پانی سے آگ خاک ہوا سے بگڑ گئی

اپنی طرف سے فکر ہو لازم بناؤ کی
بگڑی جو خوئے یار بلا سے بگڑ گئی

سامع خدا ہے قصۂ موسیٰ دلیل ہے
اچھوں کی بھی بڑوں کی دعا سے بگڑ گئی

کچھ دلکا حال گرد کدورت میں خوب تھا
اس آئینے کی شکل جلا سے بگڑ گئی

ہمکو چمن سے کیا کہ ہوا خواہ دام ہیں
گلچیں سے باغباں سے صبا سے بگڑ گئی

حاضر ہے دوسرا نہ سہی ایک نامہ بر
ہد ہد سے بن گئی جو ہما سے بگڑ گئی

ہم مست بوسۂ لب ساقی ہیں اے امیر
بگڑی جو دخت رز سے بلا سے بگڑ گئی

دم بھر بھی دم اب آپکے گنہگار لے چکے
وہ بھر قتل میاں سے تلوار لے چکے

جسطرح ہو گا ناز بتوں کے اٹھائینگے
ذمے میں اپنے ہم تو یہ بیگار لے چکے

دھمکار ہی ہے گرمی بازار حشر کیا
ایسے ہزار سے تو ترے بیمار لے چکے

ہم بڑھ چلے جو وصل میں بولے وہ ناز سے
بس بس کہ بوسے ایک کے تم چار لیچکے

طاؤس کیباغ خاک اُڑائینگے اُنکی چال ٹھوکر ہزار جا دمِ رفتار لے چلے
دیکھیں کہ اب تغافل ساقی دکھائے کیا انگڑائیاں خمار میں میخوار لے چلے
ٹھہرے جو کوئے یار میں درباں نے یوں کہا آگے بڑھو کہ دم پسِ دیوار لے چلے
وہ حسن اب کہاں کہ ہوا آشکار خط رخ کی بلائیں گیسوئے خمدار لے چلے
بس بس زبان روک لو آزانہ بڑھ چلو ہم چپ ہیں آپ دن کی سو بار لے چلے
ملتی نہیں ہے نقد دو عالم پہ جنس وصل قیمت یہ ہے تو مول خریدار لے چلے
پردائے جسم کیا صدفِ بے گہر ہے آپ جلاد جان سا درِ شہوار لے چلے
اہل جہاں کو بستر آرام ہو نصیب کروٹ کہیں زمانۂ غدار لے چلے
کیا ہاتھ آئے اہل ہوس کو وہ مشک زلف سودا یہ جان دے کے خریدار لے چلے
آئے کبھی نہ آپ زیارت کے واسطے ہم تعزیہ بھی بن کے عزادار لے چلے

کب تک کٹے امیر پریشانیوں میں عمر
بل کی کہیں وہ طرۂ طرار لے چلے

ایک پوشیدہ کمر یار نے کیا رکھی ہے آنکھ بھی تنگی دہن ہم سے چرا رکھی ہے
کھینچ شمشیر ادا میان میں کیا رکھی ہے یہ بھی کیا گات ہے قاتل جو چھپا رکھی ہے
ہجو مے بیٹھ کے مسجد میں نہ کر اے واعظ ایسی شے ہے کہ قیامت یہ اُٹھا رکھی ہے
اک ذرا وحشت دل بڑھ کے خبر تو لینا خاک کیا نجد میں مجنوں نے اُڑا رکھی ہے
بزم مے میں جو گئے ہم تو کہا ساقی نے اک صراحی تری خاطر بھی لگا رکھی ہے
نگہ ناز سے بھی دیکھ جو کرتا ہے حلال یہ ادا کس کے لیئے تو نے اٹھا رکھی ہے
سامنے کرکے نگہ مجھ سے یہ قاتل نے کہا کہ ترے دم کو یہ تلوار لگا رکھی ہے
نہ دکھاتے ہیں کمر کو نہ دہن کو یہ بت اچھی جو چیز تھی وہ آپ اُڑا رکھی ہے
حشر کے دن نہ شکایت میں کمی کرا دل اب یہ کس دن کیلئے تو نے اٹھا رکھی ہے

نمک افشاں جو ہوا زخم پہ وہ ہنس ہنس کر
میں یہ سمجھا کوئی قاتل نے دوا رکھی ہے

غیر کے ساتھ دغا کر کے وہ مجھ سے بولے
یہ وہی بات ہے جو تم نے بتا رکھی ہے

جا کے لے آئے اُسے پھر نہیں جھگڑوں نہ لڑوں
مختصر بات ہے ناصح نے بڑھا رکھی ہے

نزع میں آؤ تو اُس کو بھی تصدق کر دیں
جان اک سد رمق ہم نے بچا رکھی ہے

یار مختار ہے جو چاہے کرے ہم نے امیر
گردن عجز تہ تیغ رضا رکھی ہے

کیا دور ہو یہ اس کے جمال و جلال سے
چھپتے سے چھین لے کمر آنکھیں غزال سے

ڈالی سپر نجوم نے اس رخ کے خال سے
ابرو نے بڑھ کے نیمچہ چھینا ہلال سے

واقف ہوں اہل زیب جو اپنے مآل سے
سرمہ بھی پھر لگائیں تو گرد ملال سے

بوسہ نہ کس حسین کا ملا باغ حسن میں
ایک ایک پھول توڑ لیا ہر نہال سے

یہ رنگ جلد جلد بدلتا ہے وہ نگار
آئینہ شہر میں ہے ہجوم مثال سے

یہ کیف حسن ہو کہ تصور سے ہوش اڑیں
ہوتا ہے مست کب کوئی مے کے خیال سے

سمجھا میں جبیں گوشہ ابرو سے ہو کے صید
مارا فلک نے تیر کمان ہلال سے

بندوں کو چشم شوق بتوں کو دیا جمال
واقف ہے کون مصلحت ذوالجلال سے

کیا کیا چمک چمک کے نکلتے ہیں مہر و ماہ
گل تکیے بنکے چھو گئے کیا تیرے گال سے

سنبل نظر پڑا نہ کوئی گل نظر پڑا
خوشبو میں بڑھ کے زلف سے رنگت میں گال سے

صیاد میں تو طائر رفعت پسند ہوں
لٹکا مرے قفس کو تو شاخ ہلال سے

انجام کو نہ سوچ جو دنیا کی ہو طمع
ہاتھ آئے مال مد جو گرا دیں مآل سے

غمگین میں ہوا تو ہوا اُن کا صاف دل
چمکا یہ آئینہ مرے گرد ملال سے

دکھلا کے آنکھ دل نہیں مجھ مست کا لیا
تم نے شکار شیر یہ کھیلا غزال سے

چاہ ذقن میں دل ہو میں غافل ہزار حیف
یعقوب کو خبر نہیں یوسف کے حال سے

دونوں جہان میں ہے قیامت کا سامنا | اللہ کے جلال بتوں کے جمال سے
مردے پہ میرے آکے نکالا غبار دل | مٹی وہ دے گئے مجھے گرد ملال سے
تم چودھویں کا چاند ہو تو اپنے واسطے | کیا فائدہ کسی کو کسی کے کمال سے
میں کیا ہوں کٹ رہی ہے قضا مارے شرم کے | چلتی ہے تیغ یار نئی چال ڈھال سے
عاشق کا جی ڈبو کے چلے آپ ڈوبنے | ایسے عرق عرق وہ ہوئے انفعال سے

جو چاہیئے سو مانگیئے اللہ سے امیر
اس در پہ آبرو نہیں جاتی سوال سے

وہ تیغ آب گوں ہے عناں پر لگی ہوئی | دل کی بجھیگی آج مقرر لگی ہوئی
فرصت حساب حشر سے ہو جلد ہے یقیں | فرد حساب ہے سر دفتر لگی ہوئی
افتادہ کوئی مجھسا کہاں راہ عشق میں | قدموں سے میرے رہتی ہے ٹھوکر لگی ہوئی
کمرے ہیں اسکو دیکھ سکیں کیا نظارہ باز | چلمن کے پیچھے اور ہے چادر لگی ہوئی
جلتا ہے سینہ بہتے ہیں آنکھوں سے اپنے اشک | باہر ہے آب آگ ہے اندر لگی ہوئی
جاتا نہیں ہے دل سے رخ آتشیں کا دھیان | لو آگ بھی ہے مثل سمندر لگی ہوئی
اللہ رے دید چہرۂ قاتل کا اشتیاق | ہے ہم کو ٹکٹکی تہ خنجر لگی ہوئی
پوچھو ملال سوزش پروانہ شمع سے | آنسو رواں ہیں خاک ہے منہ پر لگی ہوئی
غم سے بقائے دل ہے تو دل سے بقائے غم | دونوں طرف ہے شرط برابر لگی ہوئی
کیونکر ہو حسن چہرہ صیاد آئینہ | ٹٹی ہے مثل سد سکندر لگی ہوئی
ٹوٹا خم سپہر گرا جام آفتاب | یاں ہے امید شیشہ و ساغر لگی ہوئی
ہے راستی مزاج میں کہتا ہے صاف صاف | رکھتا نہیں وہ رشک صنوبر لگی ہوئی
آئینے میں جو اسکے رخ و چشم کا ہے عکس | نرگس ہے یاسمیں کے برابر لگی ہوئی
اکدن تو کیجیے مرے آنسو کو زیب گوش | لو ہے اسے بھی صورت گوہر لگی ہوئی

وہ سیر بام کرتے ہیں ہمراہ غیر کے / یاں آنکھ چھت سے رہتی ہے شب بھر لگی ہوئی

عالم ہے کیا شراب کا مینائے صاف میں / تصویر ہے یہ شیشے کے اندر لگی ہوئی

قاتل اک اور ہاتھ لگائے خدا کرے / ہر دم یہ آس ہے تہ خنجر لگی ہوئی

آب خضر ملا نہ سکندر کو اے اثیر

ہر سعی میں ہے شرط مقدر لگی ہوئی

ہو سرد آگ عشق کی کیونکر لگی ہوئی / دل کی بجھا سکے نہ سمندر لگی ہوئی

دیکھیں کب آئے گھر میں ہمارے وہ ماہرو / آنکھیں ہیں شام سے طرف در لگی ہوئی

تو جس کا نام بھی نہیں لیتا کبھی اے / رٹ تیرے نام کی ہے برابر لگی ہوئی

خط لیکے میرا کوچۂ قاتل کو جب چلا / پیچھے چلی قضا ہے کبوتر لگی ہوئی

شاید ہے صبح کیا اسے منظور قتل عام / اک بھیڑ ہے جو شام سے در پر لگی ہوئی

کس دوست نے کیا ہے خدا جانے ہمکو یاد / ہچکی ہے نزع میں جو برابر لگی ہوئی

کیونکر نہ حال غیب ہو مستوں پر آئینہ / ہے دوربین دیدۂ ساغر لگی ہوئی

ہمخانہ گو کہ یار سے ہیں پر جدا ہیں ہم / ہے بیچ میں قنات سراسر لگی ہوئی

دور فلک سے ان کو نہیں بوریا نصیب / جن کے لیے تھی مسند زر لگی ہوئی

دزد سخن سے معنی رنگیں کو کیا خطر / مہندی لگائیگا کوئی کیونکر لگی ہوئی

کونین میں بچیگا نہ اب کوئی قتل سے / ہے سان پر وہ تیغ دو پیکر لگی ہوئی

مضمون جو قد یار کے لکھتا ہوں یہ بلند / کیا ہے قلم میں شاخ صنوبر لگی ہوئی

بارش میں ساتھ غیر کے پیتے ہیں وہ شراب / اشکوں کی یاں جھڑی ہے برابر لگی ہوئی

عاشق کچھ آجکل سے نہیں ہیں تو نئے ہم / اک عمر سے یہ چوٹ ہے دل پر لگی ہوئی

غیر دل سیر آب خنجر قاتل سبیل ہے / ہے ہم کو پیاس وائے مقدر لگی ہوئی

اے ترک کب کسی سے ہوئی تیری تیغ صاف / دل کی تو بسملوں سے بھی پر لگی ہوئی

ساقی کمال پیاس سے جلتا ہے یاں جگر — لا جلد برف میں ہے احمر لگی ہوئی

جائیگا سوئے زلف دل اکدن ضرور امیر
ظلمت کی دھن ہے مثل سکندر لگی ہوئی

خوش خرامی پہ جو اُس بت کی طبیعت آئی — چال اُڑانے کو دبے پاؤں قیامت آئی
اک بلا سر سے ٹلی دوسری آفت آئی — شب فرقت جو گئی صبح قیامت آئی
اے اجل باندھ کمر وقت ترا آ پہونچا — دن ڈھلا دیکھ وہ شام شب فرقت آئی
ہم ترے کشتۂ رفتار ہیں کیا ہم کو خبر — کب پھونکا صور کب اے یار قیامت آئی
دل پُرسوز کا نوحہ جو میں پڑھنے بیٹھا — داد دینے کے لیئے بزم میں رقت آئی
تیغ قاتل سے تھی امید بڑی وائے نصیب — وہ بھی منھ موڑ گئی جب مری نوبت آئی
ہاتھ میں نے جو بڑھایا کبھی گیسو کی طرف — بولے جھنجھلا کے ہو شاید تری شامت آئی
حال بیمار محبت کا یہ آخر کو ہوا — ملک الموت کو بھی دیکھ کے رقت آئی
تھی تو کچھ دلمیں کھٹک درد کی پہلے سے مگر — پاس سے آپ کا جانا کہ قیامت آئی
الفت ساقی کوثر کی اگر آگئی موج — بس سمجھے ہم ہاتھ کلید در جنت آئی
مہماں سے کبھی خالی نہ رہا گھر میرا — یاس رخصت جو ہوئی دل سے تو حیرت آئی
ذرے عکس رخ روشن سے ہیں ریزہ ریزہ — خود بدولت مرے گھر آئے کہ دولت آئی
ذرۂ مہر ہوئے ہم کبھی پروانۂ شمع — جس جگہ دیکھ لیا حُسن طبیعت آئی

ہوں وہ مایوس کہ دنیا سے جو اٹھا ہیں امیر
گور تک پیٹتی روتی مجھے حسرت آئی

نگہ ناز کام کرتی ہے — دم میں ترکی تمام کرتی ہے
آکے محفل میں دختِ رز شب بھر — نیند سب کی حرام کرتی ہے
ٹھہرے ہیں دلمیں میرے یوں غم و درد — فوج جیسے مقام کرتی ہے

جانتا ہوں وہ بے دہن ہیں مگر — خلق کچھ کچھ کلام کرتی ہے
یہ بلا ہے تری سیاہی خط — صبح عارض کو شام کرتی ہے
شیخ صاحب اٹھا کے دیکھو آنکھ — دختر رز سلام کرتی ہے
کیا وہ آئیں گے میری میت پر — خلق جو ازدحام کرتی ہے
ڈر کے میری شب جدائی سے — کالکا رام رام کرتی ہے
اُسکے کوچہ میں روح خواب میں روز — سیر دار السلام کرتی ہے
چلتی ہے جس جگہ پہ تیغ اس کی — خود قضا اہتمام کرتی ہے
شب کو ہوتا ہے وہ جو بے پردہ — چاندنی سیر بام کرتی ہے

الفت اُس کی مٹا مٹا کے مجھے
اے امیر اپنا نام کرتی ہے

بہار آئی عجب حالت ہوا ان روزوں مرے دل کی — جگر میں چٹکیاں لیتی ہیں منقاریں عنادل کی
سفر میں مجھسے کہتی ہے کشش ہر دم مرے دل کی — کہ وہ بھی پوچھتے آتے ہی ہونگے راہ منزل کی
جہاں سے اٹھ گئے تو اٹھ گئے ہم کچھ نہیں پروا — غضب یہ ہے کہ گردن اٹھ نہیں سکتی ہے قاتل کی
نئے بانکے بنے ہو تم نئی شمشیر باندھی ہے — نگاہ حسرت آلودہ نہیں دیکھی ہے بسمل کی
بھلا دیکھوں تو وہ کیونکر نہیں آتے ہیں گھر میرے — اگر ہے عشق کامل کھینچ لائیگی کشش دل کی
گریباں پھاڑ کر سیر چمن کو مثل گل چلئے — جنوں انگیز پھر آتی ہیں آوازیں عنادل کی
غرور حسن تم کو ہے کمال عشق مجھکو ہے — کہو تم میرے دل کی یا میں کہہ دوں آپکے دل کی
تمہارے حسن سے آیا تھا ناداں ادعا کرنے — سپیدی چھا گئی صورت تو دیکھو ماہ کامل کی
خدا کیواسطے لا کشتی مے جلد اے ساقی — ترشح ہو رہا ہے کچھ ہوا ہے سرد ساحل کی
کسیکو دہر میں پہچانتا ہے کون اے غربت — شناسائی ہے کچھ ان راستے والوں میں منزل کی
چھپایا سب سے منہ ملکر ہمارے خون کی مہندی — عروسانہ حیا کرنے لگی شمشیر قاتل کی

خوشا دیوانگانِ راہِ الفت خوب سوچے ہو
یہاں کیسی مصیبت میں پڑی ہے جان عاقل کی

یہ تیری زلف کا عقدہ نہیں وا ہو جو شانے سے
ارے ناداں بہت مشکل سے کھلتی ہے گرہ دل کی

تامل ہے جو دیکھا برگ ہائے غنچۂ گل کو
نظر میں پھر گئیں سب صحبتیں یارانِ یکدل کی

کلیجا منہ کو آجاتا ہے دل بھروں تڑپتا ہے
مرے دردِ جگر میں بھی چمک ہے تیغ قاتل کی

جہاں بدلا مزاج اس ترک کا چڑھنے لگی تیوری
ذرا قاتل کھنچا کھینچنے لگی شمشیر قاتل کی

نہ سمجھو کھیل امیرؔ الفت کی بازی جان دینی ہے
کہے رکھتے ہیں ہم اچھی نہیں ہے دل لگی دل کی

بہے بحرِ فنا میں جلد یارب لاش بسمل کی
کہ بھوکی مچھلیاں ہیں جوہر شمشیر قاتل کی

تصور خال کا آیا تو رونق بڑھ گئی دل کی
نگاہ قیس میں لیلیٰ سے آرائش ہے محمل کی

بسی گور غریباں جس کسی کا گھر ہوا ویراں
مسافر پڑ کے سوئے جاگ اٹھی تقدیر منزل کی

جہاں رکھی گلے پر تیغ دم لینے نہیں دیتا
تڑپنے کا مزہ کھوتی ہے جلدی میرے قاتل کی

جناب عشق سے فریاد ہے برباد ہوتا ہوں
لٹا جاتا ہوں میں بیکس دہائی شاہ عادل کی

تری پلکوں کی فردیں دیکھ کر ٹھہرا دل عاشق
سیاہ ان صفحوں کا ہے سیاہی شام منزل کی

دہانِ یار کے آگے سکوت غنچہ زیبا ہے
خموشی چاہیے نادان کو صحبت میں عاقل کی

نہال عشق کو دردوں کے ہم سرسبز کرتے ہیں
نہیں آنکھیں یہ دو نہریں ہیں اپنے گلشن دل کی

فلاطوں خم میں بیٹھا ہے شراب گل پینے کو
نہیں حکمت سے خالی بات کوئی مرد عاقل کی

وہ لاغر ہوں جوانی میں نہیں کھنچیں ہیں گرم آہیں
شب تاریک میں ٹھنڈی ہیں شمعیں خانہ مول کی

حسینان جہاں رہتے ہیں جہاں عکس کی صورت
بنا ہے خشت آئینہ سے شاید خانۂ دل کی

یہی دو چار دانے حاصل کشت محبت ہیں
نہیں اشک مسلسل بالیاں ہیں خرمن دل کی

کسی کا ساتھ کب دیتا ہے کوئی بیقراری میں
تڑپ کر تار گیا شعلہ شرر نے قطع منزل کی

جو نظروں میں سمایا ہو گیا عشاق کا مہماں
جنھیں کہتے ہیں آنکھیں کھڑکیاں ہیں خانۂ دل کی

مری کشتی بہ رنگ موج اس بحر حوادث میں — کنارے تک اگر پہنچے تو ٹکر کھائے ساحل کی
ازل سے ہے مآل کار بے مغزوں کا ناکامی — کف دریا کی قسمت میں لکھی ہے موج ساحل کی

امیر آئے گا روز عید قرباں گاہ میں قاتل
سپیدی چاہیئے دیوار و در پر چشم بسمل کی

لہو کیسا کہ صورت تک نہیں دیکھی ہے بسمل کی — الٰہی خیر ابھی سے فق ہے رنگت تیر قاتل کی
مٹا سکتی نہیں مژگان تر کلفت مرے دل کی — نہ جھاڑی گرد دست موج نے دامان ساحل کی
تڑپ جاتا ہے دل اہل کرم کا جوش میں آ کر — چمکتی ہے جو بجلی شعلۂ آواز بسمل کی
غبار دہر سے کیا آشنائی بحر عرفاں کو — پڑی کب دیدۂ ماہی میں اڑ کر گرد ساحل کی
کف سائل نہیں ہے کشتی دریائے بے آبی — اسی دریا کی موجیں ہیں لکیریں دست سائل کی
خیال نیستی یہ ہر قدم تھا دشت ہستی میں — مٹے جو نقش پا مجھ کو بتا دے راہ منزل کی
وہ عاشق ہیں کیا جب قصہ سونے کا اندھیرے میں — چکوروں سے سنی ہم نے کہانی ماہ کامل کی
سفینے عمر کے کیونکر نہ ڈوبیں ایسے طوفاں میں — جھڑی ہے رات دن باران ابر تیغ قاتل کی
وہ پیاسا ہوں تلاش آب میں جب دن میں جا نکلوں — کرے ریگ رواں دریا کو اڑ کر گرد ساحل کی
وہ مشتاق شہادت ہوں جو اوچھے زخم بھی کھاؤں — نہ چھوڑے چاندنی مجھ کو مہ رخسار قاتل کی
خلائق نے یہ وقت دفن دی ہر رنگ کی مٹی — کہ میری قبر جھولی بن گئی درویش سائل کی
تعجب کیا جو کوسوں دشمن روبہ منش بھاگے — کہ نعرہ شیر کا جھنکار ہے شمشیر قاتل کی
بجا ہے گر تغیر آ گیا اعضا میں پیری سے — سحر ہوتے ہی کیفیت بدل جاتی ہے محفل کی
جو ہم سا رند ہوتا پڑھتیں کیوں یہ تسبیحیں — اٹھائیں انکے ہاتھوں غنچے نے گرہیں ہلال کی

ازل سے ہے جو اس زہرہ شمائل سے امیر الفت
خمیر دل میں کیا مٹی ملی تھی چاہ بابل کی

شکوہ جو کیا درد کا تلوار نکالی — خوب اس نے دوائے دل بیمار نکالی

جب کچھ نہ رہا مجھ میں تو کھولیں مری آنکھیں
قاتل نے کہاں حسرت دیدار نکالی

رسوائی ہوئی تیری ہی اے ترک ہمیں کیا
کیوں لاش ہماری سر بازار نکالی

کب ہم نے کہا تم سے کہ آئینہ نہ دیکھو
غصے سے جو آنکھ آپ نے ہر بار نکالی

صیاد کا رخ دیکھ لیا چاک قفس سے
یہ ہم نے قفس سے رہ گلزار نکالی

ہم رند کبھی صحبت زاہد میں جو پہونچے
ہر بات میں اک تہ دم گفتار نکالی

کہتے ہیں اسے ضبط کہ دل غم سے ہوا خوں
اُف ہم نے نہ منھ سے کبھی زنہار نکالی

سونگھی ملک الموت نے بوئے گل وحدت
منصور کی جب روح سر دار نکالی

قاتل نے کمی کی نہ ذرا قتل میں میرے
خالی گئی بندوق تو تلوار نکالی

ہیں نزع میں عیسیٰ کو مری شکوہ تنظیم
کس وقت میں کس بات کی تکرار نکالی

چبھتی ہے جو نشتر کی طرح دل میں امیر آہ
ناصح نے وہی چھیڑ کی گفتار نکالی

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے
خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

بل جو تیوری پہ نزاکت سے وہ پُرفن ڈالے
ذبح سے پہلے لہو ہر رگ گردن ڈالے

کیا کریں طالب دیدار حیا کا شکوہ
پردے آنکھوں پہ جب اُس کا رخ روشن ڈالے

سارا پردہ ہے دوئی کا جو یہ پردہ اٹھ جائے
گردن شیخ میں زنار برہمن ڈالے

قابل دید ہے وہ عارض و چشم و مژگاں
حوریں بیٹھی ہوئی ہیں خلد میں چلمن ڈالے

جب نکلتے ہیں وہ تلوار سنبھالے گھر سے
ملک الموت چلے آتے ہیں گردن ڈالے

آبرو خاک ہوئے پر بھی نہ کی عاشق کی
چار آنسو بھی نہ تم نے سر مدفن ڈالے

رنگ اُس لعل مسی زیب سے ملتا ہے کہاں
منھ گریبان میں تو اپنے گل سوسن ڈالے

لوٹی برق سر طور پھرے چار طرف
تو اگر آنکھ سوئے وادی ایمن ڈالے

اُڑ چلے رقص میں پرواز کو پر پیدا ہو
اپنے کاندھے پر اُلٹ کر جو وہ دامن ڈالے

کشتۂ انداز کے کس طرح سے پامال نہ ہوں
قدم اس ناز سے جب یار کا توسن ڈالے

کہیں زخم نگہ ناز رفو ہوتے ہیں
کہو ڈورے یہ کسی اور پہ سوزن ڈالے

خون ناحق کہیں چھپتا ہے چھپائے سے امیر
کیوں مری لاش پہ وہ بیٹھے ہیں دامن ڈالے

نہ حور پر نہ پری پر نگاہ پڑتی ہے
تجھی پر آنکھ بس اے رشک ماہ پڑتی ہے

وہ چشم مہر سے دیکھے مجھے امید نہیں
گدا پہ کب نظر بادشاہ پڑتی ہے

بلائے جان دو عالم ہے جسکی برق جمال
اب اُسکے چہرے پہ اپنی نگاہ پڑتی ہے

بنائے شانہ مرے دست شوق کو کیونکر
کہ کشمکش میں وہ زلف سیاہ پڑتی ہے

وہ ناتواں ہوں کہ ہوتا ہوں زندہ گور میں دفن
بدن پہ اُڑ کے اگر گرد راہ پڑتی ہے

ستا نہ خاطر مظلوم کو ڈرا اے ظالم
پڑی نہ تیغ کبھی جیسے آہ پڑتی ہے

عجیب حال ہے کچھ کوچۂ محبت کی
بلا میں جان یہاں بیگناہ پڑتی ہے

چمن کی سیر کو جاتی ہے روح اے صیاد
قفس میں نیند اگر گاہ گاہ پڑتی ہے

جنوں میں دشت سے بھی بھاگتا ہوں میں کوسوں
نظر جو صورت مردم گیاہ پڑتی ہے

پڑے ہیں کشتے ترے تیغ آبدار کے گرد
کنارے نہر کے جیسے سپاہ پڑتی ہے

گہن میں خط کے وہ رخ دیکھکر ہو ششدر
کڑی تو تم پہ بھی اے مہر و ماہ پڑتی ہے

وہ چھپ کے گھر سے نکلتے ہیں یوں کہ دامن پر
نہ گرد راہ نہ گرد نگاہ پڑتی ہے

پھنساتے ہیں وہ غریبوں کو بگیتۂ زنجیر
ہزار پانوں پہ زلف سیاہ پڑتی ہے

عجب طرح کے بنائے ہیں وہ دہان و کمر
کہ عقل شبہہ میں بے اشتباہ پڑتی ہے

دیا ہے یار نے فرمان قتل عام امیر
ہمیں بھی اب تو امید رفاہ پڑتی ہے

درد پہلو کی یہ شدت ہے کہ رنگت فق ہے
زخم وہ دل میں ہے کاری کہ کلیجا شق ہے

عشق سے عاشق و معشوق اگر مشتق ہو
اسکو کیوں رشک جفا اُسکا جگر کیوں شق ہو

سنگدل تیری جو فریاد کریں دیر میں ہم
بول اٹھیں بت بھی گواہی میں کہ حق ہو حق ہو

شرم عصیاں سے بہا اشک کہ ہو بیڑا پار
چشم قلزم مرے عصیاں کے لیے زورق ہو

رشتۂ آسا دہ ہوں لاغر غم عریانی میں
حلقۂ دیدۂ سوزن بھی مجھے خندق ہو

ذکر گنجینہ سے ہوتا نہیں کوئی منعم
ذوق جبتک نہ ہوا اے شیخ عبث ہو حق ہو

ہوں میں دل سوختہ دنیا میں جدا دنیا سے
شمع سے جامۂ فانوس کہاں ملصق ہو

کیوں نہ کانپے ترے مژگاں کی چھری سے دل زار
خوف سے جوہر شمشیر کا سینہ شق ہے

لب جاں بخش سے کلی مرے مرقد پہ کرو
حوض کوثر کا تو پانی شہدا کا حق ہے

زاہد و ساقی کوثر تمہیں کیوں دینگے شراب
دختر رز تو فقط بادہ کشوں کا حق ہے

خوف معتوبی آدم سے فدا ہے ایسا
دیکھیے آج تلک سینۂ گندم شق ہو

عشق میں پار ہو کس طرح سے بیڑا دیکھیں
ہم شناور نہیں یہ قلزم بے زورق ہو

در مضموں دم تحریر نکلتے ہیں امیر
صدف آسا مرے خامے کا کلیجا شق ہو

یہاں تک مجھکو ہنگام خوشی ہو آرزو غم کی
اٹھا رکھتا ہوں روز عید پر مجلس محرم کی

میں وہ غم دوست ہوں تجویز کی غم سے دوا دل کی
جو آیا منہ چبا لی چھالیں میں نے نخل ماتم کی

منا ہی کوچۂ محبوب میں ہے نالۂ غم کی
غضب ہے اب وہ جڑ کاٹتی ہیں نخل ماتم کی

قطار مور جس جا دیکھتا ہوں یہ سمجھتا ہوں
سلیماں اٹھ گئے شاید یہ صف ہے انکے ماتم کی

ترا غمزہ ہے وہ طرار جب گلشن میں آیا ہو
گلوں کی جیب کتری ہو گرہ کاٹی ہے شبنم کی

خیال دختر رز میں اگیا ہے مجھکو غش ساقی
کھلیں آنکھیں اگر پاؤں ہوا دامان مریم کی

ستایا اسقدر ان مردم ابلیس خصلت نے
کہ ڈر کر آدمیت چھپ رہی تربت میں آدم کی

الٰہی ہو یہ لشکر کس سلیمانِ پری وش کا
بلائیں لیتی ہیں پریاں ہوا پر زلف برہم کی

ہمارے نالہ دل سے ہے گرم نالہ ہر بلبل
نہیں کس گلستاں میں شاخ اپنے نخل ماتم کی

یقیں ہے روز محشر تک رہے اولاد میں جھگڑا
ہماری غیر کی ہے دشمنی ابلیس و آدم کی

فراق و وصل کی شب ایک ہے پر فرق ہے اتنا
بہار اسمیں ہے جنت کی ہوا اسمیں جہنم کی

نہ لائے کوئی ہم تک وحشی گیسوئے پیچاں کو
بچا ئینگے یہ غل محشر میں زنجیریں جہنم کی

خدا جانے بھرے ہیں دل نے گوش زخم کیا کہکر
ہوا میں آگئے ایسے نہیں سنتے ہیں مرہم کی

ڈری یہ رات کو میری سیہ بختی کی ظلمت سے
دعائے نور پڑھ کر اپنے اوپر شمع نے دم کی

یہ شہرہ وحشت مجنوں کا شست استخوان مجنوں
مثل سچ ہے کہ رستم سے سوا ہے دھاک رستم کی

نہیں ہے شرم کی حاجت تو ہمکو دیکھنے آؤ
کہ پٹی باندھ لی داغوں کی آنکھوں پر بھی مرہم کی

تماشا جانتا ہوں گردش گردون گرداں کو
گل رعنا مری آنکھوں میں نیرنگی ہے عالم کی

ملا غازہ تو پایا آرسی نے رنگ آرائش
جبیں افشاں تو آئینے کی قسمت اور بھی چمکی

جلانا مارنا ہے کام ان خورشید رویوں کا
کرن اٹھتے ہیں ذرے موت آجاتی ہے شبنم کی

فراق یار میں ہوں اسقدر محزوں میں اے قاصد
لکھوں جو سطر نامے میں وہ صف بنجائے ماتم کی

امیر اس سرور عالم کی کیا توصیف ہو مجھ سے
خدا کی شان ہے سیرت ملک کی شکل آدم کی

نہال اسکو ہمیشہ کرتی ہے بالیدگی غم کی
الٰہی دل ہے یا کوئی کلی ہے نخل ماتم کی

نہ ہو جسمیں تجلی تجھ سے محبوب دو عالم کی
وہ جنت جل کے یارب خاک ہو جائے جہنم کی

ادھر ہوں عیش کی باتیں کہانی ہو ادھر غم کی
کہو تم اپنے عالم کی کہیں ہم اپنے عالم کی

ہوائے عشق سر میں دل میں رنج و یاس کا طوفاں
بھلا بنیاد کیا ہے ایک مشت خاک آدم کی

چمن کیا جانیے ہے کس شہید ناز کی مجلس
کہ غنچوں کے چٹکنے میں صدا ہے نخل ماتم کی

غضب گرمی قیامت کی جلن ہے عشق میں یارب
پھکا جاتا ہے تن آنچیں نکلتی ہیں جہنم کی

جلا اس حور کا دل کیا ہماری سوزش دل سے
گئیں جنت کو کچھ چنگاریاں اڑ کر جہنم کی

نظارہ دو جہاں کا چھوڑ جا دل کا تماشا کر نقشے ہیں اس ورق پر کھنچے ہیں دونوں عالم کی

اڑا اے رنگ غنچہ سیکھ لے گل کی روش اے دل کہ منھ سے کچھ نہ کہہ کانوں سے سنکر سارے عالم کی

ازل میں وصل کس معشوق و عاشق کا نظر آیا کہ آنکھیں آج تک کھلتی نہیں بادام توام کی

زمانے بھر کی ایذاؤں سے چھٹی مر کے ملتی ہے لحد کہتے ہیں جسکو ہے وہ سرحد کشور غم کی

پرستش حسن گندم گوں کی عین آدمیت ہے نہیں وہ ابن آدم جو نہیں ہے جسمیں آدم کی

یہ ہے سینہ سپر کیا کیا شعاع مہر تاباں سے کھنچیں سو برچھیاں لیکن نہ جھپکی آنکھ شبنم کی

یہ لچھے گٹکری کے اڑ رہے ہیں ہچکیاں کیسی نہیں یہ حلق بسمل بانسلی ہے مطرب غم کی

ہوئی کس کسکو خجلت ایک میرے قتل ہوتے ہی پسینا آگیا قاتل کو گردن تیغ نے خم کی

تمہاری چال بھی کیا گردش گردون گرداں ہے کہ چل کر دو قدم صورت بدل دیتے ہو عالم کی

دکھایا گرم و سرد دہر داغ و اشک نے مجھ کو کہ دن بھر دھوپ کی رہتی ہے ایذا دیکھو شبنم کی

یہ شوق میکشی ہے سایۂ انگور کے نیچے ہوا کھانے کو روح آتی ہے اب تک حضرت جم کی

سوا خورشید رویوں کے کسی پہ میں نہ مائل ہوں الٰہی دل مجھے ذرے کا دینا آنکھ شبنم کی

شکست شیشۂ دل سے امیر آیا ہے غش مجھ کو
چھڑک کر مے سنگھا دے کوئی مٹی ساغر جم کی

مجھ مست کو مے کی بو بہت ہے دیوانے کو ایک ہو بہت ہے

موتی کی طرح جو ہو خداداد تھوڑی سی بھی آبرو بہت ہے

جاتے ہیں جو صبر و ہوش جائیں مجھ کو اے درد تو بہت ہے

مانند کلیم بڑھ نہ اے دل یہ دور کی گفتگو بہت ہے

بے کیف ہوے تو خم کے خم کم اچھی ہو تو اک سبو بہت ہے

کیا وصل کی شب میں تسکیں ہیں فرصت کم آرزو بہت ہے

منظور ہے خون دل جو اے یاس اتنے لئے آرزو بہت ہے

اے نشترِ غم ہو لاکھ تن خشک
تیرے دم کو لہو بہت ہے

چھوٹے وہ مژہ تو کیوں نہ روؤں
آنکھوں میں خلش کو مو بہت ہے

غنچے کی طرح چمن میں ساقی
اپنا ہی مجھے سبو بہت ہے

کیا غم ہے امیرؔ اگر نہیں مال
اس وقت میں آبرو بہت ہے

ہمراہ غیر بادہ جو وہ تندخو پیے
غم کیوں نہ جونک بنکے ہمارا لہو پیے

تسکین ہو اک جام سے کیا اسکو ساقیا
جو خم کے خم چڑھائے سبو کے سبو پیے

دہشت ذرا کسی کی ترے مست کو نہیں
قاضی کرے جو منع تو رو برو پیے

قاتل نے مجھ پہ کھینچ کے یہ تیغ سے کہا
اب تو کمی کرے تو ہمارا لہو پیے

آئے جو میکدے میں کرے مست کیوں کمی
شیشے کی طرح چاہئے تا گلو پیے

دیکھے وہ خط سبز جو سبزہ تو رشک سے
کیوں گھونٹ زہر کے نہ لبِ آبجو پیے

منظور چرخ ہے کہ امیرؔ سیاہ مست
دل کا کباب کھائے جگر کا لہو پیے

ابروئے یار نہ ہوئے کبھی دل شاد رہے
خوب مطلع ہے یہ اللہ کرے یاد رہے

زعفران زار میں بھی گر دل ناشاد رہے
ہی گریہ ہی نالہ ہی فریاد رہے

ہوں وہ مقتول مرے قتل کی ایسی ہو خوشی
رقص میں تیغ رہے وجد میں جلاد رہے

پھر بہار آئی چلے سوئے چمن دیوانے
کہدو بیرِ باغ کے دروازے پہ فصاد رہے

رشک ہو بعد فنا مجھکو فلک سے تو یہ ہو
میں ستم کش نہ رہوں یہ ستم ایجاد رہے

ہم جو پہونچے تو لبِ گور سے آئی یہ صدا
آئیے آئیے حضرت بہت آزاد رہے

آنکھیں مر جانکو کہتی ہیں وہ لب جینے کو
کہیے وہ حکم رہے کہیے یہ ارشاد رہے

اُسکی تصویر میں اس درجہ نزاکت کا ہو صرف
لوح باقی نہ قلم میں ترے بہزاد رہے

آشیانے سے نہ مطلب ہو نہ گلشن سے غرض
گھر الٰہی مرے صیاد کا آباد رہے

بسملوں کی جگہ یاس بُری ہوتی ہے
اک ذرا دل کو سنبھالے ہوئے جلاد رہے

یہ کہوں گا یہ کہوں گا یہ ابھی کہتے ہو
سامنے آئے بھی جب حضرت دل یاد رہے

ہوں وہ غم دوست کہ رو رو کے دعا کرتا ہوں
درد کا دل نہ دُکھے خاطر غم شاد رہے

حشر میں عذر گنہ کیا ہو جتا تو رکھو
کہ مبادا تمہیں بھولے تو مجھے یاد رہے

بحر ہستی میں حباب لب دریا کی طرح
ہم رہے کب نہ کہے کوئی کہ برباد رہے

ہیں اگر غیر کوئی ہوں تو مجھے وہ بھولے
وہ اگر اور کوئی ہو تو مجھے یاد رہے

زار ایسا تھا کہ میں دشت جنوں میں نہ ملا
ڈھونڈھتے مجھ کو مرے سایہ و ہمزاد رہے

کیا عجب بھول گئے ہم جو کلام اپنا امیرؔ
یاد رہنے کے جو قابل نہ ہو کیا یاد رہے

ایک دل ہجر میں کس کس کے یہ ناشاد رہے
قیس کا داغ کہ اسمیں غم فرہاد رہے

ان کی آنکھوں کے تصور سے یہ دل شاد رہے
قاف پریوں سے جناں حوروں سے آباد رہے

قتل بے خنجر و شمشیر جو ہو یہ نظر
اک ذرا آپ کو کھینچے ہوئے جلاد رہے

طول فرقت سے مزے وصل کے سب بھول گئے
نہ وہ باتیں نہ وہ راتیں نہ وہ دن یاد رہے

جب کیا ہم نے گلا اپنی پریشانی کا
زلف جاناں نے کہا ہم بھی تو برباد رہے

کھنچ گئی یار کی تصویر تو اللہ رے خوشی
ہم بغل دیر تلک مانی و بہزاد رہے

ہم وہ قیدی ہیں جو لکھے وہ خط آزادی
ہو یقیں حرفوں میں شانِ خط صیاد رہے

لامکاں میں نہ ٹھکانا نہ مکاں میں وسعت
دل سے نکلے تو کہاں جا کے یہ فریاد رہے

کون پروانہ یہاں شمع سر طور کا ہے
جلوہ افروز ترا حُسن خداداد رہے

ہجر میں یار نے پوچھا نہ اجل نے ہمکو
نہ اُسے یاد رہے ہم نہ اسے یاد رہے

واہ رے شوق اسیری کہ دعا کرتا ہوں
منہ دم ذبح سوئے خانۂ صیاد رہے

شادی و رنج زمانے میں ہیں توام ایدل
کچھ تو ہونٹھوں پہ ہنسی بھی دم فریاد رہے

گھل گیا غم سے اگر تن تو بنا شکل حباب
ہم ہوئے خاک میں پانی بھی تو برباد رہے

کانٹے الجھیں نہ کہیں جائے آزادی پا
دامن اس ڈر سے سمیٹے ہوئے شمشاد رہے

روز جانباز لڑے شوق شہادت میں امیر
کیسے ہنگامے سر کوچۂ جلاد رہے

دل کو طرز نگہ یار جتاتے آئے
تیر بھی آئے تو بے پر کی اڑاتے آئے

فاتحہ دینگے نہ پانی پہ بھی دو روز کے بعد
تا در گور ہیں جو خاک اڑاتے آئے

جام کوثر سے ہو کیا کام ہمیں اے رضواں
آب خنجر سے دم پیاس بجھاتے آئے

مے کشی کی ہے خوشی ہجر میں کس کو ساقی
لگے ابر تو اور آگ لگاتے آئے

سنگ اسود کے جو بوسے کو چلے سوئے حرم
قدم بت پہ بھی ہم سر کو جھکاتے آئے

دشت ہستی میں ہم خاک بگولے کی طرح
خاک اڑاتے گئے ہم خاک اڑاتے آئے

بادشاہوں کا ہے دربار در پیر مغاں
سیکڑوں جاتے گئے سیکڑوں آتے آئے

لن ترانی سے ہوا صاف یہ ہم پر روشن
کہ ہمیں پر بھی ترے ناز اٹھاتے آئے

چھپ کے بھی آئے گر گھر تو وہ دربانوں کو
اپنی پازیب کی جھنکار سناتے آئے

ہوں وہ نالاں کہ دم نزع مری بالیں پر
ملک الموت بھی پر اپنے بچاتے آئے

بے سبب در پہ یہ بلوہ نہیں غالب ہے کہ آپ
پردہ ڈولی کا سر راہ اٹھاتے آئے

محو جب مہر سے شبنم ہوئی بولی یہ زمیں
یوں ہی عاشق کو بھی معشوق مٹاتے آئے

روز محشر جو بلائے گئے دیوانۂ زلف
بیڑیاں پہنے ہوئے شور مچاتے آئے

ذکر غنچہ جو سنا مجھ سے تو ہنس کر بولے
خوب آئے کہ مرے منہ کو چڑھاتے آئے

مرغ دل نقش قدم دار کرے وحشت کار
گل کھلاتے گئے گلچھرے اڑاتے آئے

کیا کہینگے کوئی محشر میں جو پوچھیگا امیر
کیوں نہ بگڑی ہوئی باتوں کو بناتے آئے

ہم اگر قتل ہوئے خیر یہ تقدیر اپنی — آپ بد نام نہ ہوں دھوئیے شمشیر اپنی
پھر بہار آئی جنوں ہوتی ہے تدبیر اپنی — طوق بنتا ہے گڑھی جاتی ہے زنجیر اپنی
بے نشانی یہ مرے دل کو پسند آئی ہے — کھینچ کر آپ مٹاتا ہوں میں تصویر اپنی
قید ہو کر ترے گیسو میں یہ رتبہ پایا — نذر دی قیس نے لا کر ہمیں زنجیر اپنی
جان نثاروں سے وہ کہتے ہیں چڑھا کر تیوری — آجکل چھوٹتی ہے عرش پہ شمشیر اپنی
یاد مژگاں میں شب ہجر جو چلاتے ہیں ہم — چار سو جاتی ہے آواز پہ تیر اپنی
میکشی کون کرے چور ہے یاں شیشۂ دل — ساقیا پھوٹ گئی ہجر میں تقدیر اپنی
حاجت تیر و کماں کیا ہے تجھے چل تو سہی — گردنیں کاٹ کے خود لائیں گے نخچیر اپنی
تمکو پھولوں کے چھپر کھٹ ہمیں کانٹے ہیں نصیب — خیر قسمت وہ تمہاری ہے یہ تقدیر اپنی
آنکھیں چہرے پہ ملینگے تو چمک جائیگا حسن — شمع چہرہ ہے ترا آنکھ ہے گلگیر اپنی
حضرت قیس جو مل جائیں تو اتنا پوچھیں — ہے گراں آپ کی زنجیر کہ زنجیر اپنی
یوسف مصر کا نقشہ جو طلب کرتا ہوں — بھیج دیتا ہے وہ یوسف مجھے تصویر اپنی

اے امیر اٹھ نہ سکے ضعف سے ہم تا دم مرگ
جس جگہ بیٹھ گئے ہو گئی جاگیر اپنی

اب تو یہ معرکۂ عشق میں مجھکو حجاب ہے — برش خنجر سفاک مرے دم تک ہے
گھورتی ہے یہ جوانانِ چمن کو ہر دم — نرگس باغ سے بلبل کو بجا چشمک ہے
حسن یکتا کا ہے پرتو بھی جہاں میں یکتا — زاہدا کیوں تجھے یکتائی بت میں شک ہے
جنگ عاشق کے لیے حسن زرہ پوش ہوا — کون کہتا ہے رخ صاف پہ یہ چیچک ہے
شب بھر آغوش گلستاں میں ہے شبنم کی جگہ — رتبۂ دیدۂ بیدار قیامت تک ہے
فرش سے عرش تک آئینہ ہے سب دیکھ سکے وقت — آنکھ جب بند ہوئی پیش نظر عینک ہے
رکھ قدم بڑھ کے در دل پہ تو منزل کو پہنچ — شہر آباد محبت کا یہی پھاٹک ہے

نہیں دیوانہ اگر لایق تعزیر امیر
کس لئے سنگ بکف دہر میں ہر کودک ہے

تیرے افشاں کا اگر ذرہ زمیں پر گر پڑے
اختر گردوں جگہ پا کر جبیں پر گر پڑے

رات کو ہو فکر آرایش جو اُس گل کو تو ماہ
چاندنی کا پھول بنکر آستیں پر گر پڑے

نامہ ہم افتادگوں کا جب کبوتر لیچلا
اُڑتے ہی اُڑتے کہیں بازو کہیں پر گر پڑے

آشیانہ دور ہو صیاد آپہنچا ہے پاس
کیا کروں پرواز کی طاقت نہیں پر گر پڑے

سایہ افگن ہو وہ گیسو اس دل صد چاک پر
یا الٰہی یہ سیاہی اس نگیں پر گر پڑے

جائے گلشن میں جو وہ گلرو تو گل مہندی کی شاخ
سر جھکا کر اُسکے پائے نازنیں پر گر پڑے

قہر نازل ہو جو ہنس پڑنا تمہارا آئے یاد
چھت مکاں کی توڑ کر بجلی زمیں پر گر پڑے

وہ شکار افگن چلے لیکر اگر تیر و کماں
سارے طائر چور کر کندے زمیں پر گر پڑے

باڑھ پر آجائے تیغ قامت قاتل اگر
شاخ طوبیٰ کٹ کے دوش حور عیں پر گر پڑے

پھنس کے چھوٹے لذت دنیا سے کیونکر بوالہوس
کسطرح اُٹھے مگس جب انگبیں پر گر پڑے

آفتاب عارض ساقی اگر چمکے امیر
خاک ہو کر برق آب آتشیں پر گر پڑے

جب تک وہ پلک بر سر بیداد نہ آئی
بجھ میں چمک اے جوہر فولاد نہ آئی

کب گور میں خنجر کی رگڑ یاد نہ آئی
کب روح سوئے کوچہ جلاد نہ آئی

شیریں نہ ملی سنگ اگر سیکڑوں کاٹے
کچھ کام سبک دستی فرہاد نہ آئی

بالوں کی سفیدی کو کفن سمجھے نہ کسدن
کب آئینہ دیکھا کہ اجل یاد نہ آئی

دعوائے دیت حشر میں کس سے میں کرونگا
حیرت سے نظر صورت جلاد نہ آئی

طائر میں وہ ہوں پاؤں نہ گلزار میں رکھا
جب تک خبر آمد صیاد نہ آئی

پنہاں ہے یہ مثل جان ہے اپنی تو جہاں ہے
مُردے کو عزیزوں کی کبھی یاد نہ آئی

غش صورت موسیٰ میں ہوا سامنے اُسکے
تاب نظر حُسن خداداد نہ آئی

کیا آئے نظر مردمک چشم کو وہ خال
انساں کو نظر صورت ہمزاد نہ آئی

نقشہ مرے محبوب کا چلتا ہوا دیکھا
تجھ کو روش اے خامہ بہزاد نہ آئی

کیا جرم ہوا تھا کہ گرے اُسکی نظر سے
کچھ ذہن میں اپنے تو یہ اُفتاد نہ آئی

قید غم محبوب ازل ساتھ میں لایا
روح آئی عدم سے مگر آزاد نہ آئی

کیا اُن سے ملاقات کی امید ہو مجھ کو
عرضی بھی مری ہو کے کبھی صاد نہ آئی

معشوقہ دنیا نے بہت زلف سنواری
پھندے میں مرے خاطر آزاد نہ آئی

مضموں سے پس مرگ مرا نام ہو زندہ
کچھ کام نہیں کام جو اولاد نہ آئی

وحشت میں امیر اپنے برابر نہ ہوا قیس
شاگرد میں کیفیت اُستاد نہ آئی

ہم اور معرکۂ امتحاں سے ٹل جاتے
جواب پانوں جو دیتے تو سر کے بل جاتے

عدم کو یاں سے تو گھبرا کے اے اجل جاتے
وہاں بھی جی جو نہ لگتا کہاں نکل جاتے

ہزار تیز نہ تھی تیغ یار اگر چلتی
تو ہم سے کتنے غریبوں کے کام چل جاتے

جنوں کے جوش میں کھلتی نہ راہ ملک عدم
بڑے مزے میں پہنچتے جو آ نکل جاتے

سیاہ کار وہ ہوں حشر میں حساب مرا
جو وقت صبح سے ہوتا چراغ جل جاتے

بچا لی داغ نے زندانیان زلف کی جاں
نہیں تو گھٹ کے اندھیرے میں دم نکل جاتے

بتوں کی بھی جو پرستش نہ کرتے اے زاہد
خدا کے سامنے ہم لے کے کیا عمل جاتے

شب فراق میں اچھا ہوا نہ کھینچی آہ
غریب خانے کے دو چھپڑے بھی جل جاتے

جھڑی نے آنسوؤں کی اور جی ڈبو یا ہے
برس کے جلد یہ بادل کہیں نکل جاتے

دکھا کے تیغ جو مقتل سے یار بڑھ چلتا
اجل کے پانوں پہ سر رکھ کے ہم نکل جاتے

پتنگ نکلے لپٹ تو شمع رویوں سے
وہ ہم نہ تھے کہ تپ ہجر سے پگھل جاتے

تلاش رزق میں گردش ہے اے ہوس بیسود
نصیب ساتھ ہی رہتے جہاں نکل جاتے
قبول خاطر روشندلاں اگر ہوتے
امیر نور کے سانچے میں شعر ڈھل جاتے

مقام وجد ہے اے دل کہ بزم یار میں آئے
بڑے دربار میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے

خداوندا نہ زنگ اُس ترک کی تلوار میں آئے
کہیں دھبا نہ میرے زخم دامندار میں آئے

کے گھر کی طرف بھی عالم مستی میں آ نکلے
ترنگ ایسی کبھی یارب مزاج یار میں آئے

دلا آنکھوں سے چھپکر اُس سے ہو دیدار کا طالب
جو ہو خلوت نشیں کیا مجمع اغیار میں آئے

خط شبگوں سے میں اے خال روئے یار ڈرتا ہوں
جو تو آیا تو آیا وہ نہ اس سرکار میں آئے

بہت مشتاق ہیں مست آمد ابر بہاری کے
الٰہی کوئی لکہ کوہ سے گلزار میں آئے

خمیدہ قد ہوا اب دیر کیا ہے خاک ہونے میں
زمیں پر گر پڑے آخر جو خم دیوار میں آئے

جنوں کا رنگ چمکایا یہ تیرے عشق عارض نے
گریباں چاک گل گلزار سے بازار میں آئے

یہ وقت قتل ہے ڈر ہم کو اپنی سخت جانی سے
کہیں بل نہ بال اُس ترک کی تلوار میں آئے

کیا دیتے طعنے واعظوں نے تنگ یہ آخر
کہ ہم مسجد سے اُٹھ کر خانۂ خمار میں آئے

نظر آتا ہے ہر گل زر بکف بہر خریداری
چمن میں تم کہ یوسف مصر کے بازار میں آئے

زر داغ جنوں تقسیم شاہ عشق کرتا ہوں
تونگر جسکو ہونا ہو وہ اس سرکار میں آئے

خدا ہو دوست جسکا اُسکو کیا اندیشۂ دشمن
براہیم آگ میں پھینکے گئے گلزار میں آئے

خلش میں کیا مزہ ہے تیرے دیوانوں کو کیا جانے
جب آئے پابرہنہ وادی پرخار میں آئے

یہاں مدت سے ہے میرے دل صد چاک کا قبضہ
کبھو شانہ سمجھ کر گیسوئے خمدار میں آئے

علانیہ دکھائے کب وہ جلوہ روئے روشن کا
جو بے پردہ نہ خواب طالب دیدار میں آئے

اٹھا دو رخ سے پردہ کور مادر زاد بینا ہو
بلاؤ لب زبان گنگ بھی گفتار میں آئے

گرفتار قفس تھے جب تلک فصل بہاری تھی
خزاں بھی ساتھ آئی ہم اگر گلزار میں آئے

کیا ہو وعدہ سر دینے کا قاتل سے سمجھا ہوں زباں کو کاٹ ڈالوں فرق اگر اقرار میں آئے
امیر اب وعدہ عمر گیسا کر پہنچے ہم مدینے میں
چھپے آفت سے ظلِ احمدِ مختار میں آئے

خیال زلف و عارض میں قضا کی نمازِ صبح و شام اک جا ادا کی
ادا پر مرنیوالوں سے بھی غمزے کہو کیوں موت آئی ہو قضا کی
نہ آنا تھا اجل منھ پر نہ آئی تری تلوار آوازے کسا کی
شب غم میں جو ہم کو ہاتھ آتا درازی ناپتے روزِ جزا کی
وہ بے کس تھے کہ تربت پر ہماری چڑھائی چرخ نے چادر گھٹا کی
عدم میں کیا تماشا ہو کہ دن رات یہ چلی جاتی ہے سب خلقت خدا کی
مرے منھ کا ہو لقمہ حصۂ غیر مجھے قسمت ملی ہے آسیا کی
دکھے کیونکر نہ دل آوازنے سے صدا ہو یہ کسی درد آشنا کی
نہ کھا اے دل فریب زینت دہر ڈلی اس پان میں ہے سنکھیا کی
بہارِ بے خزاں ہے جائے یار نہ مرجھائیں کبھی کلیاں قبا کی
کیے ہم نے یہ بتخانوں میں سجدے کہ بُت کہنے لگے رحمت خدا کی
دلا ہم سے گلا اُس دلربا کا شکایت آشنا سے آشنا کی
نہ مجنوں ہو نہ وامق ہو نہ فرہاد مرے سب آشناؤں نے قضا کی
وہ دانہ ہوں جو پسنے سے بچوں میں جلا دے آگ سنگ آسیا کی
وہ غافل تھی کہ تب لی ہمنے کروٹ ڈھلی جب دوپہر روزِ جزا کی
الٰہی مرچکوں جھگڑا بھی چھوٹے کہیں آسان ہو مشکل قضا کی
کہاں تک وا نہ ہوگا عقدۂ کار گرہ ہے کیا ترے بند قبا کی
پسیں کیونکر نہ تیری راہ میں دل غضب شوخی ہو چشم نقش پا کی

اگر میرے سیہ خانے میں آجائے — سعادت ساری اُڑجائے ہما کی
ترے کشتے نے خنجر ہی کے نیچے — مصیبت جھیل لی روزِ جزا کی
امیرِ سخت جاں بھی ہو چکا قتل
چلو منت ہوئی پوری قضا کی

ترا کیا کام اب دل میں غمِ جانانہ آتا ہے — نکل اے صبر اس گھر سے کہ صاحب خانہ آتا ہے
نظر میں تیری آنکھیں سر میں سودا تیری زلفوں کا — کئی پریوں کے سایہ میں ترا دیوانہ آتا ہے
وفورِ رحمتِ باری ہے میخواروں پہ ان روزوں — جدھر سے ابر اٹھتا ہے سوئے میخانہ آتا ہے
لگی دل کی بجھائے بیکسی میں کون ہے ایسا — مگر اک گریۂ حسرت کہ بیتابانہ آتا ہے
اُنھیں سے غمزے کرتی ہے جو تجھ پر جان دیتے ہیں — اجل تجھکو بھی کتنا نازِ معشوقانہ آتا ہے
پریشانی میں یہ عالم تری زلفوں کا دیکھا ہے — کہ اک اک بال پر قربان ہونے شانہ آتا ہے
چھلک جاتا ہے جامِ عمر اپنا وائے ناکامی — ہمارے منھ تلک ساقی اگر پیمانہ آتا ہے
وہ بُت ہے ہر یہاں سب اپنا اپنا حال کہتے ہیں — لبِ خاموش تجھ کو بھی کوئی افسانہ آتا ہے
طلسمِ تازہ تیرا سایۂ دیوار رکھتا ہے — بدلتا ہے پری کا بھیس جو دیوانہ آتا ہے
یہ عظمت رہ کے زاہدان بتوں میں ہمنے پائی ہے — کہ کعبہ ہم کو لینے تا درِ میخانہ آتا ہے
دورنگی سے نہیں خالی عدم بھی صورتِ ہستی — کوئی ہشیار آتا ہے کوئی دیوانہ آتا ہے
ہمایوں استخوانِ سوختہ پر میرے گرتا ہے — تڑپ کر شمع پر جیسے کوئی پروانہ آتا ہے
اُدھر ہیں حسن کی گھاتیں اِدھر ہیں عشق کی باتیں — تجھے افسوں تو مجھ کو اے پری افسانہ آتا ہے
کلیجا ہاتھ سے اہلِ طمع کے چاک ہوتا ہے — صدف آسا اگر مجھ کو میسر دانہ آتا ہے
نمک جلاد چھڑکا چاہتا ہے میرے زخموں پر — مزے کا وقت اب اے ہمتِ مردانہ آتا ہے
زبردستی کا دھڑکا وصل میں تم کو سمایا ہے — کدھر ہو ہوش میں آؤ کوئی آیا نہ آتا ہے
الٰہی کسکی شمعِ حسن ہے روشن ہے گھر میرا — کہ بنجاتا ہے جگنو آج جو پروانہ آتا ہے

وہ عاشق خال خط کا ہوں کہ نذر مور کرتا ہوں
ملے تیسرے دن بھی جو مجھ کو دانہ آتا ہو

امیر اور آنے والا کون ہو گور غریباں پر
جو روشن شمع ہوتی ہو تو ہاں پروانہ آتا ہے

جتنے کہ تیر ترکش دلبر میں رہ گئے
اُتنے ہی حوصلے دل مضطر میں رہ گئے

دھویا ہزار اُس بُت سفاک نے مگر
دھبے ہمارے خون کے خنجر میں رہ گئے

صحرائے عشق میری طرح طے نہ ہو سکا
نو آسمان ایک ہی چکر میں رہ گئے

چھوٹے کہیں نہ گیسوئے پرخم نے اُسکے پیچ
کچھ رہ گئے تو میرے مقدر میں رہ گئے

مجلس تمام ہو گئی ہنگامہ ہو چکا
ہم راہ دیکھتے تری محشر میں رہ گئے

اے چشم اشکبار ڈبو دے انھیں بھی تو
ٹاپو ہیں جا بجا جو سمندر میں رہ گئے

یارب شتاب آئے سگ یار اسطرف
کچھ کچھ ہیں استخواں تن لاغر میں رہ گئے

ساقی چمن میں آتے ہی رخصت ہوئی بہار
میخوار فکر شیشہ و ساغر میں رہ گئے

نامے تو نارسائی قسمت سے گر پڑے
ڈورے ہی ڈورے بال کبوتر میں رہ گئے

اشکوں سے میرے بجھ گئی سارے جہاں کی آگ
پوشیدہ کچھ شرر تھے سو پتھر میں رہ گئے

واماندگی سے جا نہ سکے کارواں تلک
کھائی تھیں ٹھوکریں جو مقدر میں رہ گئے

انکے مکاں میں دیدہ و دل اختیار ہو
اس گھر میں رہ گئے کبھی اُس گھر میں رہ گئے

اُنکے نشاں امیر نہیں ہیں اگر نہ ہوں
نام اوروں کے نام تو دفتر میں رہ گئے

داغ اقربا کے سینۂ سوزاں میں رہ گئے
محفل کہاں چراغ شبستاں میں رہ گئے

رخنے تمام بند کیے صبر نے مگر
سوراخ دل میں چاک گریباں میں رہ گئے

لٹھے نہ گرد بھی مری کشتی کی پائیں گے
کیا سر شتاب کے شورش طوفاں میں رہ گئے

کانٹے کہیں پڑے ہیں کہیں گرد باد ہیں
یہ یادگار قیس بیاباں میں رہ گئے

میری طرح ضعیف ہوئے میرے اشکِ غم / نکلے جو دل سے دامنِ مژگاں میں رہ گئے

وہ خوبرو رہے نہ وہ تزئینِ زلف و رخ / باقی فسادِ گبر و مسلماں میں رہ گئے

یوسف تو مصر میں ہوئے رونق فروزِ حسن / یعقوب راہ دیکھتے کنعاں میں رہ گئے

مقتل میں اسکے دوڑ کے پہنچے جو تھے قوی / قیدی جو ناتواں تھے وہ زنداں میں رہ گئے

وحشت میں دیکھ سکے نہ مرا ساتھ گردباد / نقشِ قدم کیطرح بیاباں میں رہ گئے

دوڑے تلاشِ دولتِ دنیا میں جو حریص / آخر کو تھک کے گورِ غریباں میں رہ گئے

لی کاروانِ گل نے خزاں میں عدم کی راہ / بلبل پھڑک پھڑک کے گلستاں میں رہ گئے

آئے کبھی حرفِ شکوہ جو دل سے زباں تلک / بن بن کے درد وہ مرے دنداں میں رہ گئے

رزقِ سگ و ہما کئے دورِ سپہر نے / جو استخواں کہ گنجِ شہیداں میں رہ گئے

آوارگانِ عشق کا کوسوں پتا نہیں / کچھ ڈھیر ہڈیوں کے بیاباں میں رہ گئے

لوٹا ستمگروں نے مگر پھر بھی اے امیر
مضمون ہزارہا مرے دیواں میں رہ گئے

بتوں سے نرد وہ جا کر مکان پر کھیلے / کہ ہار دے دل و دیں اپنی جان پر کھیلے

کماں میں تیر وہ جوڑے تو صید ہو نسریں / زمین کیسی شکار آسمان پر کھیلے

زبانِ تیشہ یہ دیتی تھی کوہکن کو صدا / جو سر فروش ہو وہ اپنی جان پر کھیلے

یہ اسکے پڑھنے سے ہو چار بیت کو شادی / کہ بیت بیت سے جو تھی زبان پر کھیلے

میں رند رنگ میں ڈوبوں وہ طفلِ بادہ فروش / خدا کرے کہیں ہولی دکان پر کھیلے

جمائے رنگ وہ مطرب پسر جو ٹھیکا کا / جو پارسا ہو تو پہرا ایک تان پر کھیلے

نہ جیتنے میں گذارہ نہ ہارنے میں رفاہ / پھر ایسے کھیل کو کوئی کس گمان پر کھیلے

کہوں تو دردِ دل اس سے مگر ہو قتل کا خوف / قضا نہ سر پہ کہیں اس بیان پر کھیلے

لگائے کیوں نہ وہ واعظ نماز میں شرطیں / جوا جو روز و شب اپنے مکان پر کھیلے

ہمارا دل ہے کہ اس ترک شوخ سے شطرنج
ہزار بار کیا امتحان پہ کھیلے

امیر چال کوئی اُس سے کسطرح چل جائے
تمام روز جو چوپڑ مرکان پہ کھیلے

نمود خط ابھی اے حسن یار باقی ہے
اس آئینے کے جگر میں غبار باقی ہے

نہ مست ہے نہ کوئی ہوشیار باقی ہے
حجاب کس سے اب اے چشم یار باقی ہے

وہ صید گاہ سے جاتے ہیں اے اجل کہدے
ادھر بھی بے پروبال اک شکار باقی ہے

یہ میکدے میں ہے شیشوں کا قحط اے ساقی
ابھی تو شیخ کا سنگ مزار باقی ہے

زمین گور کو سیر فلک مبارک ہو
کہ میرے پاس دل بے قرار باقی ہے

وہ منتظر ہیں کہ مرلوں تو لاش پر آئیں
اجل کو آنے میں کیا انتظار باقی ہے

پھر اُسکے دانتوں کا تجھ کو ہے قصد نظارہ
گرہ میں کچھ گہر آبدار باقی ہے

نہ جائیگی کبھی تا زیست اپنی سوزش دل
کہ شیر زندہ ہے جب تک بخار باقی ہے

چلے برنگ نفس عمر بھر تو کیا حاصل
کہ منزلوں ہی ابھی کوئے یار باقی ہے

وہ ذبح کرکے لہو پر چھڑک رہے ہیں جو خاک
اشارہ ہے کہ ابھی تک غبار باقی ہے

ہوئے تو خاک ہوئے ہم مٹے تو خاک مٹے
ابھی تلک تو نشان مزار باقی ہے

نہ توڑ دا آئینہ جانے بھی دو کہ ایک ہی
تمہارے دیکھنے والوں میں یار باقی ہے

نہ دل میں تاب نہ آنکھوں میں نور ہے لیکن
وہی تڑپ ہے وہی انتظار باقی ہے

سوال کرتے ہیں کیا دیکھ کر ملک ہم سے
کفن میں بھی تو نہیں کوئی تار باقی ہے

قضا پکارتی پھرتی ہے آنکے مقتل میں
چلے اگر کوئی امیدوار باقی ہے

بہار میں ہو نہ کیوں روئے یار پر جوبن
چمن عروس ہے جبتک بہار باقی ہے

امیر فاتحہ پڑھنے کو اب کہاں آئے
مزار ہے نہ نشان مزار باقی ہے

بہار عمر سے دل یادگار باقی ہے — بس اک یہی ثمر داغدار باقی ہے
نگہ کہاں مری آنکھوں میں یار باقی ہے — یہ کچھ غبار رہ انتظار باقی ہے
رہا قفس سے کرے بلبلوں کو کیا صیاد — ابھی تو باغ میں کچھ کچھ بہار باقی ہے
کلیم بیٹھ رہے طور پر خیال نہیں — کہ اور بھی کوئی امیدوار باقی ہے
کہاں کہاں نہیں یاران رفتہ کو ڈھونڈا — اب ایک ہی تو عدم کا دیار باقی ہے
مثال آئینہ وا ہیں مزار میں آنکھیں — ہنوز حسرت دیدار یار باقی ہے
شریک سیکڑوں گرد ہیں اپنے پھولوں میں — خزاں کے بعد بھی جوش بہار باقی ہے
نفس کی آمد و شد ہر نفس یہ کہتی ہے — کوئی دم اور تجھے اختیار باقی ہے
کفن کیواسطے کافی ہے ہوں وہ وحشی زار — کوئی کوئی جو گریباں میں تار باقی ہے
نہ تخت خسرو چیں ہے نہ چتر قیصر روم — مزار سایۂ نخل مزار باقی ہے
ہجوم داغ سے ہر عضو ہے پر طاؤس — موئے پہ بھی وہی نقش و نگار باقی ہے
اٹھا جو پردہ تو کیا شرم ہے ابھی شب وصل — پڑی نقاب تو یہ اے نگار باقی ہے
برنگ شمع اترتی نہیں کبھی تپ غم — ہزار آئے پسینا بخار باقی ہے
ہوائے کوچۂ گیسو میں یہ لٹا سنبل — کہ ایک پیرہن تار تار باقی ہے
نکل چلے ہیں بہت طفل اشک روک اے دل — ابھی تو جبر پہ کچھ اختیار باقی ہے
صبا چلی نہیں غنچے ہیں منہ چھپائے ہوئے — وہی حجاب عروس بہار باقی ہے

کہینگے اہل عدم کو دکھا کے داغ امیر
یہی گل چمن روزگار باقی ہے

تیغ قاتل پہ ادا لوٹ گئی — رقص بسمل پہ قضا لوٹ گئی
ہنس پڑے آپ تو بجلی تڑپی — بال کھولے تو گھٹا لوٹ گئی
پس گیا چشم سیہ پر سرمہ — پائے رنگیں پہ حنا لوٹ گئی

اونچی چوٹی کے ادا گرد پھری ۔۔۔ نیچی نظروں پہ حیا لوٹ گئی

اس روش سے وہ چلے گلشن میں ۔۔۔ بچھ گئے پھول صبا لوٹ گئی

تیرے بسمل سے ترے خنجر نے ۔۔۔ وہ ادا کی کہ قضا لوٹ گئی

جان مجروں کہ حقیقت کیا تھی ۔۔۔ درد پہلو میں اٹھا لوٹ گئی

سانپ کی طرح مری چھاتی پر ۔۔۔ رات وہ زلف دوتا لوٹ گئی

یاد گیسو نے تڑپ پیدا کی ۔۔۔ برق بن کر یہ بلا لوٹ گئی

وار خالی نہ گیا قاتل کا ۔۔۔ بچ رہا میں تو قضا لوٹ گئی

کیا مزے کی ہے طبیعت اپنی ۔۔۔ ایک بوسہ جو ملا لوٹ گئی

خنجر ناز نے کشتوں سے امیر
چال وہ کی کہ قضا لوٹ گئی

عشق بتاں سے ہاتھ نہ مر کر اٹھائیے ۔۔۔ جب تک اُٹھے یہ داغ جگر پر اٹھائیے

جور فلک کے ناز ستم گر اُٹھائیے ۔۔۔ اک دل ہزار داغ ہیں کیونکر اٹھائیے

کہتے ہیں مجھ گدا کو وہ کوچے میں دیکھ کر ۔۔۔ للہ جان چھوڑیئے بستر اٹھائیے

مردے پہ میرے آئے تو بولا یہ اُنسے ناز ۔۔۔ کس کا جنازہ ہے یہ سمجھ کر اُٹھائیے

غیرت کا حکم ہے کہ گلا گھونٹ کر ۔۔۔ مر جائیے نہ منت خنجر اُٹھائیے

مشتاق دید صورت موسیٰ پڑے ہیں عشق ۔۔۔ کس سے حجاب گوشۂ چادر اُٹھائیے

مرقد میں آکے مجھ سے کہا شور حشر نے ۔۔۔ تکیے سے اب تو بہر خدا سر اُٹھائیے

رہیے خموش قاصد جاناں جو کچھ کہے ۔۔۔ حکم خدا ہے ناز پیمبر اُٹھائیے

میرا اسلام آپ کا وار ایک وقت ہو ۔۔۔ اُٹھے مزہ جو ہاتھ برابر اُٹھائیے

آڑیں ہیں پاس آپ کے گھر بیٹھا کر ضرر ۔۔۔ دیوار کیا جو سد سکندر اُٹھائیے

منظور ہو جو عشق تو اضع ضرور ہے ۔۔۔ سر پر جو اٹھائیے بوجھ جھک کر اُٹھائیے

یکتائی صنم پہ قسم رُخ کی کھایئے ۔ قرآں اُٹھایئے بھی تو حق پر اُٹھایئے
بے چشم مست یار نہیں لطف میکشی ۔ اب انجمن سے شیشہ و ساغر اُٹھایئے
قاصد سزائے نامہ بری کو پہنچ گیا ۔ اب اُسکی لاش پھر ہمیں اُٹھایئے
ہو عشق کی نماز میں تکبیر کا یہ لطف ۔ دونوں جہاں سے ہاتھ برابر اُٹھایئے
دل کی جلن کا ہاتھ میں اپنے ہو یہ اثر ۔ بجلی بنیں شرار جو پتھر اُٹھایئے
آسان نہیں ہو عشق بُت سنگدل امیر
یہ بوجھ اُٹھایئے تو سمجھ کر اُٹھایئے

بیجا نہیں خزاں میں یہ نالے ہزار کے ۔ مظلوم داد خواہ ہیں خونِ بہار کے
رکھنا نہ مجھ کو ساتھ دلِ بےقرار کے ۔ ہو اور اک مزار برابر مزار کے
گستاخ صاف دلمیں صفائی کی کب ہو بات ۔ چڑھتا ہو ایک آئینہ منھ پہ ہزار کے
برباد ہوکے اُسکی گلی میں ملا یہ اوج ۔ ذرّے ہیں آفتاب ہمارے غبار کے
گلشن سے بلبلوں کو اُڑاتا ہو باغباں ۔ صدقے اُتر رہے ہیں عروسِ بہار کے
پھولیگا اور کب جو نہ پھولے گا آج کل ۔ اے نخلِ عمر دن تو یہی ہیں بہار کے
صوفی خدا کے گھر میں یہ ہو حق ہو کیا ضرور ۔ سامع اگر ہو دور تو کہیئے پکار کے
یوسف کی اصل پوچھئے نقاشِ دہر سے ۔ بھیجا تھا میرے یار کا نقشہ اتار کے
ایامِ ہجر کٹ نہ سکے کوہکن سے بھی ۔ پتھر سے سخت ہوتے ہیں دن انتظار کے
یہ عشق خطِ یار میں ہو حال جسم زار ۔ مفصل تمام جوڑ ہیں خطِ غبار کے
آئے سوال کو جو نکیرین بعد مرگ ۔ ٹھہرے رہے ادب سے کنارے مزار کے
شرمندہ میرے بعد ہوئے ہیں یہ خانہ جنگ ۔ پایوں سے رکھدیئے ہیں پہنچے اتار کے
شکوہ میں ابر کا کہ ہوا کا گلہ کروں ۔ دشمن ہیں سیکڑوں مرے مشتِ غبار کے
لاتی شمیم گل جو کسی دن قفس تلک ۔ کیا ٹوٹ جاتے پاؤں نسیمِ بہار کے

روشن تھے جنکے قصر میں سو تیونکے جھاڑ — محتاج ہیں وہ ایک چراغ مزار کے
پیری میں کس مزے کو جوانی کے روئیے — سودا غ دے گئے ہمیں دو دن بہار کے
یکرنگ تھے وہ ہم کہ دورنگی نہ کی پسند — پہنا کفن تو جامۂ ہستی اتار کے

بن کر بگڑتے ہیں جو گھروندے ہزار ہا
ہیں کھیل اے امیر صنعتِ پروردگار کے

جنت میں روح جسم ہے نیچے مزار کے — کشتی ہماری ڈوب گئی پار اُتار کے
اب خاک کام آئیں گے آنسو ہزار کے — شبنم نے دھوئے پانوں عروس بہار کے
بے غم ہیں عیش کب چمن روزگار کے — کھٹکے ہیں کوچۂ رگ گل میں بھی خار کے
مردوں سے کر رہے ہیں نکیرین کیا سوال — جھگڑیں مجاوروں سے یہ باہر مزار کے
دوزخ میں مجھکو جھونک چکے تھے مرے عمل — قربان شان رحمتِ پروردگار کے
کیا چشم سرمگیں کے اشاروں سے دل بچے — آتے ہیں تیر زنگی ابلق سوار کے
اس پیار سے زمیں نے کھینچا بغل میں تنگ — یاد آگئے مزے مجھے آغوش یار کے
پہناؤ بیڑیوں کے عوض مجھکو بدھیاں — کچھ اب کی سال رنگ نئے ہیں بہار کے
کلیاں جنھیں گلوں کی سمجھتی ہو عندلیب — وہ بند ہیں نقاب عروس بہار کے
پانی تری چھری کا ہو یونہی جو باڑھ پر — دریا بہینگے دشت میں خون شکار کے
کہتے ہیں گل یہ سمجھ شبنم سنبھال کر — گنتی کے رہ گئے ہیں دن اپنی بہار کے
کیوں عاشقوں کے نامۂ عصیاں نہوں سیاہ — پروانہ ہیں مسودۂ زلف یار کے
کیونکر ملے سراغ مرے جسم زار کا — پردے ہیں تار پیرہن تارتار کے
غافل نہ گرم و سرد جہاں سے کبھی رہے — سوئے جو ہم تو سائے میں نخل چنار کے
صالح کا ناقہ ہو کہ دلا گاؤ سامری — پالے ہوئے ہیں سب مرے پروردگار کے
جلوہ دکھا کے رنگ جوانی ہوا ہوا — آتے ہی الٹے پانوں پھرے دن بہار کے

دامن کشاں وہ آئے سر قبر شکر ہے
آنسو تو کچھ تھمے مری شمع مزار کے

گلشن میں کی جو آہ شرربار امیر نے
چھوٹنے لگے پھلجھڑی کی طرح پھول انار کے

سب جلو میں آپ کے آتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
اک مجھی پر آپ جھنجھلاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

ضعف سے گو ٹھوکریں کھاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
پر ترے در تک پہنچ جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

ہے نماز ان زاہدوں کی ضعف ایماں پر دلیل
سامنے اللہ کے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

نوجوانی میں بھی ہے باقی انھیں اتنا حجاب
کوئی بیٹھا ہو تو شرماتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

جن جوانوں کے سر افلاک پڑتے تھے قدم
اب زمیں پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

زاہدوں کو کیا حرم کی راہ میں رنج سجود
منزل آساں ہو چلے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

خود نمائی کی بدولت کتنے اوچھے ہیں حسیں
مہندی ملتے ہیں تو اتراتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

بوجھ ہے موباف کا ان کو نزاکت ہے وبال
گیسوؤں کی طرح بل کھاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

تھا جوانی تک مزہ سیر و تماشا کا تمام
ضعف سے اب پاؤں تھراتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

کیا ہوا میں ناتواں ہوں گور کی منزل کڑی
آگے پیچھے سب چلے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

رسم نے ملنے کی کھوئی عید کی ساری خوشی
تین دن تک بانوں رہ جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

آگے سو سو شعر اک جلسے میں کہتے ہیں امیر
چار مصرع اب کہے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

تیغ قاتل کی چمک آنکھوں میں پھر جاتی ہے
اور بھی برق تڑپ کر مجھے تڑپاتی ہے

درد الفت تجھے معشوق سے بڑھ کر ہے عزیز
جب یہ اٹھتا ہے مری روح نکل جاتی ہے

صورت نقش قدم اٹھ نہیں سکتے ہیں مدام
ناتوانی مجھے ہر گام پہ ٹھہراتی ہے

طرز رفتار سے مارا ہے تو پامال بھی کر
دیکھ قاتل یہ بڑی چال رہی جاتی ہے

سرنگوں بحر حوادث میں ہوں مانند حباب
آنکھ کھل جاتی ہے جب دم کوئی لہر آتی ہے

شوخیٔ حسن نے لاکھ اُنکو کیا طاق مگر
پھر لڑکپن ہو ابھی آنکھ جھپک جاتی ہے

کچھ نہ اغیار کی تقصیر نہ تم پر الزام
بیزبانی مری باتیں مجھے سنواتی ہے

لاش پر بھی وہ چھڑکتا ہو نمک ہنس ہنس کر
چھیڑ اب تک مرے زخموں سے چلی جاتی ہو

پھنک چکے صور کہیں جلد لحد سے نکلوں
اب طبیعت بہت اس قید میں گھبراتی ہو

گل نسیم سحری شمع سحر کو نہ کرے
کوئی دم میں یہ غریب آپ بجھی جاتی ہو

دلکو تسکین ہیں اے قافلے والو کیا دوں
اپنو آواز جرس کی بھی نہیں آتی ہو

جب کہا میں نے کہ اب قتل میں تاخیر ہو کیوں
بولے ہر بات میں جلدی نہیں پڑ جاتی ہو

آخری وقت تو آواز سنا جاؤ مجھے
خلق کے کہنے کو اک بات رہی جاتی ہو

آرسی ہو تری قسمت کی زبردست اے ترک
سامنا تجھ سے ہو پر چوٹ نہیں کھاتی ہو

دوسرا نوک کا مجھ سا ہے جوان کون امیر
سیکڑوں نیزے ہیں اور ایک مری چھاتی ہو

توڑ کر پہلو جو چل نکلا دل نخچیر سے
خوب روئیں حسرتیں دلکی لپٹ کر تیر سے

بیخود الیا ہوں کسی کی لذت تقریر سے
پہروں کرتا ہوں خموشی کا گلہ تصویر سے

قید گیسو سے چھڑایا مجھ کو آنکھوں نے تری
لیگئیں پریاں اُڑا کر خانۂ زنجیر سے

تیر نکلا بھی نہیں قاتل کے ترکش سے ابھی
روح خوش ہو کر نکل آئی تن نخچیر سے

ہوں وہ تر دامن جلا سکتا نہیں دوزخ مجھے
کثرت عصیاں نے ایمن کر دیا تعزیر سے

مصحف ناطق کہیں کیونکر نہ تیرے خط کو ہم
لذت تقریر ملتی ہے تری تحریر سے

پاس بٹھلا کر مجھے اُسنے اُٹھایا غیر کو
لڑگئی تقدیر میری غیر کی تقدیر سے

دھوم ہو قاتل تری آتی ہیں پریاں سیکھنے
چال تیری تیغ سے پرواز تیرے تیر سے

دم اگر نکلے تو نکلے گھٹ کے عشق زلف میں
پر قدم باہر نہ نکلے خانۂ زنجیر سے

ذبح ہونے کا نہ اٹھا خاک بھی ہم کو مزہ
عمر بھر رگڑا تو کیا رگڑا گلا شمشیر سے

اے صبا سنبل نے کیوں گلشن میں پھیلایا ہے جال
موج بوئے گل بھی مجھکو بڑھکے ہے زنجیر سے

بے سبب غلطاں نہیں ہے ناوک افگن خاک پر
چھینے لیتی ہے قضا ناوک ترا نخچیر سے

یوں نہیں آئینہ کا قابو میں خط رخسار یار
توڑ جوڑ اس خط کے سیکھوں کاتب تقدیر سے

اس مرقع میں عجب نیرنگیاں ہیں حسن کی
جب نظر اٹھی لڑیں آنکھیں نئی تصویر سے

قید ہستی سے جو چھوٹے آئے جنت میں امیر
حور بن کر روح نکلی خانۂ زنجیر سے

اے گل تر تیرے جذب حسن کی تاثیر سے
رنگ خوں ہو کر ٹپکتا ہے مری تصویر سے

لکھدیا روز ازل انجام غفلت کا مری
خواب سے پہلے ہوا آگاہ وہ تعبیر سے

لیگیا مریخ اُس کو غازۂ رخ کے لیئے
جو لہو کا قطرہ ٹپکا یار کی شمشیر سے

دیکھ اے دل جائے عبرت قصۂ شداد ہے
گھر جہنم میں بنا فردوس کی تعمیر سے

مرتے مرتے بھی نہ احساں غیر کا ہم سے اٹھا
سر بھی کٹوایا تو ہم نے یار کی شمشیر سے

اتنی آرائش بھی اُنکو ہے نزاکت سے گراں
کم نہیں پھولوں کی بدھی آہنی زنجیر سے

اب ادائے شکر قاتل بسملوں پر فرض ہے
ہر دہانِ زخم نے پائی زباں شمشیر سے

بوسہ لینے پر جو وہ بگڑے تو پھر بوسہ لیا
معصیت کا ذوق دونا ہو گیا تعزیر سے

توڑ میں تیر قضا قاتل کسی سے کم نہیں
ہاں جو ہارا ہے تو اک تیری نگہ کے تیر سے

وصف گیسو میں جو کرتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ
دم اُلجھتا ہے تری اُلجھی ہوئی تقریر سے

جاں نثاروں کو گلے مل مل کے کرتا تھا ہلاک
رہ گئی یہ چال اے قاتل تری شمشیر سے

عشق ابرو میں جو خط لکھتا ہوں قاتل کو کبھی
چاک کرتا ہے لفافہ کو مری شمشیر سے

بیڑیاں دیوانۂ گیسو کو پہناتے ہو کیوں
رشتۂ الفت کا پھندا سخت ہے زنجیر سے

داد دینے کا تو کیا مذکور یہ صیاد حسن
چاہتے ہیں اور اُلٹی آفریں نخچیر سے

منزل حیرت کا طے کرنا بہت دشوار ہے
پار کب ہوتی ہے کشتی قلزم تصویر سے

آکے بربادی ہمارے خانۂ دل میں بسی　　گھر خرابی کا ہوا آباد اس تعمیر سے

لکھ چکے قاصد کو خط اُس شوخ کو لکھ کر امیر
رو چکے لکھے کو اپنی خوبی تقدیر سے

کیا لب معشوق ہو کر جان لے خنجر سے　　سیکھ لے گھر دل میں کرنا کوئی اس کے تیر سے
شعلۂ آواز سے غش آگیا مثل کلیم　　لن ترانی کا مزہ اُٹھا تری تقریر سے
مچھلیاں بالے کی رہتی ہیں مرے پیش نظر　　کم نہیں میرا تصور دام ماہی گیر سے
مضطرب مجھسے زیادہ یار ہے میرے لئے　　اضطراب ناوک افگن بڑھ گیا ہے نخچیر سے
ہوں وہ محو بیخودی لکھی جو میری سرنوشت　　مٹ گیا جو حرف نکلا خامۂ تقدیر سے
محو ہو کر دیکھ نیرنگی طلسم دہر کی　　سیر کر حیرت کدے کی دیدۂ تصویر سے
عذر بے بال و پری کب تک نکل اے مرغ روح　　مانگ لے پر عرش تک اُڑنے کو اُسکے تیر سے
عالم کثرت میں وحدت کی نشانی ہے ضرور　　فایدہ اتنا ہے بیت اللہ کی تعمیر سے
زندہ جاوید ہوں کیونکر نہ بسمل زیر تیغ　　چلتی ہے قاتل قضا بچ کر تری شمشیر سے
کل تلک تھا کثرت عصیاں سے نادم اے کریم　　آج شرمندہ ہوں اپنی قلت تقصیر سے
منزلت اضداد سے بڑھ جاتی ہے ہر چیز کی　　کعبے کی رونق ہوئی بُت خانے کی تعمیر سے
عشق گیسو سے جو چھوٹے قتل ابرو نے کیا　　آئے مقتل میں جو نکلے خانۂ زنجیر سے
تیر سے رکنے اور کھنچنے کا تو کیا مذکور ہے　　یہ ادائیں سیکھ لے کوئی تری شمشیر سے
جو رقم کرتا ہوں میں کرتا ہے وہ اُسکے خلاف　　اب کے خط لکھوا کے بھیجوں کاتب تقدیر سے
کیا خبر تجھ کو کہ قسمت میں کہاں کی خاک ہے　　جیتے جی کیا فائدہ ہے قبر کی تعمیر سے
وہ کرے سلطان دنیا یہ کرے سلطان دیں　　کیا میں نسبت دوں ہما کو یار کی شمشیر سے
داغ سینہ داغ پہلو زخم دل درد جگر　　کیسے کیسے ہم نشیں مجھ کو ملے تقدیر سے
زخم یہ اوچھے نہیں کھائے ہیں قاصد نے امیر　　لیکے آیا ہے وہ اس پردے میں خط شمشیر سے

قطع ہو راہ سفر کوچۂ قاتل آئے
تھک گیا ہوں میں الٰہی کہیں منزل آئے

چین جبیں پر نہ تہ خنجر قاتل آئے
وضع میں فرق خبردار نہ اے دل آئے

حاجیو تم کو مبارک ہو سفر کعبے کا
جا کے بتخانے میں اللہ سے ہم مل آئے

مرتے دم بھی نہ ہوئی لذت دیدار نصیب
غش پہ غش مجھ کو تہ خنجر قاتل آئے

صدمہ درد جگر سے نہیں آگاہ ہنوز
کہیں اللہ کرے آپ کا بھی دل آئے

حال ہشیاری کا بیدار دلوں سے پوچھو
ہم تو غافل رہے غافل گئے غافل آئے

مجھ سے صدمے نہ جدائی کے اُٹھینگے یارب
جان بھی ساتھ ہی جائے جو کہیں دل آئے

ماہتابی پہ وہ آئے تو تجلی نے کہا
میرے آگے تو جھکا کر مہ کامل آئے

ہوں وہ واماندۂ غربت جو کروں قصد عدم
موت لینے کو مجھے سیکڑوں منزل آئے

مذہب عشق میں تمیز بد و نیک ہے کفر
توبہ کیجئے جو خیال حق و باطل آئے

سر اٹھانیکی نہیں کنج لحد میں طاقت
تھک گئے بسکہ کڑی جھیل کے منزل آئے

وہ غریق یم حسرت ہوں کہ آنکھوں میں فلک
خاک جھونکے جو نظر دور سے ساحل آئے

تیز قدموں نے جو پیچھے ہمیں چھوڑا چھوڑا
گرتے پڑتے ہوئے ہم بھی سر منزل آئے

کوئی مشتاق شہادت نہ تڑپ کر مر جائے
دیر اچھی نہیں آنا ہے تو قاتل آئے

سادہ رویوں کو عبث دعوی یکتائی ہے
حال کھل جائے جو آئینہ مقابل آئے

مجھ کو اور غیر کو یکساں تو نہ سمجھے وہ امیر
کاش کچھ اُس کو تمیز حق و باطل آئے

روبرو دل جو ہمارا سر محفل آئے
منہ پہ آئینہ جو پھر تیرے مقابل آئے

بزم میں شب کو جو وہ ماہ تمائل آئے
منہ کے بل شمع گرے غش سر محفل آئے

کوچۂ یار میں جائینگے پھنسیں ہم تو پھنسیں
قید ہونے کو فرشتے سوئے بابل آئے

ہم تہ دست لب گور تو پہونچے پر یوں
جس طرح لٹ کے مسافر سر منزل آئے

زخمی عشق ہوں ایسا جو ہلے دل میرا
صاف آواز پر طائر بسمل آئے

تجھ میں جا کے ہیں مجنوں کیطرح بیٹھا ہوں
کہ نظر مجھ کو کوئی صاحب محمل آئے

کبھی اُس چاند سے چہرے پہ نہ ہو خط کی نمود
یا الٰہی نہ گہن میں مہ کامل آئے

لوٹتا ہوں نہ تجھ فقط اتنے کے لئے میں
بن پڑے اور جو غصے میں وہ قاتل آئے

ساتھ اغیار کے جب یار کرے بادہ کشی
خون دل کیوں نہ یہاں اشک کے شامل آئے

آئے جان پر اپنے تو مروت کیسی
پھینک دوں چیر کے پہلو جو کہیں دل آئے

جان وہ جان ہے جو راہ میں تیرے جائے
دل وہ دل ہے جو ترے کوچہ میں بسمل آئے

یہ نیا قاعدہ دربار کا ٹھہرا ہے حضور
نذر کے واسطے ہر روز نیا دل آئے

اب کسی سے نہ رہی ملنے کی حسرت باقی
آج جی بھر کے گلے تیغ سے ہم مل آئے

ہاتھ رک جائے نہ قاتل کا ابھی کمسن ہے
ذبح کے وقت نہ ہچکی تجھے بسمل آئے

قلزم عشق وہ قلزم ہے جہاں مثل حباب
ٹوٹ جائے جو سفینہ لب ساحل آئے

یاد گیسو نے لحد میں بھی نہ چھوڑا پیچھا
قید خانے میں گرفتار سلاسل آئے

بے نقاب آئے جو وہ رات کو محفل میں امیر
شمع نے بڑھ کے کہا رونق محفل آئے

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اسکو گلا سمجھے
تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

ریا کو کور باطن طاعت خاص خدا سمجھے
سہارا مل گیا دیوار کا اندھے عصا سمجھے

ہوا جب نفس تابع مطلب دل ہو گیا حاصل
گلوئے اژدہا ہم کو جو ہاتھ آیا عصا سمجھے

نظر ریش سیہ میں جب کوئی مُو سفید آیا
بہت روئے اُسے ہم خندہ دنداں نما سمجھے

جو اٹھتے بیٹھتے پیری میں بولیں ہڈیاں اپنی
درائے کارواں زندگی کی ہم صدا سمجھے

نہ کی عہد جوانی میں ادائے بندگی ہمنے
ہوئے فاقے جو پیری میں انھیں صوم قضا سمجھے

جوانی اور پیری ایک رات اور دن کا قصہ تھا
خمار نشہ میں دونوں کو کھویا ہائے کیا سمجھے

ہوئے کشتہ نظر آیا جو خال ابروئے قاتل — ہم اس خنجر کے جوہر کو سر خاف قضا سمجھے
ہر اک لخت دل پر خون شہید تیغ الفت تھا — گرا دامن پہ جب دامن کو اپنے کربلا سمجھے
مخمس ہے نیا ناخن بدل وہ پنجۂ رنگیں — سوا شاعر کے اس کا حسن کوئی ادا کیا سمجھے

امیر اہل حرم سمجھے حرم تصویر ابرو کو
کھنچا خاکہ جو اُس گیسو کا ہندو کالکا سمجھے

تارک ہستی سے اُس کا آستاں نزدیک ہے — بے نشانوں سے بہت وہ بے نشاں نزدیک ہے
اس چمن میں طائر کم پر اگر ہوں ہیں تو کیا — دور ہے صیاد ابھی اور آشیاں نزدیک ہے
ہے ازل سے ساتھ نرم و سخت کا اس دہر میں — کسقدر انساں کے دانتو سے زباں نزدیک ہے
صحبت عالم سے نقصاں گوشہ گیر ونکا نہیں — خوف کیا گر تیر سے زاغ کماں نزدیک ہے
رکھ قدم آہستہ آہستہ چمن میں عندلیب — دور کچھ گلچیں نہیں ہے باغباں نزدیک ہے
بام جاناں دور کیا ہے کبھی ہے پرواز شوق — حوصلہ عالی اگر ہو آسماں نزدیک ہے
ہو چلی ہے الفت اک پردہ نشیں سے پھر مجھے — المدد اے ضبط وقت امتحاں نزدیک ہے
آگے عالی ظرف کے کم ظرف کیا پائے فروغ — آبرو کیا ہے جو دریا سے کنواں نزدیک ہے
توبہ گلرویوں کی الفت سے ہے پیری میں ضرور — اے بہار زندگی وقت خزاں نزدیک ہے
پر فشانی حسرت پرواز ہیں اب کیا ضرور — دام صیاد اجل اے مرغ جاں نزدیک ہے
عشق صادق کی ہے آمد دل ہوس سے پاک کر — صاف کرنا چاہئیے گھر میہماں نزدیک ہے
لی جو میخواروں نے انگڑائی اُتارا جام بھر — کیا ہی میخانے سے طاق آسماں نزدیک ہے
برگ گل صیاد آتے ہیں جو اُڑ کر متصل — کیا بہت میرے قفس سے بوستاں نزدیک ہے
دل ہے نالاں غم سے ٹپکا چاہتے ہیں اشک بھی — آتی ہے بانگ جرس اب کارواں نزدیک ہے
صور محشر کو کھلا دے سرمہ اے گرد گناہ — چپ رہے وقت حساب عاصیاں نزدیک ہے
ہر طرف ہیں غول خضر راہ پوشیدہ امیر — اب ظہور مہدی آخر زماں نزدیک ہے

وعدۂ وصل اور وہ کچھ بات ہے
ہو نہ ہو اس میں بھی کوئی گھات ہے

خلق ناحق در پئے اثبات ہے
ہیچ دہن اس کا کہاں اک بات ہے

بوسۂ چاہِ زنخداں عنبر لیں
ڈوب مرنے کی یہ ایدل بات ہے

گھر سے نکلے ہو نہتے وقت قتل
یہ بھی بہر قتل عاشق گھات ہے

میں نے اتنا ہی کہا بنواؤ خط
یہ بگڑنے کی بھلا کیا بات ہے

بعد مدت بخت جاگے ہیں مرے
بیٹھے سونے کو ساری رات ہے

کیا کروں وصف بتان خود پسند
ان سے بڑھ کر بس خدا کی ذات ہے

باتوں باتوں میں جو میں کچھ کہہ گیا
ہنس کے فرمانے لگے کیا بات ہے

حرف مطلب صاف کہہ سکتا نہیں
ہے ادب مانع کہ پہلی رات ہے

مجھ سے ہو اظہار الفت واہ واہ
آپ کی فرمانے کی یہ بات ہے

رو رہے ہیں ہم ملا دے لب سے لب
میکشی ہو ساقیا برسات ہے

زچ ہے تیری چال سے رفتار رخ
مہر رخ سے بازی مہ مات ہے

کیسی کٹتی ہے سیہ بختی میں عمر
رات سے دن دن سے بدتر رات ہے

چھیڑتا ہے دل کو کیا اے درد ہجر
خود گرفتار ہزار آفات ہے

اے غنی دے سیم و زر وقت بلا
مال دینا جان کی خیرات ہے

قطعہ

گر جگہ دل میں نہیں پھر اس سے کیا
یہ دو شنبے کی یہ بدھ کی رات ہے

صاف کہہ دے تو یہاں آیا نہ کر
یار یہ سو بات کی اک بات ہے

لخت دل ہیں میرے کھانے کو امیر
بس انھیں ٹکڑوں پہ اب اوقات ہے

کشور دل میں ہو پریوں کے بھی شاہی تیری
قاف تا قاف حکومت ہو الٰہی تیری

نیم جاں چھوڑ چلی نیم نگاہی تیری
زندگی تا صد وسی سال الٰہی تیری

تو بھی اے ابر یہ بوتلیں بھیجے کی سیاہ
مانگئی خوب سیاہی میں سیاہی تیری

گور میں ساتھ نجائیگی یہ شوکت اے شاہ
چھوٹ جائیگی یہیں مسند شاہی تیری

ناز نیرنگ پہ اے ابلق ایام نہ کر
نہ رہیگی یہ سفیدی یہ سیاہی تیری

وصل میں جوش پر آیا جو مرا قلزم اشتیاق
زلف اے ماہ بنے گی پر ماہی تیری

لکھ کے خط کوچہ قاتل میں تجھے کیا بھیجوں
اے کبوتر نہیں منظور تباہی تیری

دل تڑپتا ہے تو کہتی ہیں یہ آنکھیں رو کر
اب تو دیکھی نہیں جاتی ہے تباہی تیری

چاہنا جو مجھے تو حشر میں کہنا اے دل
داور حشر نہ مانے گا گواہی تیری

ہم فقیر اپنی فقیری میں شب و روز ہیں مست
تجھ کو اے شاہ مبارک رہے شاہی تیری

کیا بلانے کو ڈراتی ہے مجھے اے شب گور
کچھ شب ہجر سے بڑھ کر ہے سیاہی تیری

مے پلا خوب رجب سے رمضاں تک ساقی
دونی کر دونگا میں تنخواہ سہ ماہی تیری

برہمن کعبہ نشیں شیخ حرم بندۂ بت
مصلحت ہے جو مشیت ہے الٰہی تیری

چھپ گیا مہر قیامت بھی تہ ابر سیاہ
ہیلے اے نامۂ اعمال سیاہی تیری

کیا ہوا تجھ کو کہ غافل ہے ادا مر سے امیر
حرص سے طبع ہے مشتاق تو اہی تیری

ہر گنہگار کو ہے آس الٰہی تیری
عام ہے ہر صفت نامتناہی تیری

آنکھ میں آئے تو پتلی ہے تو اے زلف سیاہ
دل میں ٹھہرے تو سویدا ہو سیاہی تیری

منزلیں ہوتی ہیں کھوٹی نکل اے قاتل خلق
راہ تکتے ہیں کھڑے دیر سے راہی تیری

رنگ تو خوب ہے پر اے شب غم عیب یہ ہے
کہ روانی نہیں رکھتی ہے سیاہی تیری

جوہر تیغ میں اے ابروئے پرخم تجھ میں
قدر کس طرح سے سمجھیں نہ سپاہی تیری

میں تو زنداں سے سوئے دشت بڑھاتا ہوں قدم — ہو گی اے خانۂ زنجیر تباہی تیری
حشر میں تو نہ زباں بند کرے آئینہ دو دم — وہ گواہوں کے برابر ہے گواہی تیری
بو نہیں رنگ نہیں نور نہیں نار نہیں — معرفت کیوں نہ ہو دشوار الٰہی تیری
واہ کس لطف سے پڑھتا ہے تو اطفل نصاب — مدح کرتا ہے ابو نصر فراہی تیری
تیرے نظارے سے بڑھتی ہے بصارت ازبس — سرمہ بنجاتی ہے آنکھوں میں سیاہی تیری
مشق فریاد و بکا حشر میں کام آئے گی — کر رکھیگی نہ زباں وقت گواہی تیری
دھیان دل کو نہیں تیرا فقط اے زلف سیاہ — شب کو بھی آکے دباتی ہو سیاہی تیری

تو سفینہ ہے زمانہ ہے سفینے میں اسیر
سارے عالم کی تباہی ہے تباہی تیری

گذر کو ہے بہت اوقات تھوڑی — کہ ہے یہ طول قصہ رات تھوڑی
جو زاہد نے مانگی مست بولے — بہت یا قبلۂ حاجات تھوڑی
کہاں غنچہ کہاں اُس کا دہن تنگ — بڑھائی شاعروں نے بات تھوڑی
اُٹھے کیا زانوئے غم سے سر اپنا — بہت گذری رہی ہیہات تھوڑی
خیال ضبط گریہ ہے جو ہم کو — بہت امسال ہے برسات تھوڑی
پلا دے مے کے نقد ہوش ساقی — تہی دستوں کی ہے اوقات تھوڑی
وہی ہے آسماں پر گنج انجم — ملی تھی جو تری خیرات تھوڑی
ترا اے دختر رز وصف ہے واعظ — پئے حرمت ہوا تھی بات تھوڑی

چلو منزل اسیر آنکھیں تو کھولو
نہایت رہ گئی ہے رات تھوڑی

پژمردہ گل ہوئے ترے گالوں کے سامنے — سنبل پہ پیچ پڑ گئے بالوں کے سامنے
پردہ انھیں سے ہے جنھیں تاب نظر نہیں — آتے ہیں خود وہ دیکھنے والوں کے سامنے

بے جا زمیں کو فخر نہیں آسمان پر
ذرہ ہے مہر مہر جمالوں کے سامنے

کیا کیا بناؤ کرتے ہیں خار رہ جنوں
رکھ رکھ کے آئینے مرے چھالوں کے سامنے

نیرنگ صنع دیکھ تماشائے باغ کر
کیا سرخ گل ہیں سبز نہالوں کے سامنے

بندھتے جو شوخ دشت میں مضمون چشم یار
پڑھتا غزل میں اپنی غزالوں کے سامنے

قطعہ

کیا گلرخوں نے رنگ جمائے ہیں باغ میں
کیا گل کھلے ہیں حور جمالوں کے سامنے

کیا سرخ سرخ جام ہیں پھولوں کے روبرو
کیا سبز سبز شیشے ہیں تھالوں کے سامنے

وصلت کی رات اور موذن گجر خروش
ہوتے ہیں کیسے کیسے ملالوں کے سامنے

اے زر پرست فقر کا تجھ کو مزہ تو ہو
کوڑی کی چتیاں ہیں سفالوں کے سامنے

کیا منہ جو علم عشق میں بکتے کوئی حکیم
ہو نطق بند میرے سوالوں کے سامنے

ان ابرووں کی یاد میں دل پر نہیں ہے داغ
روشن ہے آفتاب ہلالوں کے سامنے

کرتے ہیں عجز جنکو خدا نے دیا ہے ظرف
شیشوں کے سر جھکے ہیں پیالوں کے سامنے

رکھتے ہیں جو ہنر انھیں آفت سے کیا خطر
ساحل ہے بحر پیرنے والوں کے سامنے

تیروں کے پر کٹے ترے غمزوں کے روبرو
تیغیں نہ چل سکیں تری چالوں کے سامنے

یہ نور یہ ضیا یہ چمک یہ دمک کہاں
خورشید ہے تو اترے گا گالوں کے سامنے

سودائی ہیں جو لاتے ہیں جیب و ختن سے خشک
پوچھا نہ جائیگا ترے بالوں کے سامنے

چار ابرووں کے عشق میں پوچھو نہ حال دل
تنہا کماں ہے چار ہلالوں کے سامنے

گلشن ہے جوش ساغر و مینا سے میکدہ
کیا گل کھلے ہوئے ہیں نہالوں کے سامنے

تعریف سرو قامت محبوب کی امیر
مشکل نہیں بلند خیالوں کے سامنے

خورشید چھپ گیا ترے گالونکے سامنے
میلی خط شعاع ہے بالوں کے سامنے

دعویٰ زباں کا لکھنؤ والونکے سامنے
اظہار بوئے مشک غزالوں کے سامنے

اہل فغاں وہ کر کہ صدائے جرس ہو بند
شرمندہ ہوں نہ قافلے والونکے سامنے

عاشق نے لاکھ جمع کیا دفتر حواس
شیرازہ کھل گیا ترے بالونکے سامنے

چشم سیاہ یار جب آنکھوں میں پھر گئی
آنسو مرے بھر آئے غزالونکے سامنے

آئے وہ باغ میں تو لگی چھوٹنے نسیم
تازہ شگوفے تازہ نہالوں کے سامنے

ہم ہیں وہ اے کلیم کہ غش کا تو ذکر کیا
جھپکی نہ آنکھ برق جمالوں کے سامنے

حال کلیم و طور سنا ہوگا آپ نے
کیسا حجاب دیکھنے والوں کے سامنے

مضموں کی کیا کمی ہو کہ عرش بریں بھی ہو
نزدیک ہو وہ گرد خیالوں کے سامنے

پانی کی چھاگلیں جو سمجھتے ہیں خار دشت
آتے ہیں دوڑ کر مرے چھالوں کے سامنے

ہم کیا کہ سرکشونکے بھی یہ خم میں گردنیں
ان کجکلاہ گیسوؤں والوں کے سامنے

طاؤس و کبک ٹھوکریں کھاتے ہیں یک قدم
چلتی نہیں ہے کچھ تری چالونکے سامنے

لیلیٰ کو پاس خفت مجنوں بھی کچھ نہیں
آنکھیں دکھا رہی ہے غزالونکے سامنے

موسیٰ سے کہدو طور پہ جایا کرو نہ روز
اچھے نہیں ہیں برق جمالونکے سامنے

جادوں کو نہر نہر کو بحر رواں کریں
کتنی یہ بات ہے مرے چھالونکے سامنے

مرقد سے بھاگ جائینگے خود منکر و نکیر
ٹھہرینگے کیا وہ میرے سوالونکے سامنے

ایدل بھرے تو بیٹھے ہی تھے سب ابل پڑے
کانٹوں نے لی جو نوک کی چھالونکے سامنے

دنیا اسیر کیا ہے جو ماتم کدہ نہیں
ہر دم یہاں ہیں تازہ ملالوں کے سامنے

قبلۂ دل کعبۂ جاں اور ہے
سجدہ گاہ اہل عرفاں اور ہے

ہو کے خوش کٹواتے ہیں اپنے گلے
عاشقوں کی عید قرباں اور ہے

روز و شب یاں ایک سی ہو روشنی — دل کے داغوں کا چراغاں اور ہے
خار دکھلاتی ہے پھولوں کی بہار — بلبلو اپنا گلستاں اور ہے
قید میں آرام آزادی وبال — ہم گرفتاروں کا زنداں اور ہے
بحر الفت میں نہیں کشتی کا کام — نوح سے کہہ دو یہ طوفاں اور ہے
کس کو اندیشہ ہے برق و سیل سے — اپنے خرمن کا نگہباں اور ہے
درد وہ دل میں وہ سینے پر ہے داغ — جس کا مرہم جس کا درماں اور ہے

کعبہ رو محراب ابرو اے امیر
اپنی طاعت اپنا ایماں اور ہے

نہیں امید جو اس بیوفا کے آنے کی — میں راہ دیکھ رہا ہوں قضا کے آنے کی
ستم سے تنگ ہوں احسان مجھ پہ کر اے غیظ — خبر سنا دے روز جزا کے آنے کی
عدم میں یاد کروں گا کسی مسیحا کو — نکال لوں گا کوئی راہ جا کے آنے کی
چڑھاؤ پھول جو میری لحد پہ آئے ہو — یہ کون چال ہے تیوری چڑھا کے آنے کی
سگ اس پری کا کہیں کھائے استخواں مرے جلد — اڑا دے قید الٰہی ہما کے آنے کی
یقیں ہوا جو گرا دانت کوئی پیری میں — کہ آج کھل گئی گھڑی قضا کے آنے کی
جگایا میں نے جو سوتے میں تنگ ہو کے کہا — ٹھہر ٹھہر کہ نہیں نیند جا کے آنے کی
میں تھک چکا ہوں بہت دور قافلہ پہنچا — سبیل کون ہے بانگ درا کے آنے کی
غضب ہے نزع میں کہتے ہیں سب پڑھو کلمہ — لگی ہے رٹ مجھے اس بیوفا کے آنے کی
نقاب ڈال کے آئے کہو خدا کے لئے — یہ کون شکل ہے صورت چھپا کے آنے کی
جو تن پہ زخم لگے اور جان تازہ ہوئی — کشادہ ہو گئیں راہیں ہوا کے آنے کی
غلاف ڈال قفس پر الٰہی نہ اے صیاد — کہ ہے چمن سے توقع صبا کے آنے کی
امیر جائیں گے ہم بے نظیر آج ضرور — خبر ہے میلے میں اس مہ لقا کے آنے کی

ساقیا درد ہے صاف نہیں بیٹھ گئی
شربتی ڈاک تھی یہ زیر نگیں بیٹھ گئی

ہمت بھی میری طرح ہو کے حزیں بیٹھ گئی
باڑھ تو خنجر قاتل کی نہیں بیٹھ گئی

بعد مردن بھی مرے ضعف کی قوت نہ گھٹی
خاک اٹھی بھی تو چکرا کے وہیں بیٹھ گئی

قصد جنت جو کسی روح نے دنیا سے کیا
ڈاک حوروں کی دم باز پسیں بیٹھ گئی

ان دنوں دختر رز کا نہیں ملتا ہے پتہ
کہیں قاضی کے تو گھر جا کے نہیں بیٹھ گئی

سقف گردوں کی بھی آ دیدۂ تر کچھ ہے بساط
چار موجیں بھی تری اٹھ نہ سکیں بیٹھ گئی

دور سے بھی جو نظر آئی کبھی شکل امید
پاس آ کر مرے پہلو کے قریں بیٹھ گئی

رستی پہ جو تری زلف مسلسل آئی
دھاک تا تار سے تا کشور چیں بیٹھ گئی

کشتیِ عمر کا انجام ہمیں یاد آیا
کھا کے چکر کوئی کشتی جو کہیں بیٹھ گئی

موج حسن نے بخشا اسے افشاں کا فروغ
گرد بھی اڑ کے جو بالائے جبیں بیٹھ گئی

واہ رے شوق اشارہ مجھے قاتل نے کیا
دوڑ کر موت تہ خنجر کہیں بیٹھ گئی

شعر پہ درد جو لکھنے پہ طبیعت آئی
سامنے آ کے مرے روح حزیں بیٹھ گئی

سخت جانی کے دکھائے کیسے جوہر اب امیر
کہ تری باڑھ مد تو اے خنجر کہیں بیٹھ گئی

آنسوؤں سے نہ فقط گرد زمیں بیٹھ گئی
کشتیِ چرخ بھی چکرا کے وہیں بیٹھ گئی

لنگر اس سے بھی گناہوں کا مرے اٹھ نہ سکا
ٹیک کر زانوؤں کو گاؤ زمیں بیٹھ گئی

تھا وہ گریاں کہ ہوئی تر کنواں گئے بعد
نرم ہو ہو کے یہ اشکوں سے زمیں بیٹھ گئی

ہم کھڑے رہ گئے جب دم وہ نکلکر بیٹھے تو
صف رقیبوں کی یسار اور یمیں بیٹھ گئی

جس زمیں پر کہ مرا ابر طبیعت برسا
گرد ہنگامۂ پیشین و پسیں بیٹھ گئی

رشک رخسار نے تیرے کسے لاغر نہ کیا
گھٹ گئی ماہ کی اے زہرہ جبیں بیٹھ گئی

تار سا خاک کو بھی ضعف نے سر رکھا
یاں سے اٹھی تو سر عرش بریں بیٹھ گئی

کیوں نہ چشموں میں ہو نام کی تصویر تری — حلقۂ چشم میں مانند نگیں بیٹھ گئی
ادعا آنکھ سے اُس شوخ کی ہمچشمی کا — کیوں تری آنکھ نہ اے آہوئے چیں بیٹھ گئی
چال نے تیری قیامت کو اُبھرنے نہ دیا — ٹھوکریں ایسی لگائیں کہ وہیں بیٹھ گئی
دی رقیبوں کو نشانی جو انگوٹھی اُس نے — چوٹ دل پر صفتِ نقشِ نگیں بیٹھ گئی
کبھی لیلیٰ کی منگائی جو خبر مجنوں نے — ڈاک صحرا میں غزالوں کی وہیں بیٹھ گئی
مار کھا کر نہ درِ یار سے سرکا عاشق — کوئی ہڈی بھی جو سرکی تو وہیں بیٹھ گئی
کوہکن کو مزۂ الفتِ شیریں اُٹھا — ضرب تیشے کی جو بالائے جبیں بیٹھ گئی
بہر آدم جو فرشتوں نے اُٹھائی مٹی — ایسی چلائی کہ آواز زمیں بیٹھ گئی

رفعتِ طبع کہاں دل نہ لگا اس میں امیر
پست مضمون سے زیادہ یہ زمیں بیٹھ گئی

جان تن سے جو تڑپ کر شبِ فرقت نکلی — دل نے خوش ہو کے کہا ایک حسرت نکلی
بتکدے میں ہمیں اللہ حرم سے لایا — شکر صد شکر یہاں ایک تو صورت نکلی
کیوں اجی غازہ مرے خوں کا مل کر دیکھا — اور ہی چہرہ ہوا اور ہی رنگت نکلی
ڈال کر منہ پہ نقاب اُس نے کیا مجھ کو ہلاک — دمِ آخر بھی نہ دیدار کی حسرت نکلی
بہرِ نظارہ جو قرآن میں بھی دیکھی فال — لن ترانی کے سوا اور نہ آیت نکلی
ہاتھ تک مفتی و قاضی کو لگانے نہ دیا — دخترِ رز تو بڑی صاحبِ عصمت نکلی
سیکڑوں ڈوب مرے چاہِ ذقن میں تیری — اس بھنور سے کوئی کشتی نہ سلامت نکلی
طور پر برقِ تجلی سے جو موسیٰ ہوئے غش — خوب دیکھا تو وہ تیری ہی شرارت نکلی

بڑھ گئی حسن پرستی کے مجھے حرص امیر
ہائے پیری تو جوانی سے بھی آفت نکلی

شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی — کہ آتے ہی آتے سحر ہو گئی

شب وصل ادھر سے اُدھر ہوگئی | بدلتے ہی کروٹ سحر ہوگئی
نہیں ملتی یہ بھی تو دو دو پہر | مری نبض اُس کی نظر ہوگئی
دیا موت نے پیاس میں جام آب | کہ جی ڈوبتے آنکھ تر ہوگئی
بہت آمد آمد تھی اُس گل کی گرم | پڑا مینہ تو ٹھنڈی خبر ہوگئی
کسی کروٹ آیا شب غم نہ چین | تڑپتے تڑپتے سحر ہوگئی
کھٹکتی ہے اب رمگی آنکھ میں | رگ جاں مجھے نیشتر ہوگئی
الٰہی شب غم میں اتنا تو ہو | کوئی جھوٹ کہدے سحر ہوگئی
چبھی دل میں اُس گل کی باریک بات | رگ گل مجھے نیشتر ہوگئی
کرے کون اب اُڑ کے سیر چمن | کہ بلبل تو بے بال و پر ہوگئی
میں حیران ہوں وہ زلف و رخ دیکھ کر | سر شام کیونکر سحر ہوگئی

ہمیں سر پٹکتے ہی گذری اسیر
یوں ہیں عمر ساری بسر ہوگئی

لذت جو ملی مرے لہو کی | خنجر نے بلائیں میں گلو کی
آنکھیں دم قہر جنگ جو کی | تیغیں ہیں بھری ہوئی لہو کی
کی دل شکنی نہ تند خو کی | سختی پہ بھی نرمی گفتگو کی
موسیٰ سے کہو کہ چپ رہیں اب | باری ہے ہماری گفتگو کی
روئے مری قبر پہ وہ آکر | ہم خاک ہوئے تو آبرو کی
منہ اپنا نہ آرسی میں دیکھو | سنبھلے گی نہ چوٹ روبرو کی
کی جس پہ نگاہ تجھ کو دیکھا | اب تک تو نظر کہیں نہ چوکی
جز دیر و حرم کہاں میں جاؤں | راہیں تو یہی ہیں جستجو کی
جائیگا جنوں نہ سر سے بے ذبح | ہو فصد مری رگ گلو کی

ساقی نے سنگھائی عشق میں مٹی
سوندھی سوندھی مجھے سبو کی

تن ہے غم زلف میں یہ لاغر
ہر عضو بدن گرہ ہے مو کی

تھا چار طرف اُسی کا جلوہ
کیوں نقش ہماری قبلہ رو کی

پلکیں دم جوشش خونفشانی
دھاریں نظر آتی ہیں لہو کی

اُس رخ کو میں آئینہ کہوں کیا
ہے یہ تو مثال روبرو کی

وہ مست ازل ہوں ساقیا میں
مٹی ہے خمیر میں سبو کی

دل ہی نہ رہا امید کیسی
جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی

اب کیوں ہیں کلیم عشق میں خاموش
پہلے نہ سنبھل کے گفتگو کی

لا کہہ کے دہن کو ہم ہوئے نیست
دو حرف میں ختم گفتگو کی

ق

کیسی ارنی کہاں کے موسیٰ
خود دید کی اپنی آرزو کی

تھا پردۂ ظاہری جو منظور
آواز بدل کے گفتگو کی

کلفت نہ مٹی امیر دل سے
اشکوں نے ہزار شست و شو کی

بیعت پیر مغاں طرفہ مزا دیتی ہے
سلسلہ ساقی کوثر سے ملا دیتی ہے

یہ دم رقص وہ پازیب صدا دیتی ہے
بخت خفتہ مرے جھنکار جگا دیتی ہے

حیرت عشق رخ اوج دکھا دیتی ہے
چھت سے آنکھیں یہ مریضوں کی لگا دیتی ہے

چشم نمناک بھی ہے واقف اعجاز مسیح
ابر مردہ اگر آتا ہے جلا دیتی ہے

بڑھ کے حب بولتی ہے موسم گل میں بلبل
جل کے پھولوں میں صبا آگ لگا دیتی ہے

کیا عجب گر ترے بیمار کو صحت ہو جائے
یاد عارض اُسی قرآں کی ہوا دیتی ہے

غم یہ ہے ہجر میں مرنے کی ہوس ہے دل کو
مرگ اُلٹے مجھے جینے کی دعا دیتی ہے

کنج عزلت میں مجھے سوجھتی ہے موت ہی موت
بیکسی گور غریباں کا پتا دیتی ہے

مانگنے پر نہیں لاتی ہے صبا نکہت گل
غنچے کے اس کان سے اُس کان اُڑا دیتی ہے

پوچھتے ہیں جو شب ہجر میں ہم شمع سے حال
منہ سے کہتی نہیں کچھ اشک بہا دیتی ہے

کم نہیں قند مکرر سے تمہاری تکرار
کیا کہوں کیا مرے کانوں کو مزا دیتی ہے

صدمۂ ہجر سے کیونکہ نہ ہو نالاں مرا دل
ٹھیس لگتی ہے تو چینی بھی صدا دیتی ہے

جان پر صدمہ شب ہجر ہے سونا کیسا
آنکھ لگتی ہے تڑپ دل کی جگا دیتی ہے

یاد کے غافل تجھے اک روز فنا کر دیگی
جان دھوکا سے مہلت جو قضا دیتی ہے

لاغری نے یہ مٹایا کہ کوئی گھر میں نہیں
دستک آ آ کے عبث در پہ قضا دیتی ہے

ہے بجا کہئے اگر دولت دنیا کو پری
ہوشیاروں کو یہ دیوانہ بنا دیتی ہے

سامنے جا کے جو کرتا ہوں کبھی وقت سلام
پھیر لو منہ انھیں پڑ جاک یہ حیا دیتی ہے

پھرتی ہیں گردن عشاق پہ دوہری تیغیں
ساتھ کیا اُن کی اداؤں کی قضا دیتی ہے

ہم برہنہ فقط اس دور میں ہیں ورنہ بہار
ٹوپیاں غنچوں کو پھولوں کو قبا دیتی ہے

کیجئے غور تو دولت بھی پیمبر ہے امیر
کہ کریموں کو خدا سے یہ ملا دیتی ہے

سوچ لے بہ عہد وقت انکار کے
دونوں لب ہیں دو گواہ اقرار کے

بندے ہیں حسن ملیح یار کے
ہیں نمک پروردہ اس سرکار کے

مر گئے عشاق چشم یار کے
صدقے اُترے مردم بیمار کے

تیرے ابرو کے اشارے غیر سے
مجھ کو گہرے زخم ہیں تلوار کے

عرش پہ رکھا قدم مجھ زار نے
گر کے نیچے یار کی دیوار کے

باہر اُس یوسف نے جب رکھا قدم
بھر گئے دونوں سرے بازار کے

گنہ باری میں مقر ہو عجز کا
جیت لے بازی کو ہمت ہار کے

نعمت کونین سے دل سیر ہے   ایک بھوکے ہیں ترے دیدار کے
زیور اس گل نے اُتارا میرے بعد   پھول تربت پر چڑھائے ہار کے
میری حالت پر گرے ہیں بارہا   اشک چشم روزن دیوار کے
آرزو یہ ہے کہ پشتی کی طرح   ڈھیر ہوں نیچے تری دیوار کے
خونبہا موسیٰ سے لیں گے روز حشر   کشتے چشم سرمگین یار کے
عشق ابرو میں کہاں صبر و قرار   چلدیے سب کھینچتے ہی تلوار کے
میکدے میں آئے تو پھنس جائے شیخ   تسبیح اُلجھیں پانوں میں دستار کے
مرکے جب پہنا کفن سمجھے یہ ہم   زیب تن کپڑے کئے دربار کے

ذلت و خواری و رسوائی امیر
سب ہیں دھبے دامن پندار کے

آئے بالیں پر جو مجھ بیمار کے   خوب روئے موت ڈاڑھیں مار کے
ہوئے مژگاں گرد چشم یار کے   ہیں مگس رال مردم بیمار کے
دیکھ کر زخموں کو جسم زار کے   روئے چھالے پھوٹ کر تلوار کے
تیرے منھ سے ہاں نہیں دونوں ہیں خوب   صدقے اس انکار اُس اقرار کے
باغباں مجھ پر ہوا تب مہرباں   پھول جب کانٹے ہوئے گلزار کے
ضبط گریہ کیا کروں اے ہم صفیر   پھول کھلا جائیں گے گلزار کے
ہیں وہ لاغر باغ میں پھیلا کے پانوں   سوتے ہیں سائے میں نوک خار کے
عشق ابرو میں سر اُترا دوش سے   چڑھ گئے ہم دم پر اس تلوار کے
کھیلتا ہے یار گھر بیٹھے شکار   ہنس کو دکھلا کے موتی ہار کے
شیخ کعبے میں برہمن دیر میں   سب ہیں مجرائی ترے دربار کے
داغ ہائے عشق کملاتے نہیں   پھول ہیں کس بے خزاں گلزار کے

نالۂ عاشق پہ ترچھی کی نگاہ | وار برچھی پر ہوئے تلوار کے
حادثوں سے بے خطر ہیں خاکسار | کب دبا سایہ تلے دیوار کے
شمع بالیں سے یہ کہدے اے صبا | سر پہ روتا ہے کوئی بیمار کے
پھول کمھلاتے نہیں ہیں گلفروش | ناز پروردہ ہیں یہ گلزار کے
حور کی آنکھیں ارم میں دیکھ کر | رخنے یاد آئے تری دیوار کے
واعظا سمجھا ہے تو دوزخ جسے | کچھ شرر ہیں آہ آتشبار کے

روز محشر کشتگان قد امیر
ہوں گے سایے میں علمبردار کے

جو بحر عشق میں ہے وہ آفت رسیدہ ہے | گرداب شکل موج گریباں دریدہ ہے
مضمون ضعف ہو قلم آہ سے رقم | سینہ رگوں سے صفحہ مسطر کشیدہ ہے
مرتا ہوں شوق قتل میں ملتی نہیں گلے | قاتل کی طرح تیغ بھی مجھ سے کشیدہ ہے
روشن ہے راز عشق ہمارے سکوت سے | اس انجمن میں شمع زبان بریدہ ہے
بیہوش کر دیا مجھے وحشت نے اسقدر | آہو بھی میرے دشت میں از خود رمیدہ ہے
تعریف کرتے ہیں ترے دنداں کی اہل ذوق | جو شعر تازہ ہے ثمر نو رسیدہ ہے
روتا ہوں یاد چشم میں کس خوش نگاہ کی | ہر تار اشک دام غزال رمیدہ ہے
چن چن کے رکھ لیے صفت آئنیں میں شعر | دیوان میں ہمارے جو مضموں ہے چیدہ ہے
پایا کسی نے سر محبت نہ آجتک | افسانہ عشق کا خبر نا رسیدہ ہے
سرتا قدم وہ شوخ ہے مست شراب حسن | رنگ حنا سے ہاتھ رخ سے کشیدہ ہے
غافل یہ موت کہتی ہے پیری میں صبح و شام | عمر اخیر عہد بپایاں رسیدہ ہے

گلزار تن سے طائر دل اڑ گیا امیر
سینہ اب آشیانہ مرغ پریدہ ہے

ہر اک عضو بدن پر داغ عشق یار جانی ہے
مرے دفتر کے ہر ہر فرد پر اُسکی نشانی ہے

جو چہرہ ارغوانی تھا وہی اب زعفرانی ہے
شکن چہرے پہ نقش پائے طاؤس جوانی ہے

خدا کو اپنی اپنی داستانیں سب سنائینگے
قیامت جسکو کہتے ہیں وہ بزم قصہ خوانی ہے

سبیل اے وحشیو کیا وادی وحشت میں رکھو گے
تمہارے آبلے کا ہیکویں کوزوں میں پانی ہے

عبث برباد کرتی ہے اُڑا کے کوئے جاناں سے
صبا کیا میرے مشت خاک پر نامہربانی ہے

برنگ شمع جنکو خضر رہ ہے گرم رفتاری
فقط طے ایک شب میں اُنکی راہ زندگانی ہے

وہ میرے ہر خط کو دیدۂ بیگانہ سمجھے ہیں
نئے انداز کی اے نامہ بر یہ بدگمانی ہے

وہ شمع حسن دو آنسو بہا جاتا ہے ہر شب کو
ہماری قبر میں روشن چراغ مہربانی ہے

وہ پیاسا ہوں کہ مرجاؤں نہ مانگوں خضر سے پانی
گئی جب آبرو ڈھیر خاک آب زندگانی ہے

بلائیں پھنس کے ایدل کام آئیگی سیہ بختی
زمین کوچۂ گیسو میں یہ کملی بچھانی ہے

خدا نے نیک صورت دی تو سیکھو نیک باتیں بھی
بُرے ہوتے ہو اچھے ہو کے یہ کیا بدزبانی ہے

پسا جاتا ہوں بار ضعف سے اُٹھا نہیں جاتا
وہ لاغر ہوں گراں مجھ پر لباس ناتوانی ہے

ہوا ہوں زندہ در گور انتہائے ضعف سے یارب
مری چھاتی پہ سل ابتک یہ سنگ سخت جانی ہے

امیر اس عاشقی کا لطف ہے فصل جوانی میں
اندھیری رات میں کہنے کے قابل یہ کہانی ہے

خدا نے شان یوسف سے تمہاری شان افضل کی
کھلی سب نقش ثانی سے حقیقت نقش اول کی

کھلا مضموں یہ ہم کو دیکھ کر تحریر کاجل کی
کہ حاجت ہے بیاض چشم میں بھی خط جدول کی

چمن کو کون جائے سیر کو ساون کے بادل کی
کہ زنجیریں پڑیں ہیں پاؤں میں اشک مسلسل کی

شب وصلت میں مجھ سے جیر اُن پر ہو نہیں سکتا
تڑپ جاتا ہے دل فریاد سن کر اُنکی چھاگل کی

جو عشاق کمر نالے نہیں کرتے تو زیبا ہے
عدم کے جانیوالوں کو کہاں حاجت ہے مشعل کی

ہزاراں منعموں کو ہوش میں للہ نہیں سنتے
یہ پیچ ہے ایک تو ڑے میں ہے مستی ایک بوتل کی

کبھی گیسو کبھی موئے کمر میں قید کر رکھا
پھنسائی یار نے بیڑی کبھی بھاری کبھی ہلکی

تماشا بوستاں کا دیکھئے تو چشم نرگس سے
ہرن کی آنکھ سے وحشت میں کیجئے سیر جنگل کی

شبیہ ان مردمان منکر توحید کی کھینچوں
سیاہی ہاتھ آجائے جو مجھ کو چشم احول کی

نجات اندیشہ امروز و فردا سے نہیں ممکن
اگر کل فکر ہمکو آج کی تھی آج ہے کل کی

فراق یار میں جاؤں اگر سیر گلستاں کو
جگر کے پار ہو جائے سناں ہر ایک کونپل کی

کہ غافل بستگی بیداری طالع کا باعث ہے
کبھی یہ سوچ کر تعبیر ہم نے خواب مخمل کی

یہ چھپیگی کیمیا کیونکر تمہارے صحرا نشینوں سے
پتا پوچھیں گے جب وہ بوٹیاں بو لینگی جنگل کی

جو سونگھے اس گل خوبی کی خوشبو درد سر جائے
مگر طینت میں مٹی ہے زمین عطر صندل کی

جہاں کی سرد مہری سے نہیں غم ہم فقیروں کو
دوشالوں سے کہیں بڑھ کر ہے گرمی اپنے کمل کی

صفائے سینۂ جاناں پہ لہراتا ہے یوں گیسو
کہ جیسے سانپ کو بو مست کر دیتی ہے صندل کی

خدا سمجھے جو مجھ کو اور تم کو غیر کیا پردا
ہمیشہ ایک کو دو دیکھتی ہے آنکھ احول کی

امیر اک روز یہ گل سوکھ کر ہو جائینگے کانٹے
چمن کی جو روش ہے آجکل جھاڑی ہے جنگل کی

ہم اس کے عشق میں صبر و قرار کھو بیٹھے
قدیم دوست ہمیشہ کے یار کھو بیٹھے

بتوں کے عشق میں ہم جان زار کھو بیٹھے
عجب امانت پروردگار کھو بیٹھے

سوال وصل کا کرنے سے یہ ہوا حاصل
کہ آسرا تھے امیدوار کھو بیٹھے

کھلا نہ اشک بہانے سے کوئی عقدۂ دل
گرہ میں تھے جو در شاہوار کھو بیٹھے

وفا کا عہد کیا دے کے دل تو یہ پایا
کہ پھیر لینے کا بھی اختیار کھو بیٹھے

خطا ہوئی جو کیا تم سے غیر کا شکوہ
تمہارے آگے ہم اپنا وقار کھو بیٹھے

سر خدنگ نگہ آچکا تھا طائر دل
تم آنکھ پھیر کے اپنا شکار کھو بیٹھے

کریں گے منزل عقبیٰ کو اب یہ کیونکر طے
کہ زاد راہ غریب الدیار کھو بیٹھے

ہزار حیف نہ آئی اجل نہ وہ بد عہد
ہم آنکھیں مفت شبِ انتظار کھو بیٹھے

لیا جو خواب میں بوسہ تو یار جاگ اُٹھا
تمام عمر کا ہم اعتبار کھو بیٹھے

قرار اب کسی پہلو ہمیں نہیں آتا
کہ دل سے صبر ہم اے جانِ زار کھو بیٹھے

ہلالِ ابروئے ساقی کی یاد بھول گئی
کلیدِ میکدہ ہم بادہ خوار کھو بیٹھے

بلائیں لیتے ہی وہ اور ہو گیا وحشی
ہم اپنے ہاتھوں سے اپنا شکار کھو بیٹھے

مرے گلے پہ پڑا خطا نہ سخت جانی سے
رگڑ کے مفت وہ خنجر کی دھار کھو بیٹھے

نہ ہوش ہے نہ خرد ہے نہ صبر اب مجھکو
یہ ہمنشیں تھے جو تین چار کھو بیٹھے

گلوں نے خندۂ بیجا سے یہ ثمر پایا
کہ چار دن بھی نہ گذرے بہار کھو بیٹھے

ادا وہ کون تھی جس پہ ہوئے فقیر امیر
ذرا سی بات پہ صبر و قرار کھو بیٹھے

مرا احوال کر سکتا نہیں ایسے بیاں کوئی
دہن میں میرے قاصد کے رکھدے زباں کوئی

کہے کیا باغباں سے رازِ دل غنچہ بیاں کوئی
دہن جب بند ہو کب کھل سکتا ہے زباں کوئی

خطِ عارض کو اُسکے دیکھکر یہ دھیان آتا ہے
دیارِ حسن میں اُترا ہے کارواں کوئی

ہزاروں خار لاکھوں پھول اس گلشن میں ہیں لیکن
نہ تم سا نازنیں کوئی نہ ہم سا ناتواں کوئی

دیا ہے خط مگر اب رشک سے پچھتا کے کہتا ہوں
کہیں بتلا نہ دے قاصد کو اُس بت کا نشاں کوئی

سوائے کعبہ بتخانوں میں کیا اپنے قدم جاتے
ملا سجدے کے قابل اور کسی کا آستاں کوئی

نظر میں میرے پھر جاتی ہے صحبت ناوکِ دل کی
نظر آتا ہے جب گھر میں کسی کے میہماں کوئی

مدد پیروں سے چاہیں نوجواں مقصود کو پہنچیں
نشانے تک نہیں جاتا ہے ناوک بے کماں کوئی

نیا دیکھو وہ نرگس زار میں گھبرا کے کہتے ہیں
اِدھر آنکھیں اُدھر آنکھیں نقاب اُٹھے لیا کوئی

نگاہ پرورش پھیرے اگر لطف و کرم اُسکا
نہ ہو پھر طفلِ اشک کی صورت جواں کوئی

اُٹھانا کوہ کا آساں اُٹھانا بات کا مشکل
قوی مجھ سا ہے عالم میں نہ مجھ سا ناتواں کوئی

شفیق ایسا سگ جاناں ہی آتا ہی خبر لینے
سرک جاتا ہی جب تن کی جگہ سے استخواں کوئی

قفس کی تیلیاں ہیں جتنی شاخیں ہیں دِرختوں کی
کہاں باندھے الٰہی اس چمن میں آشیاں کوئی

جو چلّاتا ہوں فرقت میں محلے والے کہتے ہیں
کرو منھ بند کیا سر پر اُٹھالوگے مکاں کوئی

مزہ تب ہی کہ وہ بھی ہو کسی معشوق پر عاشق
کرے میری طرح اُسکا بھی ہردم امتحاں کوئی

مجھے یوں ڈھونڈھتا پھرتا ہی ناوک اُس ستمگر کا
پھرے بیتاب جیسے طائرِ بے آشیاں کوئی

ہمارے عشق کی کیوں مثنوی شاعر نہیں کہتے
کہاں پائینگے گرما گرم ایسی داستاں کوئی

کمال جذب سے تا لامکاں پہنچے امیر احمد
رہا معشوق و عاشق میں نہ پردہ درمیاں کوئی

آج کیا کرتے ہو غمزے وصل میں ہردم نئے
یہ تو سمجھو تم نئے ہو جانِ من یا ہم نئے

بیخودی دکھلاتی ہی جلوے مجھے ہردم نئے
ہی عجب عالم کہ ہر عالم میں ہیں عالم نئے

ہر گھڑی دلمیں نظر آتی ہیں کیا کیا صورتیں
راتدن عالم دکھاتا ہی یہ جامِ جم نئے

دیکھے بھالے ہیں یہ کوچے جانے بوجھے ہیں یہ رنگ
تم سمجھتے ہو کہ ہم دیتے ہیں اُسکو دم نئے

حسن روز افزوں بھلا دیتا ہی پہلے قاعدے
روز ہو جاتے ہیں اس محفل میں جا کر ہم نئے

کسطرح تشبیہ دیں سنبل سے اُسکو موشگاف
پیچ اُس گیسوئے پیچاں میں نئے ہیں خم نئے

پاتے ہیں ہر روز آنکھیں تری میں لختِ دل
گل کھلایا کرتی ہی ہر روز یہ شبنم نئے

ہنر باقی گر تجھا جود و سخاوت کی بساط
ل رہیں گے روز مہماں تجھ کو اے حاتم نئے

ہی عجب وسعت تصور میں کہ اُس کے حد نہیں
بند کی آنکھیں تو دیکھے سیکڑوں عالم نئے

ہی چھنکیتی میں نبکیتی میں وہ غمزہ ناصور
چوٹیں آتی ہیں نرالی پیچ ہیں ہردم نئے

سامنا ہی روئے جاناں سے سیہ ہے ہو سفید
عید ہی کپڑے بدل اے دیدۂ پُرنم نئے

ہر غزل میں تازگی مشکل ہی اے طبع رسا
کہنہ مشقوں کو بھی ہاتھ آتے ہیں مضموں کم نئے

کہنہ رنجوں سے جو دل گھبرا گیا ہے اے امیر
ڈھونڈھتا پھرتا ہوں میں سارے جہاں میں غم نئے

مدت ہوئی کہ جی مرا جینے سے سیر ہے
اے جان تیرے منہ سے نکلنے کی دیر ہے

کیا جانے کس لیے نگہ دیر دیر ہے
طغیان آب شرم بھی دریا کا پھیر ہے

آتے ہیں روز دل کی زیارت کو رنج و غم
سینہ مرا نہیں کسی مرشد کا ڈھیر ہے

غیروں کو پھاڑ کھائے سگِ یار تو کہوں
اے شیر واہ تو ہی تو شیروں کا شیر ہے

آئے جو نزع میں تو یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے
ہم جاتے ہیں یہاں ابھی رخصت میں دیر ہے

تنخانے ہوتے جائیں گے ہم تو سوئے حرم
ہونے دو دو قدم کا جو رستے میں پھیر ہے

کر اک نگاہ سینۂ پر داغ کی طرف
پھولوں کی تیری نذر کو حاضر چنگیر ہے

کیا پہلوان مرگ کو بار و ناتوی
افراسیاب سا بھی زبردست زیر ہے

الفت ہی کی تو آگ میں جلنے کا خوف کیا
پروانے سے زیادہ مرا دل دلیر ہے

رکھتے نہیں زمیں پہ قدم صاحبان گیر
باد بروت بام فلک کی منڈیر ہے

جینے سے کیوں نہ سیر مرا دل ہوا امیر
ہم نیم جاں اُدھر نگہ دیر دیر ہے

کبھی سمجھا نہ آگے کیا ہم اُس خود سر کو سمجھاتے
سمجھ جاتا اگر اتنا کسی پتھر کو سمجھاتے

ادھر کم نزع میں مہلت اُدھر بیتابی در وقت
نہ روؤ چپ رہو کیونکر یہ سارے گھر کو سمجھاتے

نصیحت کرنیوالوں کو اگر کچھ بھی سمجھ ہوتی
جو سمجھاتے ہیں مجھکو وہ مرے دلبر کو سمجھاتے

خدا ایسا بھی ہوتا ہی بنائیں جسکو خود بندے
سمجھتا تو خلیل اللہ یہ آذر کو سمجھاتے

بتاتے راہ اُسی کوچے کے سب گم کردہ راہوں کو
ہمیں ملتے تو ہم یہ خضر پیغمبر کو سمجھاتے

کوئی کہتا نہ آتے باز میرے قتل سے ہرگز
جو دنیا ان کو سمجھاتی وہ دنیا بھر کو سمجھاتے

انگوٹھی کیا نہ دیتا ہم کو وہ چھلا نشانی کا
اگر آکر سلیماں اس پری پیکر کو سمجھاتے

یہ ضد ہو دیکھتے گر شمع روشن میرے تربت پر
اُسی دم جا کے گل کر دے وہ یہ صرصر کو سمجھاتے

وہ شاہ حسن ہو تو عہد اکبر میں اگر ہوتا
نگیں کر پیشکش یہ نورتن اکبر کو سمجھاتے

خدا ہمت اگر دیتا تو اپنے قتل کی چالیں
کبھی قاتل کو سمجھاتے کبھی خنجر کو سمجھاتے
نہ سے جانا ہمیں نخوت بڑھانیکو حسینوں کا
زباں ہوتی تو آئینے یہ روشن گر کو سمجھاتے
تڑپ کر رو کے اُس محفل میں دو دل نے کیا رسوا
دل ناداں کو سمجھاتے کہ چشم تر کو سمجھاتے
امیر اب کی جو سودا جوش پہ ہم کو اگر ملتا
بنانا بیڑیاں بھاری یہ آہنگر کو سمجھاتے

عشق میں جینے کے بھی لالے پڑے
ہائے کس بیدرد کے پالے پڑے
وادیٔ وحشت میں جب رکھا قدم
آکے میرے پاؤں میں چھالے پڑے
دل چلا جب کوچۂ گیسو کی سمت
کوس کیا کیا راہ میں کالے پڑے
دور تھا زنداں سے کیا دشت جنوں
چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑے
کس نگہ نے کر دیا عالم کو مست
ہر جگہ لاکھوں ہیں متوالے پڑے
ہجر میں جب منھ لگایا جام کو
سیکڑوں ہونٹوں پہ تبخالے پڑے
طوق وحشت اپنی گردن میں پڑا
یار کے کانوں میں جب بالے پڑے
تجھ کو اک آنسو کی حسرت ہے امیر
کتنے مینھ برسا گئے جھالے پڑے

آنکھ اُس کے حضور رو رہی ہے
ساتھ اپنے مجھے ڈبو رہی ہے
دیدار کہاں کہ دور ہے حشر
قسمت ابھی اپنی سو رہی ہے
کیا باغ میں دیکھتی ہے شبنم
جو گل کی ہنسی پہ رو رہی ہے
اللہ رے حسن دختر رز
زاہد کے حواس کھو رہی ہے
کیا کشتی و ناخدا کا شکوہ
تقدیر ہمیں ڈبو رہی ہے
مقراض کتر کتر کے وہ خط
کانٹے مرے حق میں بو رہی ہے
نرگس کو صبا نہ چھیڑ اتنا
سونے دے غریب سو رہی ہے

گلشن میں جو ابر ہے دھواں دھار　　میخوار دل میں دھوم ہو رہی ہے
اُس تیغ کے منہ چڑھے نہ بجلی　　کیوں جان سے ہاتھ دھو رہی ہے
کیا شوخ ہے اُس کی یاد مژگاں　　دل میں نشتر چبھو رہی ہے
ہم جاگ رہے ہیں ہجر کی شب　　تقدیر ہماری سو رہی ہے
احسان ہے امیر چشم تر کا
نامے کی سیاہی دھو رہی ہے

طرفہ پیغام یہ الفت کی نظر کہتی ہے　　کہ مرے دل کی ترے دل سے خبر کہتی ہے
آج آتا ہے وہ گل یاد سحر کہتی ہے　　سچ ہو یارب جو یہ اُڑتی سی خبر کہتی ہے
بلبل و گل میں ہے غماز نسیم سحری　　کچھ اِدھر کہتی ہے کچھ جا کے اُدھر کہتی ہے
جوہری کیا ترے دانتوں سے ملاتے ہیں اُسے　　پانی پانی ہوں یہ خود آب گہر کہتی ہے
غنچۂ گل مجھے کہتے ہیں یہ کہتا ہے دہن　　رگ گل میں ہوں یہ باریک کمر کہتی ہے
یاد پچھلوں کی دلاتے ہیں مجھے موئے سپید　　گرد رہ قافلے والوں کی خبر کہتی ہے
ماہ نو میں ہوں یہ اُس تیغ کا ہے دوش پہ قول　　بدر میں ہوں یہ پس پشت سپر کہتی ہے
نوجواں رعشۂ پیری کا مزہ کیا جانیں　　عضو تن وجد میں ہیں جنبش سر کہتی ہے
شام کہتا ہے یہ اشارہ کہ پہن رخت سیاہ　　چاک کر ڈال گریباں یہ سحر کہتی ہے
بحر عالم میں سفینہ کوئی بچنے کا نہیں　　ہمہ تن ہو کے زباں موج خطر کہتی ہے
متحمل ہے اگر غم کا تو دل ہے میرا　　تیغ رکتی ہے مجھی سے یہ سپر کہتی ہے
کیوں زباں تیغ کی خاموش ہے محفل میں امیر
حال قاتل سے مرا کہہ دے اگر کہتی ہے

باندھی جو روز حشر ہوا ہم نے آہ کی　　اُڑتی پھرے گی فرد ہمارے گناہ کی
شرکت نہ کی ملال میں کس داد خواہ کی　　دل پر کسی کے چوٹ پڑی ہم نے آہ کی

اب دشمنی ہے اُس کو تو کچھ راہ راہ کی
سیدھی طرح سے یار نے ترچھی نگاہ کی

عاشق کے دل میں عیش جہاں کا کہاں گزر
یہ چھاؤنی ہے فوج غم و درد و آہ کی

عاشق ہوں فوج اشک کو آنکھوں میں دو جگہ
سردار کو ضرور ہے خاطر سپاہ کی

گہنائینگے چڑھینگے جو اُس تند خو کے منھ
کہدو کہ شامت آئی ہے خورشید و ماہ کی

اُس گل کو کیوں نہ پہنچے میں وحشی جو خط لکھوں
صحرا میں ڈاک بیٹھی ہے مردم گیاہ کی

بھاری بہت ہے لاؤ گے روز جزا میں رند
رکھوا کے سر پہ شیخ کے گٹھری گناہ کی

دامن سے کیوں چھپاتے ہو بالوں کو راہ میں
آندھی نہیں ہے گرد ہماری نگاہ کی

دل سے پتا ملے گا زنخدان یار کا
یوسف سے راہ پوچھیے کنعاں کے چاہ کی

ہے روندنے سے کام خبرہ رووں کو کیا
تربت گدا کی ہو کہ لحد بادشاہ کی

میں رند خواب مرگ سے اٹھا تو دیکھنا
پرسش ہی روز حشر اٹھا دے گناہ کی

کندن سا چہرہ دیکھو کبھی آئینے میں تم
سونا ملاؤ مہر کا چاندی ہیں ماہ کی

خرمن ہزار صبر کے اکدم میں جل گئے
بجلی چمک گئی جدھر اُس نے نگاہ کی

ہوں وہ خلیل دیر میں توڑوں اگر صنم
آواز آئے اشہد ان لا الہ کی

پائے قلم نے لکھ کے ترے گیسوؤں کا وصف
خلخال پہنی حلقۂ مار سیاہ کی

کہدوں گا سب گناہ مرے مجھ کو یاد ہیں
کیوں فرد کاتباں عمل نے سیاہ کی

سر قتل گہ میں دے کے عدم کو گیا امیر
لی گھر کی راہ پھینک کے گٹھری گناہ کی

آنکھ مجھ سے دل لے اغیار سے
یار در گذرا میں ایسے پیار سے

ہے حسینوں کو خلش مجھ زار سے
پھول کچھ کھٹکے ہوئے ہیں خار سے

ذوق کا ہے عشق ابرو میں یہ حکم
عمر بھر گردن گلا تلوار سے

لے چلی غربت جو صحرا کی طرف
مل کے ہم روئے در و دیوار سے

نور وہ شمس و قمر میں بٹ گیا
بچ رہا تھا کچھ جو کوئے یار سے

دورِ مے آخر ہوا آئی خزاں
میکشو اٹھو چلیں گلزار سے

تھے وہ موسیٰ غش پہ غش آیا جنہیں
یاں تو آنکھیں کھل گئیں دیدار سے

گرمیاں کرنے گئی تھی رات کو
رو کے اٹھی شمع بزمِ یار سے

بلبلوں کو دیکھ کر شیدائے گل
وہ بہت اُلجھے گلے کے ہار سے

پھول سب ہنستے ہیں یا شبنم کے لئے
تو چلی روتی ہوئی گلزار سے

پھیلی جھونکے ہوا کے بوئے مشک
مشک تاجر جس طرح تاتار سے

رنج و غم درد و الم ہیں غمگسار
جی بہلتا ہے انہیں دو چار سے

کیوں برستی ہے اداسی اے صبا
کون گل رخصت ہوا گلزار سے

چشم و دل دونوں غضب میں پڑ گئے
ذوقِ وصل و حسرتِ دیدار سے

بے طرح نرگس کی پڑتی ہے نگاہ
آپ اب باہر چلیں گلزار سے

ابرو و مژگاں پہ ہوتا ہوں نثار
ہے وصیت میرے ہر غمخوار سے

غسل دینا آبِ خنجر سے مجھے
قبر کھدوانا مری تلوار سے

وادیٔ غربت میں پھرتا ہے امیرؔ
کوئی کہہ دے اُس غریب آزار سے

کیجئے قتل ابروئے خمدار سے
کاٹئے چو رنگ اس تلوار سے

مر کے چھوٹا کوہکن آزار سے
پائی چھٹی روز کی بیگار سے

کر چکے قتل اب کہیں رسوا نہ ہو
جاؤ دھو ڈالو لہو تلوار سے

اس کی مژگاں پر گرا پڑتا ہے دل
عشق ہے اس آبلے کو خار سے

دیکھنا میرے سیہ خانے کا ڈر
دھوپ اترتی ہی نہیں دیوار سے

ہے مثل الیاس احدی الراحتین
موت اچھی عشق کے آزار سے

بے سبب چہچہا گل نہیں کرتی ہے شور / یہ بھی نالاں ہے تری رفتار سے

طور پر موسیٰ سے کہدو ہو ہوشیار / برق چمکی جلوہ گاہ یار سے

چشم جاناں کو ہے دنبالہ گراں / اٹھ نہیں سکتا عصا بیمار سے

شعلۂ جوالہ ہے خلخال پا / اس پری کی گرمی رفتار سے

غیر حالت شکے میری اف رے ضد / آنکھ اس نے پھیر لی اغیار سے

ہو جو ناواقف ہم آغوشی کا ڈھنگ / سیکھ لو اپنے گلے کے ہار سے

ہر قدم پر سو طرح کی مستیاں / ٹپکی پڑتی ہیں تری رفتار سے

حکم ہے شوق شہادت کا یہی / دو قدم آگے چلوں تلوار سے

لاش ہی اٹھے یہاں سے تو اٹھے / اٹھ چکے ہم آستان یار سے

میں اسے پیر مغاں سمجھا امیر
مست جو نکلا در خمار سے

صلح کل میں ہے ابھی شرکت کہیں تھوڑی سی / اور اے پیر خرابات نشیں تھوڑی سی

مدد اے شوق سجود المدد اے شوق سجود / سر نہ اٹھے ابھی باقی ہے جبیں تھوڑی سی

کچھ تو پیدا ہو کباب دل بریاں میں مزہ / چاہیے الفت خال نمکیں تھوڑی سی

دیکھ مشاط جگہ ڈھونڈھ رہے ہیں تارے / خالی افشاں سے نہ رہ جائے جبیں تھوڑی سی

جان آجائے ابھی جاے سے باہر ہوں نہیں / دے جگہ دل کو جو وہ پردہ نشیں تھوڑی سی

نقد جاں کس طرح دیکے ابھی لیتا ہوں / لذت درد جو ہاتھ آئے کہیں تھوڑی سی

خال ابرو کو جو دیکھا تو یہ معلوم ہوا / ملک ہندو میں ہے کعبے کی زمیں تھوڑی سی

دانہ خال ہی دکھلا نہ ہمیں جنس جمال / بانگی چاہئے اے پردہ نشیں تھوڑی سی

روزہ داروں کو نہیں خواہش لذت [illegible] / وقت افطار ملے نان جویں تھوڑی سی

نزع کا وقت ہے اب دیر نہ کر آنے میں / رہ گئی ہے نگہ باز پسیں تھوڑی سی

کوچۂ وہم ہے تاریک بھٹکنے کا ہے ڈر
چاہئے روشنیٔ شمع یقیں تھوڑی سی

خلق اغیار سے بیجا ہے نہیں گر عادت
اپنے دامن ہی سے لے لیجئے چیں تھوڑی سی

عشق گیسو میں ہے یار کے دل کا ہے سودا کچھ اور
بڑھ گئی بات تھی اے طفل حسیں تھوڑی سی

ایک قطرہ بھی نہ پیا مگر اے جان جہاں
اسی انداز سے کہہ کے کہ نہیں تھوڑی سی

کوچۂ یار میں ہوں لاکھ تپش کے ساماں
پھر جو تسکین ہے دل کو تو وہیں تھوڑی سی

شور محشر کا سنا ذکر جو واعظ سے امیر
مل گئی لذت خال نمکیں تھوڑی سی

پائی راحت جو تہ خنجر کیں تھوڑی سی
آ گئی نیند دم بازپسیں تھوڑی سی

اڑ گیا توسن دلدار جھجک کر کوسوں
گرد پہنچی جو مری تا سر زیں تھوڑی سی

بد دماغی رہی اوروں سے یہاں تاب کہاں
لاکھ تمکیں ہیں مجھے جس پہ جبیں تھوڑی سی

ہوں وہ کافر کہ جھکا سجدۂ بت میں سر دست
ابھی خالق نے بنائی تھی جبیں تھوڑی سی

میرے اشکوں سے یہ تر ہے نکل آئے پانی
کھود دے روزن کو اگر مور زمیں تھوڑی سی

دوستو قبر پہ شاید وہ قدم رنجہ کرے
وا کفن سے رہے سجدہ کو جبیں تھوڑی سی

سلطنت پہلے ہی کرتا نہ قبول ابراہیم
گر نہ ہوتی ہوس تاج و نگیں تھوڑی سی

تیری آنکھوں کے لیے خلق ہوئی تھی شوخی
بچ گئی اُس میں سے یہ آہوئے چیں تھوڑی سی

ہدیۂ دوست سمجھ کر میں ہوا شکر گذار
رہ گئی سوکھی جو ملی نان جویں تھوڑی سی

شوق سجدے کا ہے اُس مہر لقا کے در پہ
دمبدم ملنے کی بڑھتی ہے جبیں تھوڑی سی

تنگ آئے ہیں بہت بیٹھ رہیں واں جا کر
اس جہاں سے جو الگ پائیں کہیں تھوڑی سی

عذر تقصیر سے تقصیر ہی اچھی تھی مجھے
بڑھ گئی اور تری چین جبیں تھوڑی سی

نوک شمشیر سے کھینچی تری مژگاں کی شبیہ
رہ گیا نوک کی صورت گر چیں تھوڑی سی

بد دماغی کا نشاں بھی ہے کچھ اے نقاش
اُس کے نقشے میں بنا چیں بہ جبیں تھوڑی سی

خم چڑھا جائیں تو سمجھے کہ کوئی گھونٹ اترا — کیا بہیں ہم سے خرابات نشیں تھوڑی سی

بیتیں ہو سکتی ہیں اسمیں بھی بہت نظم امیر
گھر بنانیکو بہت ہے یہ زمیں تھوڑی سی

جو بعد مرگ مرے دلمیں کچھ غبار آئے — عجب نہیں ہے کہ آندھی تہ مزار آئے
وہ لیکے تیر و کماں جب پے شکار آئے — سلام کرنے ہرن باندھ کر قطار آئے
عجب خواب گراں میں تھے خفتگان زمیں — کسی نے بھی نہ سنا ہم بہت پکار آئے
گڑھے میں گور کے پھینک آئے اقربا مجھ کو — سلوک خاک کیا سر کا بوجھ اتار آئے
فلک نے ساتھ مصیبت کے مجلسیں بھی دیں — جو فاقہ گھر میں ہوا میہماں ہزار آئے
ہم ایک بار بلانے پہ لاکھ بار گئے — وہ لاکھ بار بلانے پہ ایک بار آئے
ہمیں تو جان بھی دینے میں ہاے ہو نہیں عذر — خدا کرے کہ کہیں تم کو اعتبار آئے
بندھا تصور مژگاں جو نزع میں سمجھے — پے طلب در دولت سے چوبدار آئے
جنوں زدوں سے عداوت کو کوہ بیں پھوٹیں — شکار فیل کو ترکان نیزہ دار آئے
خلیل سان میں نہ قائل ہوا ستاروں کا — بدل کے رنگ یہ بہروپیے ہزار آئے
غضب ہے دلمیں کیا گھر تمہاری آنکھوں نے — خراب کرنے کو مسجد میں بادہ خوار آئے
ہوا ہے چھوڑ کے خالق کو بندۂ مخلوق — بتوں کو خاک برہمن کا اعتبار آئے
شراب میکدہ کب ہے نصیب زاہد میں — حصول کیا ہے جو مطبخ میں روزہ دار آئے
جو ترک غیر کو میں نے کہا تو وہ بولے — کہاں کے آپ بڑے ایسے دوستدار آئے
گناہگاروں کا چور نگ کھیل ہے ان کو — ادھر ادھر گئے دو چار ہاتھ مار آئے
جلا ہوں یہ فلک سرد مہر کے ہاتھوں — لگاؤ ہاتھ تو کافور کو بخار آئے
کہاں فلاح کہ اب چاہتا ہے چرخ دنی — در بخیل پہ حاتم امیدوار آئے
یقیں ہے ذکر کرے میری جوش وحشت کا — جو آبلے کے دہن میں زبان خار آئے

چلا رہے ہیں شب غم میں اور بھی جگنو — کہاں سے اُڑ کے جہنم کے یہ شرار آئے
لہو نچوڑ کے بھر دوں وہ رند میکش ہوں — نظر جو شیشہ خالی دم خمار آئے

جنوں کی فکر اچھانے کی امیر تو کیا
یقیں ہے آج ہی کل موسم بہار آئے

کون بیماری میں آتا ہے عیادت کرنے — غش بھی آیا تو مری روح کو رخصت کرنے
جان دو بھر غم فرقت میں ہے ہم کو لیکن — کون جائے ملک الموت کی منت کرنے
اُس کو سمجھاتے نہیں جا کے کسی دن ناصح — روز آتے ہیں مجھی کو یہ نصیحت کرنے
تیر کے ساتھ چلا دل تو کہا میں نے کہاں — حسرتیں بولیں کہ مہمان کو رخصت کرنے

آگے میخانے میں تھے پیر خرابات امیر
اب چلے مسجد جامع کو امامت کرنے

بدقت بحر غم سے کشتی جان حزیں نکلی — کبھی بیٹھی کبھی اُچھلی کبھی ڈوبی کہیں نکلی
عجب انداز سے مقتل میں اُسکی تیغ کیں نکلی — کہ دل سے مرحبا نکلا جگر سے آفریں نکلی
زمانہ ہو گیا موجود جس دم ہاں کہا تو نے — ہوا نابود عالم جب ترے منہ سے نہیں نکلی
تعلی میں کمی کی کب ہماری طبع عالی نے — بنایا آسماں جب شعر کی کوئی زمیں نکلی
خدا کا شکر وہ بُت نزع کے دم دیکھنے آیا — نظارے کی جو حسرت تھی وہ وقت واپسیں نکلی
دکھایا لطف زلف مشکبو میں طرۂ افشاں نے — شب دیجور میں کیا چاندنی اے مہ جبیں نکلی
وہ کشتہ تھا حسینوں کا کہ میری خاک تربت پر — کسی نے کوئی بویا تخم شاخ یاسمیں نکلی
وہ کیا پردے سے نکلے جسکے پیراہن کو غیرت ہو — ہوا جیب بر جبیں دامن جو کبھی آستیں نکلی
جو نکلی ابر میں چمکی کبھی قیس حزیں سمجھا — سیہ خیمہ سے باہر لیلی محمل نشیں نکلی
وہ تھا عالم دوست سنگ جور گردوں جب پڑا مجھ پر — شکست شیشۂ دل سے صدائے آفریں نکلی
ہوئی تھی راہ جو رنگیں تری رنگیں خرامی سے — وہی قوس قزح بنکر سر چرخ بریں نکلی

سوال وصل اُس بُت سے کیا لیکن یہ ڈرتا ہوں بنیگی لیک پتھر کی اگر منھ سے نہیں نکلی

تصور بسکہ تھا دل میں امیر اُس روئے زیبا کا
پری بن کر ہمارے منھ سے آہ آتشیں نکلی

رند خراب تیرا وہ مے پیے ہوے ہے — مدت سے جان جس پر زاہد دیے ہوئے ہے
کس شان سے وہ میکش آتا ہے میکدے میں — قاضی سبو صراحی مفتی لیے ہوئے ہے
آتا نہیں نظر کچھ گو سامنا ہے اُس کا — کیا بیچ میں تحیر پردہ کیے ہوئے ہے
ہو کون بخیہ گر سے زخمی کا تیرے ساعی — رشتہ کھنچا ہے سوزن منھ کو سیے ہوئے ہے
پیر مغاں وہ کامل مرشد ہے بادہ خوارو — جمشید بھی پیالہ اس کا پیے ہوئے ہے
حرمت میں دختر رز کی اصرار ہے جو اتنا — یہ بات کیا ہے رند و واعظ پیے ہوئے ہے

رحم اب امیر پر بھی لازم ہے یار تجھ کو
کب سے ڈھٹی وہ تیرے در پر دیے ہوئے ہے

دل عاشق میں کیونکر عکس روئے دلربا ٹھہرے — جمال آفتاب آئینہ شبنم میں کیا ٹھہرے
سفر ٹھہرے تو قسمت ہے پرکار کی صورت — قدم ہو ایک اگر اپنا رواں تو دوسرا ٹھہرے
جو چشم غور سے آئینہ توحید کو دیکھا — تو سب کچھ تو ہی ٹھہرا ہم نہ کچھ اے خود نما ٹھہرے
گیا مرقد تلک گھر سے جنازہ ڈاک پر اپنا — عزیز احباب پہلے راستہ میں جا بجا ٹھہرے
صفیں آراستہ ہونے لگیں جب اہل محشر کی — جا کر ایک ٹکڑی حسرتوں کی ہم جدا ٹھہرے
زہے حسرت نکالے ہم گئے جب کوئے جاناں سے — بہت مڑ مڑ کے دیکھا دیر تک رد بر قضا ٹھہرے
قضا سیلاب طوفان نوح اک کشتی ہے بے لنگر — رُکے روکے سے وہ کیونکر یہ ٹھہرائے سے کیا ٹھہرے
زمین کوئے جاناں بھی عجب چسپ تختہ تھا — جہاں ٹھہرے ہمارے پانوں مثل نقش پا ٹھہرے
امام سبحہ کے مانند ہم اُس بزم کثرت میں — جو ٹھہرے سب میں مل کر بھی تو پھر سب سے جدا ٹھہرے
کمال عجز ہم کو لے اڑا اوج رسا لے ہو — ہوئے بے بال و پر تو ہم مگس دست دعا ٹھہرے

رہے سائے کی صورت ساتھ ہم ہر شخص کے لیکن — جدا اُٹھے جدا بیٹھے جدا آئے جدا ٹھہرے

غبار رنگ آرائش سے روشن دل مبرا ہیں — کہ آئینہ پر ممکن نہیں زنگ خفا ٹھہرے

نکالے جاتے ہیں ہر روز اُسکی پاس خاطر سے — ترے عاشق نہ ٹھہرے ہم عدو کا مدعا ٹھہرے

تپ غم سے امیر اخگر کی صورت جلتے ہیں اعضا
جو ٹھہرے تن یہ تو خاکستری شاید قبا ٹھہرے

فنا کیسی بقا کیسی جب اُسکے آشنا ٹھہرے — کبھی اس گھر میں آ نکلے کبھی اُس گھر میں جا ٹھہرے

نہ ٹھہرا وصل کاش اب قتل ہی پر فیصلا ٹھہرے — کہاں تک دل مرا تڑپے کہاں تک دم مرا ٹھہرے

جفا دیکھو جنازے پر مرے آئے تو فرمایا — کہو تم بیوفا ٹھہرے کہ اب ہم بیوفا ٹھہرے

تہ خنجر بھی منہ موڑا نہ قاتل کی اطاعت سے — تڑپنے کو کہا تڑپے ٹھہرنے کو کہا ٹھہرے

زہے قسمت حسینوں کی بُرائی بھی بھلائی ہے — کریں یہ چشم پوشی بھی تو نظروں میں حیا ٹھہرے

یہ عالم بیقراری کا ہے جب آغاز الفت میں — دھڑکتا ہے دل اپنا دیکھیے انجام کیا ٹھہرے

حقیقت کھولدی آئینہ وحدت نے دوئی کی — نہ تم ہمسے جدا ٹھہرے نہ ہم تمسے جدا ٹھہرے

دل مضطر سے کہدو تھوڑے تھوڑے سب مزے چکھے — ذرا بہکے ذرا سنبھلے ذرا تڑپے ذرا ٹھہرے

شب وصلت قریب آنے نہ پائے کوئی خلوت میں — ادب ہمسے جدا ٹھہرے حیا تمسے جدا ٹھہرے

اٹھو جاؤ سدھارو کیوں مرے سر پر یہ روتے ہو — ٹھہرنے کا گیا وقت اب اگر ٹھہرے تو کیا ٹھہرے

نہ تڑپا چارہ گر کے سامنے او دردیوں مجھکو — کہیں ایسا نہو یہ بھی تقاضائے دوا ٹھہرے

ابھی جی بھر کے وصل یار کی لذت نہیں اٹھی — کوئی دم اور آغوش اجابت میں دعا ٹھہرے

خیال یار آ نکلا مرے دل میں تو یوں بولا — یہ دیوانوں کی بستی ہے یہاں میری بلا ٹھہرے

امیر آیا جو وقت بد تو سب نے راہ لی اپنی
ہزاروں سیکڑوں میں درد و غم دو آشنا ٹھہرے

سوز جگر سے شمع شبستاں بغل میں ہے — داغوں کی روشنی سے چراغاں بغل میں ہے

کیا خوف ہے جو دفترِ عصیاں بغل میں ہے
آنکھیں سلامت اشک کا طوفاں بغل میں ہے

ہمدم کھٹک جو ہوتی ہے سینے میں بار بار
شاید بجائے دل کوئی پیکاں بغل میں ہے

کیا خوف زخمِ الفت مژگاں میں دل ہے شیر
یہ تیر کھائے ہیں کہ نیستاں بغل میں ہے

تیرے قدم کے فیض سے ہر ذرہ راہ کا
روشن یہ ہے کہ مہرِ درخشاں بغل میں ہے

آئی بہار شہر میں کس جا نہیں خوشی
ہر طفل باغ باغ گلستاں بغل میں ہے

واقف ہیں زاہدانِ ریائی سے خوب ہم
کلمہ بتوں کا پڑھتے ہیں قرآں بغل میں ہے

واعظ کتاب وعظ لیئے ہے تو کیا ہوا
بوتل شراب کی بھی تو پنہاں بغل میں ہے

کس منھ سے جاؤں داورِ محشر کے سامنے
شرم آتی ہے کہ دفترِ عصیاں بغل میں ہے

کافی ہیں روشنی کو مجھے داغ ہائے دل
طاؤس کی طرح سے چراغاں بغل میں ہے

شاعر ہیں اس زمانے کے دریوزہ گر امیر
نکلے ہیں بھیک مانگنے دیواں بغل میں ہے

گردباد اٹھ کے سراپردۂ در کس کا ہے
اے جنوں خانہ بدوشی میں یہ گھر کس کا ہے

جلوہ خورشید میں یہ پیشِ نظر کس کا ہے
چاک دامانِ سحر رخنۂ در کس کا ہے

توڑتا ہے جو کوئی پھول تو کہتی ہے صبا
کیا خبر تجھ کو کہ یہ دل یہ جگر کس کا ہے

اس طرف منھ نہیں کرتا ہے جو خورشید کبھی
گرم کیا جانیے بازار ادھر کس کا ہے

تو ہی یاں رہنے کو آیا ہے نہیں او غافل
جو ہے دنیا میں مسافر ہے یہ گھر کس کا ہے

برچھیاں تن پہ لگیں تیغ پڑے تیر آئیں
آرزومندِ اجل ہوں مجھے ڈر کس کا ہے

طالبِ غیر نہیں جلوۂ معشوق پسند
غیرِ شیریں دلِ فرہاد میں گھر کس کا ہے

دل کے سو ٹکڑے ہوں آ جائے کلیجا منھ کو
ضبط ہے آہ نہ نکلے یہ جگر کس کا ہے

اس کے دامن پہ گرا اشک جو میرا تو کہا
واہ کیا شوخ ہے یہ نورِ نظر کس کا ہے

دل کبھی منزلِ حق ہے کبھی بت کا مسکن
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے یہ گھر کس کا ہے

تیرے گریاں کے اگر ملک میں اے حور نہیں | باغ فردوس میں یہ قصر گہر کس کا ہے
عکس آئینہ صفت ربط ہے منہ دیکھے کا | خوب واقف ہوں میں دل میں ترے گھر کسکا ہے

لاکھ لاکھ اُس شہ خوباں کے ہیں احسان امیر
عشق منزل تلک اس طرح گذر کسکا ہے

دیر میں کون ہے کعبے میں گذر کس کا ہے | یار کا گھر یہ اگر ہے تو وہ گھر کس کا ہے
تیر پہ تیر لگاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے | سینہ کس کا ہے میری جان جگر کس کا ہے
رہبری کو جو گیا دیدۂ یعقوب سے نور | کشور مصر کو کنعاں سے سفر کس کا ہے
تندرستوں نے قضا کی ہوئے بیمار صحیح | پہلے کیا جانئے دنیا سے سفر کس کا ہے
خوف میزان قیامت نہیں مجھکو اے دوست | تو اگر ہے مرے پلے میں تو ڈر کس کا ہے
جھانک کر میرے سیہ خانے کو کہتا ہے یہ ماہ | تیرہ العظمۃ للہ یہ گھر کس کا ہے
دانے کی خاک نشینی سے ہوئی نشو و نما | خاکساری کا نہیں تو یہ ثمر کس کا ہے
کوئی آتا ہے عدم سے تو کوئی جاتا ہے | سخت دونوں میں خدا جانے سفر کسکا ہے
چھپ رہا ہے قفس تن میں جو ہر طائر دل | آنکھ کھولے ہوئے شاہین نظر کس کا ہے
کھل کر منھ کو مری گور میں مانند عروس | بولی عبرت کہ ذرا دیکھ یہ گھر کس کا ہے
خلد بے شبہہ خدا دے گا بنی آدم کو | باغ مملوک پدر غیر پسر کسکا ہے
نام شاعر نہ سہی شعر کا مضموں ہو خوب | پھل سے مطلب ہمیں کیا کام شجر کسکا ہے
لاش زیر شجر کوچہ محبوب گڑے | عمل نیک نہ تھے تو یہ ثمر کس کا ہے
صید کرنے سے جو ہے طائر دل کے منکر | اے کماندار ترے تیر میں پر کس کا ہے
شوق ہوتا ہے عمارت کا تو مجھسے عبرت | کہتی ہے گور جھنکا کر کہ یہ گھر کس کا ہے

میری حیرت کا شب وصل یہ باعث ہے امیر
سر پہ زانوں ہوں کہ زانو پہ یہ سر کسکا ہے

جہاں میں ہم کوئی دم صورت حباب رہے
خودی کی شرم سے اس پر بھی آب آب رہے

فراق نرگس میگوں میں ہم خراب رہے
تمام عمر سیہ مست بے شراب رہے

نہ مجھ کو آئے نہ اُن کو حساب بوسوں کا
یہ لین دین الٰہی علی الحساب رہے

نصیب ہو کہ نہ ہو صبح دیکھنا غافل
خیال موت کا لازم ہو وقت خواب رہے

کھنچے حساب میں روز حساب اہل حساب
حساب جن کو نہ آیا وہ بے حساب رہے

وصال میں بھی نہ دیکھا بُرا ہو غفلت کا
ہمیں کو ہوش نہ آیا وہ بے نقاب رہے

نہ زر سے کام نہ اسباب سے نہ دولت سے
یہ سب رہیں نہ رہیں عالم شباب رہے

وہ اور ہیں جو حسینوں کی بزم میں ہیں ذلیل
کہیں حضور رہے ہم کہیں حجاب رہے

جلائے دل کو تو اچھی طرح سے آتش غم
مزا کچھ اس میں نہیں خام جو کباب رہے

خدا کا نور چھپائے سے چھپ نہیں سکتا
جہاں رہے وہ عیاں مثل آفتاب رہے

پھر آئیگا دل بے ہوش دیکھ کر خالی
نظر سے دور ہی مینائے بے شراب رہے

قطعہ

خدا نے تجھ کو سلیقہ عطا کیا ہو بہت
ہر ایک بات کا حاضر صنم جواب رہے

عجب نہیں کوئی مسلم کرے جو دعوی عشق
قسم کے واسطے اللہ کی کتاب رہے

امیر کیجئے توبہ کی فکر پیری میں
مزے شراب کے تا عالم شباب رہے

جہاں میں یوں ہیں جو دور انقلاب رہے
یقین ہو شپرہ کے گھر میں آفتاب رہے

فراق یار میں ساقی شراب کا کیا ذکر
پیا جو آب تو خجلت سے آب آب رہے

وزیر کو سند شاہ کا ہے فرض اعزاز
نبی کے ہاتھ میں اللہ کی کتاب رہے

کرم کرے وہ توانا جو ناتوانوں پر
تو نخل موم کے سایے میں آفتاب رہے

خراب خانے کو ہو قصد تیرے وحشی کا
سبو کے ہاتھ میں خشت خم شراب رہے

خدا نے مرتبہ عالی دیا ہے محسن کو
بلند ماہ سے کیونکر نہ آفتاب رہے

رہ خطا میں بھی چلئے تو راستبازی سے
مدام زیر قدم جادۂ صواب رہے

غش آئیگا مجھے دیکھا جو دختر رز کا جمال
قریب ساغر مے شیشۂ گلاب رہے

یقیں ہے تاب نہ لائے حرارت دل کی
جو دو گھڑی میری بالیں پر آفتاب رہے

قصور نفس لعیں سے خدا رہا ناراض
گناہ غیر پہ ہم مورد عتاب رہے

ملا نہ محفل جاناں میں ہم کو اذن نشست
برنگ شمع خجالت سے آب آب رہے

مبارک ابلق ایام ترک گردوں کو
اُسی کی ران کے نیچے یہ بدرکاب رہے

خیال رخ یہ بندھا ہمکو عشق گیسو میں
کہ شب کو دن کی طرح روبہ آفتاب رہے

خطاب ہے لب ساغر کا محتسب سے امیر
پھرے جو پیر خرابات سے خراب رہے

بڑھے کیا ربط یار دلستاں سے
نیا روز ایک دل لائیں کہاں سے

بگولے خاک سے اُٹھتے ہیں اب تک
نہ مر کر بھی دبے ہم آسماں سے

حسیں سب بیوفا ہیں حضرت دل
وفادار آپ لائیں گے کہاں سے

اِدھر دیکھو حیا کیسی شب وصل
اٹھاؤ بھی یہ پردہ درمیاں سے

خزاں کے آتے ہی گلچین و صیاد
لپٹ کر خوب روئے باغباں سے

جواب یہ بوسۂ لب سے ہوا انکار
کہا تھا وصل کو پھر کس زباں سے

نکلتا ہو مرا دم ڈر نہ جاؤ
خدا حافظ سدھارو تم یہاں سے

خیال قامت محبوب آیا
میں جی اُٹھا قیامت کے بیاں سے

کہاں دیر و حرم میں عشق مشرب
یہ لوگ آزاد ہیں قید مکاں سے

خط قسمت مٹے جبتک نہ ایدل
جبیں اُٹھے نہ اُس کے آستاں سے

امیر اس کو نہ درد دل سنایا
نہ نکلا کام کچھ دل کا زباں سے

ایک دن یاد کرے گا غم دلدار مجھے
رو دیگا بیٹھ کے تربت پہ یہ غمخوار مجھے

عیش بے رنج کہاں غم کدۂ عالم میں
نظر آتی ہے خوشی خندۂ بیمار مجھے

تیرے جاتے ہی احبا نے کیا دفن اے روح
تو جو ہوتی تو نہ کرتے یہ گرفتار مجھے

سیل ساں جوش میں اٹھکر جو میں پہنچا در تک
خوف سے بیٹھ گئی دیکھ کے دیوار مجھے

گر پڑا دیکھ کے چاہ ذقن اس یوسف کا
مل گیا گوشۂ خلوت سر بازار مجھے

روز محشر در جنت سے جو اٹکا دامن
آگیا یاد سگ کوچۂ دلدار مجھے

لال کر دونگا کوئی دم میں بہت کھنچتی ہے
منھ پہ چڑھنے تو ذرا دے تری تلوار مجھے

آنکھ کہتی ہے یہ دل سے کہ کریگی برباد
خواہش وصل تجھے حسرت دیدار مجھے

کیا قیامت سے ڈروں عاشق قامت ہوں نہیں
ایسے فتنے نظر آئے ہیں کئی بار مجھے

سچ ہے مرجانے سے بڑھ جاتی ہے انساں کی قدر
دوش پر لیکے چلے ہیں مرے غمخوار مجھے

جوہر تیغ مرے دام ہیں وہ طائر ہوں
مشتری ذبح کریگا سر بازار مجھے

گھر سے نکلا تو وہ تھا ساتھ جنازے کے امیر
رک رہا جان کے وارفتۂ رفتار مجھے

خلعت روز ازل بے سروسامانی ہے
خاص ملبوس مرا جامۂ عریانی ہے

کون کہتا ہے اسے برق چمکتی ہے جو برق
کسی معشوق کی ہنستی ہوئی پیشانی ہے

زلف بڑھ کر نہیں آتی ہے قدم تک تیرے
قد آدم مری تصویر پریشانی ہے

محو نظارہ قاتل ہوں میں ایسا دم ذبح
کہ ہر اک داغ بدن دیدۂ قربانی ہے

ہاتھ میں نامۂ اعمال کی جا روز جزا
اپنی بخشش کی سند داغ پشیمانی ہے

صورت آئینہ کیا نیک و بد دہر سے کام
خط تقدیر سے خالی مری پیشانی ہے

مرگ کے بعد بھی ہرگز نہ بدن سے اترا
کسقدر چست مرا جامۂ عریانی ہے

لطف ساقی سے حکومت ہے زمانے کی نصیب
کشتیٔ مے مجھے اورنگ سلیمانی ہے

ذبح کے بعد تجھے دیکھ رہا ہے قاتل — دیکھ کیا حوصلۂ دیدۂ قربانی ہے
معنیٔ مطلع ابرو تو بتا دیں مجھ کو — تیری آنکھوں کو جو دعوائے سخندانی ہے
مجمع عام میں نکلے عبث اے پردہ نشیں — کب گوارا تری تلوار کی عریانی ہے
دیکھ کر نقش قدم کو ترے کہتا ہے فلک — یہ چمکتی ہوئی کس چاند کی پیشانی ہے
بارھ پر آئے تو بے موت مریں حضرت خضر — گھاٹ میں یار کی تلوار کے وہ پانی ہے
کم نہیں آئینہ خانے سے یہ سب بزم جہاں — جس طرف دیکھئے اک عالم حیرانی ہے

جلوۂ شاہد رحمت ہے گناہوں سے امیر
درۃ التاج کرم اشک پشیمانی ہے

صحت ہوئی مرض سے مگر ناتواں رہے — پرہیز کون توڑے ہم اتنے کہاں رہے
پامال سرکشوں کے رہے ہم جہاں رہے — دب کر زمین کی طرح تہ آسماں رہے
خنجر کو رکھ کے زخم میں اُس ترک نے کہا — ایسے دہن میں چاہیئے ایسی زباں رہے
ممکن نہیں کہ دلمیں چھپے عشق زلف یار — آئینے میں جو بال پڑے کیا نہاں رہے
کعبہ بھی چند روز رہا ہے صنم کدہ — چندے خدا کے گھر میں بھی بت میہماں رہے
تا حشر ان کو ناز مبارک مجھے نیاز — مانند عشق حسن بھی یارب جواں رہے
یارب چھٹیں نہ زلف سے ہم عاشقوں کے دل — آباد مومنوں سے یہ ہندوستاں رہے
دونوں جہاں کی فکر سے فارغ ہیں مے پرست — ہو خم کی خیر مغ کی سلامت دکاں رہے
دو روز بتکدے کی بھی کر آئیں چل کے سیر — زاہد خدا کے گھر میں بہت میہماں رہے
دلمیں سوا خدا کے نہیں جائے غیر خوف — خلوت کیواسطے بھی تو کوئی مکاں رہے
چشم کحیل یار نے دم بند کر دیا — سرمے کی گرد میں مرے نالے نہاں رہے
مانند مردمک اسے آنکھوں میں دیں جگہ — انساں جو آپ اپنی نظر سے نہاں رہے
میں ہوں حباب مجھ کو تعلی سے کام کیا — گھر کی زمین گھر کا مرے آسماں رہے

اٹھا طبیب سے ہے تپ عشق کا ضرر — نبض استخواں میں شمع کی صورت نہاں ہے
لازم ہے فکر دوست مناسب ہے ذکر دوست — جب تک بدن میں جان ہے منہ میں زباں ہے

ہستی مری مٹا نہ سکی نیستی امیر
وہ ذکر غیر ہوں کہ جو ورد زباں رہے

پوشیدہ خط سے جوہر حسن بتاں رہے — اپنے دھوئیں میں آپ یہ شعلے نہاں رہے
مجھ میں رہے وہ پر میں نہ سمجھا کہاں رہے — قالب میں یا رہے کہ روح کی صورت نہاں رہے
ہم غافلان دہر کو آشنا ہوا نہ ہوش — تھا کون میزباں کہاں میہماں رہے
ہے حسن میں بھی معنی روشن کا خاصہ — دل میں عیاں رہے وہ نظر سے نہاں رہے
دیر و حرم میں سجدہ در دوست پر کیا — تھے آستان یار پہ حاضر جہاں رہے
انساں کو چاہیے کہ دلوں میں جگہ کرے — بو ہو کے اس چمن کے گلوں میں نہاں رہے
غربت میں موت آئی ہے تربت بھی خاک ہو — کچھ بے کسی کا بعد فنا بھی نشاں رہے
کہتا ہے وہ صنم کہ رہیں ہم تمہارے گھر — لیکن یہ شرط ہے کہ خدا درمیاں نہ رہے
آئی ندائے غیب گرا جب میں بیقرار — مشکل ہے اب زمیں نہ آسماں رہے
تکلیف دے خضاب کی ہم کو نہ اے ہوس — کچھ روز دں پیر بھی کبھی ہم جواں نہ رہے
کیسی تڑپ ادب سے نہ کی آنکھ سامنے — کتنے درست ہوش دم امتحاں رہے
شبنم ہمیں خدا نے بنایا ہے تجھ کو مہر — تیرا ہوا ظہور تو پھر ہم کہاں رہے
راضی ہیں ہم کو پھیر کے منہ ذبح کیجیے — باقی نہ کوئی حوصلہ امتحاں رہے
لاؤں بھلا کہاں سے دل بے ملال میں — اے دوست غمکدہ تو یہ ہے غم کہاں رہے
اے آہ گرد یہ کہاں تک مخالفت — یا ہم رہیں زمیں پہ یا آسماں رہے

ہوتا وصال ذرہ و خورشید کیا امیر
چار آسمان آٹھ پہر درمیاں رہے

یارب حیا سے شہرۂ حسن بتاں رہے | نیچی نظر سے حسن کی اونچی دکاں رہے
لازم ہے اسکے رخ پہ نمود خط سیاہ | ممکن نہیں کہ آگ کے نیچے دھواں نہ رہے
حاتم کا داستاں تو نہیں ابتک ہے تذکرہ | وہ کام کر کہ ناموروں میں نشاں رہے
نیرنگ اُن کی شان تجلی کی دیکھیے | اتنے ہوئے عیاں کہ نظر سے نہاں رہے
زیر زمیں بھی آہ کی عادت ضرور ہے | قابو میں تا کلید در آسماں رہے
گلشن میں مجھسے ہے یہ تقاضائے اضطراب | کھٹکا ہو جس شجر میں وہیں آشیاں رہے
مجھ سا نشانہ ڈھونڈھتی ہے بہر تیر یار | کیوں رات دن نہ پشت خمیدہ کماں رہے
یوں بیٹھے بیٹھے زیست کے دن ہو گئے تمام | کشتی میں جیسے ساکن کشتی رواں رہے
آیا کبھی ہمارا نہ سگ یار اس طرف | برسوں لحد میں ڈھیر مرے استخواں رہے
اب دیکھیں کیا دکھائے نشیب و فراز دہر | ابتک تو جس زمیں پہ رہے آسماں رہے
بیکاری زمانہ سے بیکار کب ہوئے | ہم نبض دشت شل کی طرح سے رواں رہے
بیڑا ہو پار عشق مژہ میں کٹے جو عمر | خنجر کی دھار پر مری کشتی رواں رہے

صیاد اِدھر خلاف اُدھر باغباں امیرؔ
ہم بار خاطر قفس و آشیاں رہے

لطف تب ہو کہ اِدھر ہاتھ میں بوتل آئے | اس طرف جھوم کے گلزار میں بادل آئے
طالب مرگ بھی ہیں منتظر یار بھی ہیں | دیکھیے کون شب ہجر میں اوّل آئے
سخت جانوں پہ لگا ضرب سمجھ کر قاتل | تیغ میں بال کمر میں نہ تری بل آئے
آنکھ جسکی کہ تری تیغ دو دم پر پڑ جائے | ایک دو اُسکو نظر صورت احول آئے
ہجر جاناں میں کہاں صورت آرام نصیب | چونک اُٹھوں جو نظر خواب میں مخمل آئے
ہو محبت میں نہ تلخی کے سوا کچھ حاصل | ثمر اس نخل میں آئے بھی تو حنظل آئے
جوش وحشت میں کروں کیوں نہ میں صحرا کو ذلیل | آدمی کا جو نظر شہر میں جنگل آئے

ہر قدم پر ہوں دل اہل تماشا پامال
کبک و طاؤس کو تیری سی جو چھل بل آئے

وقت گریہ کسی گیسوئے مسلسل کی ہے یاد
موج اشک آنکھ سے کیونکر نہ مسلسل آئے

ہوں وہ بیمار کہ نفرت ہے دوا سے مجھکو
درد سر ہو جو مرے سامنے صندل آئے

ہیں وہ ناداں جنھیں دو روز کے جینے پہ ہے ناز
دیر کتنی ہے اجل آج نہیں کل آئے

دود آہ دل پر سوز جو ہم نذر کریں
چشم جاناں کو پسند اور نہ کاجل آئے

ہوں وہ وحشی جو کروں وحشت گور میں بھی شب کو
ہر قدم غول دکھاتے مجھے مشعل آئے

ہے یقیں خشک نہ پائیں نہ رہیں کانٹوں کی
پانوں چھالے کیلئے ہاتھ میں چھاگل آئے

لوٹ کر دل نے دکھائے اثر نالہ و آہ
ہیں عجب شاخ شکستہ میں نئے پھل آئے

عشق زلف سیہ یار نے مارا ہے امیر
سایہ کرنے کو نہ کیوں گور پہ بادل آئے

درد عارض ہو دوا کو تو مجھے کل آئے
پانوں گھس جائیں جو سر تک مرے صندل آئے

دو قدم تم جو چلو خلق میں ہلچل آئے
سیر ہو حشر کا دن وقت سے اول آئے

بل بے ضعف آج اگر منھ سے نکالوں آواز
جلد آئے جو مرے کان تلک کل آئے

واہ رے شوق شہادت جو قیامت آئے
لوگ محشر کو گئے ہم سوئے مقتل آئے

کفر کعبے میں نہ پھیلاؤ لڑا کر آنکھیں
دیکھ عارض پہ کہیں یہ کے نہ کاجل آئے

ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ نالہ کیسا
سر کے سو ٹکڑے ہوں تیوری پہ اگر بل آئے

وہ سیہ مست ہوں ساقی کہ اگر پہلو میں
دلکو ڈھونڈھوں تو مرے ہاتھ میں بوتل آئے

توبہ کرلی تھی کہ بوچھار ملامت کی ہوئی
خوب ہی مجھ پہ برستے ہوئے بادل آئے

سر سے اوڑھو نہ دوپٹہ مجھے کھٹکا یہ ہے
بنکے گھونگھٹ کہیں چہرے پہ نہ آنچل آئے

پھول دکھلائی دیئے مجھ کو جنوں میں کانٹے
باغ بن بن کے مرے سامنے جنگل آئے

پھینکیدو کاٹ کے جڑ نخل تمنا کی امیر
پھول کمبخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

مخمس بر غزل جناب فردوس مکان نواب یوسف علی خاں بہادر
متخلص بہ ناظم والی مصطفےٰ آباد عرف رام پور

کیا کیجئے وہ کہتے ہیں ہر بات پہ غلط — اظہار غم کیا تو کہا سر بسر غلط
یہ درد دل دروغ یہ زخم جگر غلط — میں نے کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کسقدر غلط

طوفان جوش گریۂ بے اختیار جھوٹ — آتش فشانی جگر داغدار جھوٹ
نہ ہو کمند جذب دل بیقرار جھوٹ — تاثیر آہ و زاری شبہائے تار جھوٹ
آوازۂ قبول دعائے سحر غلط

ہر روز ایک تازہ دکھاتے ہیں ماجرا — ہر وقت چھوڑتے ہیں شگوفہ کوئی نیا
جب آزمائیے تو نہ یہ سچ نہ وہ بجا — سوز جگر سے ہونٹھ پہ تبخالہ افترا
شور فغاں سے جنبش دیوار و در غلط

ہاں داستان شکوۂ بخت زبوں دروغ — ہاں دیکھ پیچ و تاب یہ سوز جنوں دروغ
ہاں فرط غم سے جوشش سیلاب خوں دروغ — ہاں سینے سے نمائش داغ دروں دروغ
ہاں آنکھ سے تراوش خون جگر غلط

ہیں سب بناوٹیں ہمیں فقرے نہ دیجئے — ساقی صبح ہو تو صبوحی نہ پیجئے
دوڑائیے نہ ہاتھ کو بوسے نہ لیجئے — آجائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجئے
عشق مجاز و چشم حقیقت نگر غلط

تسخیر یار کے لئے یہ سب فریب ہیں — صاحب شکار کے لئے یہ سب فریب ہیں
سمجھائیں پیار کے لئے یہ سب فریب ہیں — بوس و کنار کے لئے یہ سب فریب ہیں

انظہار پاک بازی و ذوق نظر غلط

بھولا سمجھ کے ہمکو جتاتے ہیں گرمیاں   کرتے ہیں مہر جب کبھی ہوتے ہیں مہرباں
ہم پر سر زمین ہیں وہ بالائے آسماں   تو صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں
احمق نہیں ہم اُسکو نہ سمجھیں اگر غلط

صاحب کہو وہ بات کہ ہو کچھ تو دل نشیں   جسکا نہ سر نہ پانوں ہو اُسکا ہو کیا یقیں
اس جھوٹ کی ہے بندہ نواز انتہا کہیں   سینے میں اپنے جانتے ہو تم کہ دل نہیں
ہم کو سمجھتے ہو کہ ہے اُنکی کمر غلط

شیطان بھی تمہارے فریبوں سے مات ہے   تم دنکو دن کہو تو میں سمجھوں کہ رات ہے
اظہار ذوق قتل کی ساری یہ گھات ہے   کہنا ادا کو تیغ خوشامد کی بات ہے
سینے کو اپنے اسکے سمجھنا سپر غلط

تم لاکھ قسمیں کھاؤ نمانوں گا میں کبھی   کیا جان اپنے ہاتھ سے کھونا ہو دل لگی
ناداں بنا رہے ہیں ہمیں آپ واہ جی   مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
جان عزیز پیشکش نامہ بر غلط

عیاریوں سے بھی کوئی ہوتا ہے نیکنام   صاحب یہی ہے مکر تو بندے کا ہے سلام
یہ کون باک رہا ہے اگر ہم ہوئے تمام   پوچھو تو کوئی مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام
کہتے ہو جان دی ہے سر رہ گذر غلط

مطلب یہ ہے کہ لوگ کہیں لو وہ مر گیا   بڑے ہیں عاشقوں کے عجب کام کر گیا
سر پیٹیں آشنا کہ وہ جی سے گذر گیا   ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا
مرنے کی اپنی روز اُڑائی خبر غلط

اس شاعری پہ آپ کو اترانا نا زیبا نے   فقروں میں ہم نہ آئینگے گو خاک چھانئے
کیا فرض ہے کہ جھوٹ کو بھی سچ ہی جانئے   آیت نہیں حدیث نہیں جسکو مانئے

ہے نظم و نثر اہل سخن سر بسر غلط

اس بیوفا کو عشق جتانے سے کیا ملا | الزام اٹھائے بیٹھے بٹھائے ہزار ہا
کہتا نہ تھا امیرؔ کہ اظہار ہے بُرا | یہ کچھ سنا جواب میں ناظم ستم کیا

کیوں یہ کہا کہ دعوے الفت مگر غلط

رباعی

گھر کھدنے کی پوچھو نہ مصیبت ہم سے | روتی ہے لپٹ لپٹ کے حسرت ہم سے
یا ہم جاتے تھے گھر سے رخصت ہو کر | یا گھر ہوتا ہے آج رخصت ہم سے

رباعی

ہر گھر میں شرابی ہے الٰہی توبہ | ہر در پہ کبابی ہے الٰہی توبہ
مسجد سا مقام اور دورِ ساغر | کیا خانہ خرابی ہے الٰہی توبہ

رباعی

زاہد ہو کر جو شغل مے چھوڑ دیا | اللہ رے فساد خوں بدن پھوڑ دیا
فریاد ہے مجھ شکستہ دل کی یارب | توبہ کی درستی نے مجھے توڑ دیا

رباعی

اوروں کو تو دنیا میں قضا نے مارا | دی زیست خدا نے پھر خدا نے مارا
ہر صورت مرگ و زیست اپنی ہے جدا | اُس لب نے جلایا تھا ادا نے مارا

رباعی

کمرے میں تو شب وہ ماہ سیما آیا | اس پر بھی مجھے ہاتھ نہ تنہا آیا
چلمن جو اٹھی ہوئی تھی آئی تھی ہوا | چھڑوا دیے پردے تو پسینا آیا

رباعی

زیبا ہے جو دم بھرتے ہیں مردم اسکا | قتال زمانہ ہے تکلم اس کا

کیا تیغ دودم ہے اُسکی تو کیا یہ وہ لب   کیا نیمچہ ہے نیم تبسم اُس کا

رباعی

مشکل سے تجھے او گل رعنا پایا   کونین میں پھر کر ترا کوچا پایا
دنیا عقبیٰ سے عاشقی حاصل کی   صغرا کبرا سے یہ نتیجا پایا

رباعی

آنکھوں سے ہو رنگ مے پرستی پیدا   پلکوں سے ہو شان پیش دستی پیدا
کچھ حاجت مے نہیں کہ ہو آپ سے آپ   اُن پتلیوں سے سیاہ مستی پیدا

رباعی

سنتا ہوں ہوا جلوہ نما عید کا چاند   ہے اُسکی جدائی تو کجا عید کا چاند
وہ ابروئے پر خم نظر آئے جو مجھے   البتہ یہ سمجھوں کہ ہوا عید کا چاند

رباعی

عاشق کو کہاں شکیب شیدا ہو کر   دل زندۂ جاوید ہے مُردا ہو کر
پیوند زمیں کرے جو مجھ کو گردوں   گرد اُسکے پھرے خاک بگولا ہو کر

رباعی

ایسا ہوں میں باوفا کہ او کشتۂ ناز   ہڈی سے بنے شانہ پس سوز و گداز
وہ شانہ یقیں ہے ہمہ تن ہو کے زباں   دے روز دعا کہ عمر گیسو ہو دراز

رباعی

آرام کہاں دشت میں ہم لیتے ہیں   تھمتے ہیں ٹھہرتے ہیں نہ دم لیتے ہیں
وحشت ایسی رمیدگی ہو ایسی   آنکھوں سے ہرن آکے قدم لیتے ہیں

رباعی

دنیا سے عدم کی سمت جاتے جاتے   بگڑے ہوئے کیا کام بناتے جاتے

آنا جانا تھا اپنا مانند نفس   تاخیر ذرا ہوئی نہ آتے جاتے

رباعی

کیا لطف اگر سارا زمانہ دیکھے   دیکھے تو نگاہ چشم دانا دیکھے
کر گلشن الفت میں گذر شکل نسیم   آنا دیکھے نہ کوئی جانا دیکھے

رباعی

کچھ تو ہمیں گلشن سے اجی ہاتھ لگے   کھل جائے کنول دل کا کلی ہاتھ لگے
عارض نہ دکھاؤ اک نظر دیکھ تو لو   گر پھول نہیں تو پنکھڑی ہاتھ لگے

رباعی

خط یار نے کیا نام خدا لکھا ہے   القاب جدا شوق جدا لکھا ہے
ملجائے یقیں ہو مرض غم سے نجات   نامہ نہیں تعویذ شفا لکھا ہے

رباعی

مٹ جاؤ گے غم میں جان کھوتے کھوتے   اس بزم سے ہوگا کوچ ہوتے ہوتے
ہو شمع صفت اگر یہی سوزش دل   گھل جائیگا تن تمام روتے روتے

رباعی

پہنچے جو ترے در پہ وہ ممتاز ہوئے   رکھا جو قدم سر پہ سرافراز ہوئے
یہ کعبہ کہاں اور کہاں ہم مجرم   سامان یہ قسمت سے خدا ساز ہوئے

رباعی

ہم کو تو پسند ہے طبیعت ایسی   نکلے الفت کرے عداوت ایسی
کمبخت نے کیا کہا ہو منصف یہ کہیں   شاعر کو کہاں نصیب قسمت ایسی

رباعی

گھر سے وہ برآمد کبھی در تک نہ ہوئے   تحفے کئے منظور نظر تک نہ ہوئے

نامہ نہ پڑھا جواب نامہ کیسا قاصد کی خبر سُنی خبر تک نہ ہوئے

رباعی

آئی ہے شب ہجر رُلانے کے لئے
میں ایک نہیں سب کے مٹانے کے لئے
اشکوں میں مرے ڈوب رہا ہے عالم
آنکھیں مری روتی ہیں زمانے کے لئے

رباعی

کیا تیری جدائی میں ستم دیکھتے ہیں
دیکھے نہ وہ دشمن بھی جو ہم دیکھتے ہیں
اس ظلم پہ اِس جور پہ خاموش رہے
ایسا تو جہاں میں کوئی کم دیکھتے ہیں

رباعی

خواہاں طرب ہے جسے ادراک نہیں
آرام تہ گنبد افلاک نہیں
پیمانہ گردوں میں کہاں بادۂ عیش
جز دُرد تہ جام یہاں خاک نہیں

رباعی

غائب بہت اے جان جہاں رہتے ہو
مانند نظر ہم سے نہاں رہتے ہو
ہرچند کہ آنکھوں میں ہو تم دل میں ہو تم
معلوم نہیں یہ کہ کہاں رہتے ہو

رباعی

ٹھنڈے یاروں سے گرمجوشی کیسی
گندم دکھلا کے جو فروشی کیسی
پھر جائینگی آنکھیں جو پھری ہم سے نظر
صدقہ آنکھوں کا چشم پوشی کیسی

رباعی

اے جان جہاں یہ بیوفائی ہم سے
اغیار سے اخلاص رُکھائی ہم سے
بیگانہ روش بیٹھے ہو اسطرح الگ
گویا نہ کبھی تھی آشنائی ہم سے

رباعی

ظاہر میں جو آزدہ تمہیں پاتا ہوں
کچھ دل میں نہیں دلکو یہ سمجھاتا ہوں

ہوتا ہے کبھی اگلی محبت کا اثر — سچ کہدو کبھی میں تمہیں یاد آتا ہوں

رباعی

کہتے ہو کہ دل کوئی اٹھائے ہم سے — تم نے تو نئے رنگ نکالے ہم سے
پچھتاؤ گے آخر کو کہے دیتے ہیں ہم — دنیا میں کہاں چاہنے والے ہم سے

رباعی

بالفرض حیات جاودانی تم ہو — بالفرض کہ آب زندگانی تم ہو
ہم سے نہ ملو تو خاک سمجھیں تم کو — لیں نام نہ پیاس کا جو پانی تم ہو

قطعہ تہنیت عقد دختر و پسر نواب شرف الدولہ بہادر مع تاریخ

نواب باہمم شرف الدولہ ذی حشم — جنکی بہادری پہ ہے شمشیر تاب گواہ
تشبیہ نقش پائے مبارک سے دوں اگر — پھینکے فلک یہ مہر فلک فخر سے کلاہ
فیض قدم سے راہ میں گوہر بنے خذف — ذرے ہوں آفتاب پڑے جسطرف نگاہ
رونق تھی بادشاہی اختر نگر کی اور — جبتک کہ آسمان وزارت کے تھے دو ماہ
اچھوں کے اچھے ہوتے ہیں سچ ہے جہانمیں — یہ آسمان جاہ تو اولاد مہر و ماہ
ہیں رنگ و بوئے باغ شرف دختر و پسر — دونوں دُر یگانۂ دریائے عز و جاہ
دونوں کی شادیاں ہوئیں ایوان پائی زیب — گلشن کا رنگ جشن سے محفل پر اشتباہ
عالم تمام خوان عنایت سے بہرہ یاب — محروم ایک فیض حضوری سے خیر خواہ
لیکن رہا سرور سے ہمدوش رات بھر — مشہور ہے جہانمیں کہ دلسے ہے دل کو راہ
دل سے تمام شب رہیں باتیں سرور کی — اشعار کچھ زبان پر آئے دم پگاہ
واں دھوم عقد کی ہوئی یاں فکر سلک نظم — دی عشق نے صدا کہ مبارک کرے الہ
پایا ہے اس چراغ سے اس شمع نے فروغ — اس شمع سے چراغ کی روشن ہوئی نگاہ

گل کو قریب نرگس شہلا کے لے گئے   نرگس کو لائی گل کے قریں باد صبح گاہ

تاریخ خامہ و زباں نے لکھی امیر
یہ نہ قریں بزہرہ وہ زہرہ قریں ماہ
۳   ۱۲۰۰ھ

ایضاً

اے خوشا نواب والا مرتبت   جن کے رخ سے مقتبس ہر بار چاند
ان کے دخت و طفل دونوں ارجمند   ایک سورج ایک بے تکرار چاند
عقد دونوں کے ہوئے دل نے کہا
آئے ہیں گھر میں شرف کے چار چاند

قطعہ تاریخ طبع صحیفۂ اخبار

مخزن الاخبار کو پایا جو مالا مال حسن   لوٹنے کو دُر غلطاں کو بہانہ مل گیا
لوح پیشانی سے صفحہ ہو گیا عرش آستاں   مشتری کو بہر سجدہ آستانہ مل گیا
دانت شرما کر نکل آئے صدف کے ہجر میں   موج کو زلف پریشانی کا شانہ مل گیا
کیا صفا ہے جتنے نقطے تھے وہ موتی بن گئے   ہنس کو مقسوم کا ایک ایک دانہ مل گیا
نو مدحت اُڑ کے جا بیٹھا نہال فکر پہ   مرغ زریں قلم کو آشیانہ مل گیا
بندش صاف آئینہ ہے خود نمائی کے لئے   شاہد مضموں کو شوخی کا بہانہ مل گیا
سال سے ہو اوج نجم مشتری روشن امیر
جس کو پرچہ مل گیا سمجھا خزانہ مل گیا
۱۲۷۳ھ

ایضاً

مولوی ہادی علی والا گہر عالی نژاد   ہے سرشت پاک آب کوثر و تسنیم سے

موجد انداز تحریر طلسم لکھنؤ — اور وصف انکے ہیں باہر حیطۂ ترقیم سے
نظم اک غنچہ ہے اُن کی بوستان طبع کا — نثر اک گل ہے بہار روضۂ تعلیم سے
اب ہوئے ہیں مخزن اخبار یہ گوہر فشاں — ہونگے مفلس مالدار اس پرچہ کی تقسیم سے

تجھ سے ہو تاریخ کا سائل اگر کوئی امیر
کہہ بھرا ہے ایک پرچہ گنج ہفت اقلیم سے

ایضاً

فکر تاریخ نمودم چو برائے مخزن — گفت در گوش دلم ہاتف از غیب سخن
چار برگیر بہ تعداد حروف از مخزن — نصف یکبار بیفزا و دو بارش کم کن

۱۲۱۵ھ

قطعہ تاریخ وفات مادر جناب منشی کرم احمد صاحب خیرآبادی

چو ام منشی دیوان اکرم — کرم احمد کہ مقبول خدا باد
سفر اندر صفر فرمود زیں دہر — بچشم حور خاکش توتیا باد
جہاں از رحلتش ویراں شد و خلد — بہ یمن مقدم او گشت آباد

امیر ایں مصرع تاریخ بنوشت
بزیر دامن خیر النسا باد

۱۲۷۳ھ

قطعہ تاریخ طبع دیوان جناب معلی القاب نواب محمد یوسف علیخان بہادر والی مصطفی آباد عرف رام پور

مبارک ہو اے شاعران سخنداں — چھپا خسرو ملک معنی کا دیواں
فصاحت بلاغت نزاکت لطافت — معانی بہ صدقے مضامیں بہ قرباں
امیر اسکی تاریخ کہنے کے خاطر — ہوا فکر میں جب کہ سرور گریباں

۳۲۱

ندا غیب سے اُس کے کانوں میں آئی
کہ افکار نواب یوسف علی خاں

قطعۂ تاریخ مثنوی مرزا حاتم علی بیگ صاحب مہر حسب فرمائش جناب میر محسن علی صاحب لکھنوی

لکھی جناب مہر نے کیا خوب مثنوی
ایسی نہ ہو ہمیشہ اگر خاک چھاپیے
تاریخ میں امیرؔ تکلف ہے کیا ضرور
راز و نیاز عاشق و معشوق چھاپیے

قطعۂ تاریخ وفات جناب شیخ وحید الزماں صاحب

اتوار کی شب رجب کی سترھویں ہے
کی شیخ وحید عصر نے آج قضا
تاریخ کی فکر کی جو میں نے تو امیرؔ
رضواں نے کہا کہ داخل خلد ہوا
۱۲۸۱ھ

قطعۂ تاریخ تہنیت سواری حضور پُرنور جناب نواب محمد یوسف علیخان بہادر دام اقبالہٗ

شکر ہے نواب کو صحت ہوئی
پھر مرے خالق نے دکھلائی بہار
دیکھ کر اس کی سواری کا تزک
چشم نرگس بن کے شرمائی بہار
آمد آمد جب سواری کی ہوئی
دھوم اُڑی آئی بہار آئی بہار
رنگ یہ اُس کی سواری کا جما
ابر رحمت کی طرح چھائی بہار
کرتی ہے باد بہاری کے حضور
ہر قدم پہ جبہہ فرسائی بہار
اشرفی کے پھول اپنی جیب میں
بھر کے بیلے کے لئے لائی بہار
یہ بدیہہ ہو گئی تاریخ امیرؔ
شہر کیوں گلشن نہ ہو آئی بہار
۳۴۲

تہنیت جشن صحت بندگان والامقام جناب محمد یوسف علیخان بہادر

بادائے تہنیت عید صیام

مژدہ اے طالبان شاہد عیش — کہ ہوئی صبح عید شام امید
عید کا چاند چرخ پر نکلا — کھل گئی قفل آرزو کی کلید
دور دور قرآن سعد آیا — ہیں ہم آغوش مشتری ناہید
یوسف عہد کو ہوئی جو شفا — مرتبے میں ہوئی دو بالا عید
دون ہمرنگ کی اُسے کہئے — جشن صحت ادھر اُدھر ہے عید
عید سی عید ہے خوشی ہی خوشی — ہے عجب ساعت سعید و حمید
اصل مقصود جشن صحت ہے — عید ماہ صیام ہے تمہید
دھوم ہے ہر طرف مبارک ہو — وصل میں وصل اور دید میں دید
ہمہ تن چشم و گوش ہے عالم — کہ یہ عالم نہ دید ہے نہ شنید
دیکھ کر بخشش و نوال حضور — چرخ پر کاسہ بن گیا خورشید
جوڑے زہرہ وشوں نے وہ پائے — اطلس چرخ جن کے آگے مرید
فکر تاریخ کی جو میں نے امیر — کیا ہی روح القدس نے کی تائید

ہوئی تاریخ جشن و عید بہم
جشن میں جشن اور عید میں عید

قطعہ تاریخ جشن صحت

شرف واں مہر کو ہے یا عروج مہر دولت ہے — عجب صحت عجب جلسہ عجب شادی کی ساعت ہے

کیے سال ہمایوں ہاتھ آتا ہے امیر ایسا ہمینا عید کا نوروز کا دن روز صحت ہے

قطعہ تاریخ وفات فردوس مکان جناب نواب محمد یوسف علیخاں بہادر انار اللہ برہانہ

در فراق ناظم معجز بیاں یوسف لقا جوش زد سیلاب خوں از دیدۂ گریان من
تاب از دل رفت و دل از دست و دست از کار رفت رفتن او جملہ برہم زد سر و سامان من
تیرہ شد چوں شام ماتم در نظر ایں خاکداں چاک شد مانند دامان سحر دامان من
شکر منت ہای او ایمان خود دانستہ ام ذکر او تا بودہ ام بودست حرز جان من
بسکہ از شور فغانم محشری برپا شدہ است میشود شور قیامت ہر نفس قربان من
گریہ ام در ماتمش رنگ فراوانی گرفت می چکد طوفان نوح از گوشۂ دامان من

بہر سال آن عزیز مصر دلہا گفت امیر
مسند آرائے جناں شد یوسف دوران من
۱۲۸۱ھ

قطعہ تاریخ تہنیت جلوس میمنت مانوس جناب معلی القاب نواب محمد کلب علیخاں بہادر والی ملک مصطفی آباد عرف رامپور

آفتاب سپہر حشمت نے تخت پر جب جلوس فرمایا
فرط بالیدگی سے وقت جلوس پایۂ عرش تخت نے پایا
عرشیوں نے کہا مبارک ہو فرشیوں کے سروں پہ یہ سایا
سایۂ اُس سایۂ الٰہی کا ابر رحمت کی طرح سے چھایا
تخت دولت پہ ماہ دولت نے مہر ہو کر جلوس فرمایا
ہر کا رنگ ہو گیا پھیکا ماہ کامل فلک پہ شرمایا

نذر کو آسمان دُرِ انجم | طبق ماہتاب میں لایا
نور سے طور ہو گئی کوٹھی | پرتو حسن نے یہ چمکایا
کیوں نہ خوش ہوں محمدی مشرب | عہد خلق محمدی آیا
اس سلیمان نے خلق سے اپنے | خاتم دل پہ نقش بٹھلایا
جی اٹھا جس سے چار باتیں کیں | رنگ اعجاز تازہ دکھلایا
جھک گئے کشتان بزم سوال | جام جودوکرم جو چھلکایا
نئے سر سے جوان ہوا اقبال | نخل دولت مراد پہ آیا
ہے یہ سرتاج تاجداروں کا | اس پہ اللہ کا رہے سایا۔

واقعی ہے امیر سال جلوس
دور دور فلاح خلق آیا
۱۲۸۱ھ

ایضاً

خلق کی تقدیر چمکی وہ ہوئے مسند نشیں | نور فیض کبریائی سے جو مالامال ہیں
ڈھل گئی ہے نور کے سانچے میں تاریخ امیر | آفتاب آسمان دولت و اقبال ہیں
۱۲۸۱ھ

قطعہ تاریخ وفات جناب شیخ محمد وحید الزماں صاحب سفیر دالریاست ملک رامپور

آں گرامی گوہر قدسی نفس | رحلت از دنیائے فانی چوں نمود
گفت امیر سخت جاں سال رحیل | صاحب ایماں سراپا خیر بود
۱۲۸۹ھ

ایضاً

اللہ نے جو وصف عطا ان کو کئے تھے | وہ آنہیں سکتے ہیں قیاس بشری میں

رحلت کی امیر انکی کہی میں نے یہ تاریخ   باللہ ملک تھے وہ لباس بشری میں
۱۲۸۹ھ

ترجیع بند

قاصد خوش خبر رحمت غفار آمد   بخت بیدار شد و دولت بیدار آمد
قطرہ زن آمد و باد ست گہر بار آمد   ہمچو سیلاب بہاراں سوئے گلزار آمد
تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

ہر روش اور ہی سامان نظر آتے ہیں   جان تازہ گل و نسرین و سمن پاتے ہیں
جھومتے ہیں جو شجر سرد ہوا کھاتے ہیں   رقص کرتے ہیں تو طاؤس یہ چلاتے ہیں
تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

گلستاں میں نئی ترکیب جو مجلس کی ہوئی   پھر ہوا سرد چلی وجہ یہی اس کی ہوئی
تازہ امید گل و لالہ و نرگس کی ہوئی   نہیں معلوم یہ مقبول دعا کس کی ہوئی
تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

لو تماشائے گل و سنبل و سوسن کو چلو   دیکھنے شاہد مقصود کے جوبن کو چلو
سیر کا وقت ہے گردان کے دامن کو چلو   بیٹھنا گھر میں مناسب نہیں گلشن کو چلو
تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

کرتے ہیں مرغ چمن شور گھٹا چھائی ہے   ہر روش ناچتے ہیں مور گھٹا چھائی ہے
لطف برسات کا ہے زور گھٹا چھائی ہے   صحن گلزار میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے

تند و پر شور سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

زینتیں مے کی دکانوں کی خداداد ہوئیں — اُڑ چلیں بوتلیں ایسی کہ پریزاد ہوئیں
خاطریں قید غم دہر سے آزاد ہوئیں — بھٹیاں بادہ فروشوں کی پھر آباد ہوئیں

تند و پر شور سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

تہنیت رعد نے چلا کے سنائی کیسی — ہاں میں ہاں کوند کے بجلی نے ملائی کیسی
شکل امید مقدر نے دکھائی کیسی — تھی تمنا جو تمہیں آج بر آئی کیسی

تند و پُر شور سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

تند اس طرح کا جیسے کسی محبوب کی خو — شور ایسا کہ نہیں صور سے کمتر سر مو
وہ سیاہی کہ پریشان ہوں جس سے گیسو — کثرت ایسی کہ فلک کا بھی دبا ہے پہلو

تند و پر شور سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

چاہیئے دور مے ناب ہو پیمانہ چلے — خانقہ میں ہو جو زاہد سوئے میخانہ چلے
مقدرت ہو کہ نہ ہو کام چلے یا نہ چلے — زور جبتک کہ چلے بادۂ مستانہ چلے

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

طرفہ اس ابر کی ہے زیر فلک جلوہ گری — ہم سمجھتے ہیں کہ پر کھول کے آئی ہو پری
زاہد خشک بھی دیکھیں گے تماشا تری — کشت امید ہوئی بادہ پرستوں کی ہری

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد

میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

خشک سالی کے سبب قحط پڑا تھا گھر گھر   صورت عیش نہ آتی تھی زمانہ کو نظر
فضل خالق نے کیا کھل گئے امید کے در   کہدو ہرکاروں سے میخواروں کو کردیں یہ خبر

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

رخ جو ہیں زرد وہ گلزار نظر آئینگے   جتنے زہاد ہیں میخوار نظر آئیں گے
لالہ رو صاحب آزار نظر آئینگے   زعفراں زار چمن زار نظر آئیں گے

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

اب نہ یہ پوچھو کہ احوال بیاں کا کیا ہے   کر سکے شکر یہ مقدور زباں کا کیا ہے
آگے کیا رنگ تھا اب رنگ جہاں کا کیا ہے   یہ تصرف جو نہیں پیر مغاں کا کیا ہے

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

جتنے میکش ہیں آ اُنکو سنادے پیغام   دیں دعا کلب علی خان بہادر کو تمام
کہ انھیں کیلئے یہ عیش کے ساماں ہیں مدام   فیض سے اُنکے ملا ہے یہ ہمکو لب جام

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

ترکیب بند در تہنیت عید الفطر

جبتک کہ روز عید مسرت فزا رہے   جبتک کہ کعبہ قبلہ اہل صفا رہے

جب تک کہ قبلہ مرجع خلق خدا رہے
مسجود جب تلک حرم کبریا رہے
قرباں ہو تجھ پہ عید سعادت فدا رہے
بالائے فرق سایۂ بال ہما رہے

جبتک کہ جرم شمس و قمر میں ضیا رہے
جبتک فروغ زہرہ و نور سہا رہے
جبتک جہاں میں چار عناصر کی جا رہے
جبتک کہ خاک و آتش و آب و ہوا رہے
مثل زمین سپہر ترے زیر پا رہے
سر پر مدام سایہ دست خدا رہے

مسجود اہل شرع ہو جبتک خدا کا گھر
جبتک نمازیوں کے جھکیں سجدہ میں سر
جبتک کہ معتکف رہیں محراب میں بشر
جبتک وظیفہ خواں رہیں یا نادہر سحر
یارب صف انام کا تو پیشوا رہے
آفاق مقتدی رہے تو مقتدا رہے

جبتک کہ باغ دہر میں پھولیں پھلیں شجر
جبتک دماغ و چشم کو دیں رنگ و بو ثمر
غنچے کھلیں نسیم سے جبتک کہ ہر سحر
شبنم ہو گوش گل کیلئے جب تلک گہر
خنداں گل مراد ہو فضل خدا رہے
نخل مراد میں ثمر مدعا رہے

جبتک کہ ابر تر سے چمن فیض یاب ہو
جب تک کہ ماہ آئینہ آفتاب ہو
جبتک صدف میں گوہر با آب و تاب ہو
جبتک کہ سنگ معدن لعل خوشاب ہو
ہر وقت درفشاں کف جود و سخا رہے
اس ابر سے جہان چمن دل کشا رہے

آباد جب تلک ہو جہاں میں جہان علم
جبتک کوئی زمیں ہو کوئی آسمان علم
جبتک کہ مدرسوں میں ہو جوش بیان علم
جبتک کہ بحث علم کریں طالبان علم

جاں بخش سامعین سخن جانفزا رہے
طرز کلام عیسیٰ معجز نما رہے

جبتک کہ فوج نجم پہ ہو تیغ مہر تیز
جبتک کرے بہار سے فصل خزاں گریز
اضداد اربعہ میں رہے جبتک ستیز
جب تک دلوں کو آپ کرے خوف رستخیز
فرق حسود زیر سم بادپا رہے
شمشیر تیرے عدل کی کشورکشا رہے

جبتک جہاں میں گردش لیل و نہار ہو
شب جب تلک کبھی کبھی دن آشکار ہو
جبتک کہ گرم معرکۂ گیرودار ہے
کچھ جبر جب تلک کہ ہو کچھ اختیار ہو
دولت تری زیادہ ہو حشمت سوار ہو
اقبال حاضر در دولت سرا رہو

جبتک کہ عشق گل سے ہو بلبل کے دل میں داغ
جبتک ہو فاختہ کو تمنائے سرو باغ
پرواز جب تلک کہ رہے عاشق چراغ
آشفتہ عشق مہ رہے تا کبک کا دماغ
عارض پہ جان جن دلبر کی فدا رہے
دل دو جہاں کا بستۂ زلف دوتا رہے

جبتک دہن کو میم عدم نکتہ داں کہیں
جبتک کہ چاند چہرے کو روشن بیاں کہیں
جبتک نگاہ یار کو شاعر سناں کہیں
ابرو کو اور مژہ کو خدنگ و کماں کہیں
مثل کمان نہ جو ترے آگے جھکا رہے
اس کا جگر نشانۂ تیر قضا رہے

جبتک صدف میں قطرۂ نیساں گہر بنے
تا آہن آبیاری پارس سے زر بنے
جبتک ہرن کی ناف میں خوں مشک تر بنے
جبتک کہ شیشہ سنگ سے گل سے ثمر بنے
بوئے گل طرب سے دماغ آشنا رہے

شیشہ شراب عشق سے دل کا بھرا رہے

جبتک کہ بوستاں میں ہے گل گل میں رنگ و بو | جبتک کہ صحن باغ میں جاری ہے آب جو
جبتک صبا چمن میں پھرتی ہے چارسو | جبتک کہ گل ہے جام ہر اک غنچہ ہے سبو

صحت نصیب باغ جوانی ہرا رہے
اس بوستاں کی معتدل آب و ہوا رہے

ایسا جہاں میں حکم کا سکہ بٹھا دیا | نوشیرواں کا عدل دوبارہ دکھا دیا
اس درجہ گنج گوہر و سیم و طلا دیا | نام جم و سکندر و دارا مٹا دیا

خورشید گو وہ سب ترے آگے سہا رہے
نام اوروں کے نام رہے بھی تو کیا رہے

یارب ہمیشہ دولت و حشمت زیادہ ہو | فرحت رہے مدام مسرت زیادہ ہو
ہر روز زور بازوئے قدرت زیادہ ہو | عالم ہو زیر حکم حکومت زیادہ ہو

حاصل ہر اک مراد ہو حامی خدا رہے
ظل رسول سایۂ مشکلکشا رہے

جبتک کہ ہاتھ پانوں کو قوت نصیب ہے | جبتک دل و دماغ کو طاقت نصیب ہے
کانوں کو جب تلک کہ سماعت نصیب ہے | آنکھوں کو جب تلک کہ بصارت نصیب ہے

جان و دل امیر کبھی برقرار رہے
اسکو کسی سے کام نہ تیرے سوا رہے

تاریخ طبع سابق از سید فضل رسول خاں مرحوم تعلقدار سندیلہ تلمیذ حضرت امیر مغفور لکھنوی

کہاں ہیں مومن و غالب کہاں ہیں ذوق و نصیر | کہاں ہیں ناسخ و آتش کہاں ہیں یار [illegible]
چھپا ہے مطبع میں دیوان امیر احمد کا | کہیں زمانے میں جسکا نہیں شبیہ و نظیر

کریں مطالعہ اس کا بدیدۂ انصاف — کھنچے کسی سے مضامین کی ایسی کب تصویر
جو واسطی کو ہوئی فکر از پے تاریخ — کہا زبانِ قلم نے طفیل فیض اسیر
۱۲۹۰ھ

تاریخ طبع حال از سخنور باکمال منشی بھگوان دیال صاحب عاقل ایجنٹ مطبع سلمہ المتعال

کنوں گردید شائع بار ثالث — عجب دیوان اعلیٰ مرآۃ الغیب
پے تاریخ عاقل کرد تحریر — بوقت طبع زیبا مرآۃ الغیب
۱۳۰۹ھ

ختم شد

DATE LABEL

DATE LABEL